اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَہَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ

سلسلۂ دار المصنفین

نمبر ۱۷

اسوۂ صحابہؓ

حصۂ دوم

جس میں صحابہ اور صحابیات رضی اللہ عنہم کی سیاسی، مذہبی، اور علمی خدمات کی تفصیل کرکے یہ دکھایا گیا ہو کہ انھون نے کیونکر اسلام کے عادلانہ نظام حکومت کو قائم رکھا، اور کیونکر مذہب، اخلاق اور علوم اسلامیہ کی حفاظت و اشاعت کی

از

مولانا عبد السلام ندوی

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی

در مطبع معارف اعظم گڈھ مطبوع گردید

سنہ ۱۳۷۴ھ
۱۹۵۵ء

فہرست مضامین

اسوۂ صحابہ حصہ دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک، مذہب، اخلاق، سیاست، اور علم معرفت کا ایک مکمل مجموعہ تھی جن کے اصول وقواعد قرآن پاک اور احادیث صحیحہ مین بہ تفصیل مذکور ہین اس لئے آپ کے وصال کے بعد ان عناصر اربعہ کا تحفظ وبقا صحابہ کرام کا سب سے اہم فرض تھا، اور انھون نے اس فرض کو جس دیانت اور سرگرمی کے ساتھ ادا کیا کتاب کے اس حصے مین اوسی کی تفصیل ہے؛ اگرچہ بحیثیت جانشین رسول کے خلفاء راشدین کو اس فرض کے ادا کرنے کا موقع اور تمام صحابہ سے زیادہ ملا، اور اس لیے کتاب کا یہ حصہ زیادہ تر خلفاء راشدین ہی کے مذہبی، اخلاقی، سیاسی، اور علمی کارنامون پر مشتمل ہے، لیکن ان تمام کارنامون کے انجام دینے مین دیگر صحابہ بھی ان کے شریک تھے، مثلاً وہی مسجدون کے امام، درسگاہون کے معلم، صوبون کے حاکم، عدالتون کے قاضی، فوجون کے افسر، اور مسلمانون کے مفتی تھے، اور اس حیثیت سے ان کے علمی مظاہر مساجد سے لیکر ایوان حکومت اور میدان جنگ تک مین یکسان نظر آتے تھے، اس بنا پر خلفائے راشدین کے کارنامون کے ساتھ اور صحابہ کے کارنامے بھی اس حصے مین آگئے ہین، اور اس طرح یہ حصہ تمام صحابہ کے کارنامہاے زندگی کا ایک مکمل مجموعہ بنگیا ہے،

جو لوگ اس کتاب کے پہلے حصے مین خود صحابہ کرام کے مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی فضائل

ومناقب پڑھ چکے ہین، اونکو اس حصے مین یہ نظر آئیگا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تربیت سے کیونکر صحابۂ کرام کو تدبیر و سیاست اور علم و معرفت مین بھی دنیا کے لیے ایک مکمل نمونہ بنا کر چھوڑ گئے، اور ان نمونون نے اپنے زمانے مین کیونکہ تمام دنیا کو آپ کی تعلیمات و تلقینات کے مطابق مذہب، اخلاق اور سیاست کی صراط المستقیم پر قائم رکھا،

خدا کے اور پیغمبرون نے بھی اپنے اصحاب کو ان تمام چیزون کی تعلیم و تلقین کی ہے، لیکن اصحاب رسول اللہ نے جس طرح انکی حفاظت کی۔ اور جس طرح ان کو قائم و برقرار رکھا اس کی نظیر سے تمام دنیا کی مذہبی تاریخ خالی ہے، اور درحقیقت ایک ابدی مذہب کے قیام و بقا کیلئے اسی قسم کے برگزیدہ و متدین محافظ درکار تھے،

عبدالسلام ندوی

شبلی منزل،

اعظم گڈھ

۱۱ر جولائی سنہ ۱۹۲۲ع

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیاسی خدمات

خلافت الٰہی

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا ٥ (نور)

خلافت الٰہی ایک مقدس مذہبی امانت ہے، اس لیے اس کا استحقاق صرف ایمان وعمل ہی کی بنا پر پیدا ہو سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اول اول جب آسمان پر اس کا اعلان ہوا تو مقربان بارگاہ الٰہی نے اپنے استحقاق کا اظہار ان الفاظ مین کیا،

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (بقرہ)	جب تیرے پروردگار نے فرشتون سے کہا کہ مین زمین مین اپنا ایک خلیفہ مقرر کرنا چاہتا ہون تو ان سب نے کہا کیا تو زمین مین اپنا خلیفہ اس شخص کو مقرر کرتا ہے جو اس مین فساد پھیلائے گا اور خونریزی کریگا؟ حالانکہ ہم تیری تسبیح وتقدیس کرتے ہین،

صحابۂ کرام کے عقائد و اعمال کی جو تفصیل پہلے حصے مین گذر چکی ہے ان کو پڑھ کر اگرچہ ہر شخص

تسلیم کریگا کہ اونھون نے مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے اپنے آپ کو خلافت الٰہی کا حقیقی مستحق بنا لیا تھا، لیکن اس حصے مین ہم ان اخلاقی خصوصیات کو دکھانا چاہتے ہین جن سے نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت ہوگا کہ صحابۂ کرام مین حاکم و محکوم اور راعی و مرعی دونون کے مشترکہ اخلاقی اوصاف نے خلافت کو کس صحیح اصول پر قائم کیا اور کس صحیح طریقے پر اس کو قایم رکھا۔

صحابہ کو خلافت کی خواہش نہ تھی۔

امارت و حکومت اگر امر بالمعروف و النہی عن المنکر کا ذریعہ ہے تو وہ ایک مقدس فریضۂ مذہبی ہے۔ لیکن اگر اس کو ذاتی اغراض کا شکارگاہ بنا لیا جائے تو اس سے بدتر کوئی چیز نہین، اس بنا پر ہر نظام حکومت کے متعلق سب سے پہلے یہ پتہ لگانا چاہیے کہ اس کی بنیاد کس سطح پر رکھی گئی ہے؟ صحابۂ کرام کے دور کی اصلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ لوگ ذاتی حیثیت سے امارت و حکومت کی خواہش نہین رکھتے تھے، البتہ جن مواقع پر وہ مذہبی خدمات اور مذہبی اعزاز کا ذریعہ ہو سکتی تھی وہان تمام صحابہ اس کو محبوب سمجھنے لگتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر مین اعلان فرمایا کہ "مین آج یہ جھنڈا اس شخص کو دون گا جو اللہ اور اللہ کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا اوسی کے ہاتھ پر فتح نصیب کرے گا"، تو اس مذہبی شرف کے شوق سے تمام صحابہ کے دل لبریز ہو گئے، لیکن ان مواقع کے علاوہ ان کے پاک دل کو کبھی اس ہوس نے آلودہ نہین کیا، خود حضرت عمرؓ فرماتے ہین۔

ما احببت الامارۃ الا یومئذ[1]۔ — غزوہ خیبر کے سوا مین نے کبھی امارت کی خواہش نہین کی

سقیفۂ بنو ساعدہ مین خلافت کا مسئلہ پیش ہوا تو مہاجرین و انصار مین اگرچہ ایک طرح کی کشمکش پیدا ہو گئی تاہم اس وقت بھی دور صحابہ کی یہ خصوصیت نمایان رہی، اسوقت انصار مہاجرین کے حریف مقابل تھے، لیکن ان ہی انصار مین حضرت زید بن ثابتؓ بھی تھے، جنھون نے نہایت

---

[1] مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل علی بن ابی طالبؓ۔

ایثار کے ساتھ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجر تھے، اس لئے خلیفہ بھی مہاجر ہی ہوگا، ہم جس طرح آپ کے انصار تھے، آپکے خلیفہ کے بھی انصار رہینگے،[1]

یہی وجہ ہے کہ خلافت راشدہ کے زمانہ تک ذاتی تفوق و امتیاز کی بنا پر صحابۂ کرام مین باہم کوئی نزاع نہین قایم ہوئی،

خلافت کی ذمہ داریون کا احساس

حکومت یا امارت اگر ذاتی اغراض کا ذریعہ ہین تو ان کی ذمہ داری اس سے زیادہ نہین، جتنا ایک جانور اپنی بھوک پیاس کا ذمہ دار ہے، لیکن اگر ان کے ذریعہ سے دنیا مین نیکیون کا پھیلانا اور برائیون کا استیصال کرنا مقصود ہے، تو وہ ایک ایسا بار امانت ہے جس کے بوجھ سے آسمان و زمین تک کانپ اوٹھتے ہین، صحابۂ کرام کے سر پر یہی بار امانت ڈالا گیا تھا، اس لئے اس بوجھ سے ان کے اعصاب ہمیشہ متزلزل رہتے تھے، حضرت ابوبکرؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو انھون نے پہلا خطبہ جو دیا وہ صرف خلافت کی ذمہ داریون پر مشتمل تھا چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہین،

یا ایھا الناس لوددت ان ھذا کفانیہ غیری ولئن اخذ تمونی بسنۃ نبیکم ما اطیقھا ان کان لمعصوما من الشیطان وان کان لینزل علیہ الوحی من السماء[2]	لوگو! میری خواہش یہ تھی کہ اس بوجھ کو کوئی دوسرا شخص اوٹھاتا، اور اگر تم مجھ سے اپنے پیغمبر کی سنت کا اتباع چاہوگے تو مین اس کا متحمل نہ ہوسکون گا، کیونکہ وہ شیطان سے محفوظ و مامون تھے، اور اونپر آسمان سے وحی نازل ہوتی تھی،

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی دوسرا شخص اس بار کے اوٹھانے کی قوت رکھتا تو مجھپر یہ بہت زیادہ آسان تھا کہ مین آگے بڑھ جاؤن اور میری گردن اوڑا دیجائے"[3]

ایک بار حج سے واپس آرہے تھے، راہ مین ایک مقام پر ٹھہر گئے اور بہت سی کنکریان جمع کرکے

[1] مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۸۶۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۰ [3] موطائے امام محمدؒ باب النوادر،

چادر بچھائی، اور اسپر چت لیٹ کر آسمان کی طرف ہاتھ اوٹھا کر یہ دعا کی،

اللھم کبرت سنی وضعفت قوتی و انتشرت رعیتی فاقضنی الیک غیر مضیع ولا مفرط[1]،

خداوندا اب میرا سن زیادہ ہوا میرے قوی ضعیف ہوگئے، میری رعایا ہر جگہ پھیل گئی، بس مجھکو اس حالت مین اوٹھا لے کہ میرے اعمال برباد نہون اور مین حد اعتدال سے آگے نہ بڑھون

ان کے مرض الموت مین جب لوگون نے درخواست کی کہ اپنا جانشین مقرر کرتے جایئے تو بولے کیا مین یہ بوجھ موت زندگی دونون حالتون مین اٹھاؤن، میری صرف یہ آرزو ہے کہ مین اس اس طرح الگ ہو جاؤن کہ عذاب و ثواب برابر سرابر ہو جائین"

خلافت کی ذمہ داریون کا بہی احساس تھا جس کی بناپر انھون نے حالت نزع مین ہر گروہ کی حفاظت حقوق کے لئے وصیت کی، مہاجرین و انصار سے لیکر بدو اور ذمی تک کے حقوق کی طرف اپنے جانشین کو توجہ دلائی، چنانچہ بخاری باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان مین یہ وصیت بہ تفصیل مذکور ہے،

فرائض خلافت اللہ تعالی نے صحابۂ کرام کو اپنے فضل و احسان سے اپنا سب سے بڑا عطیہ عطا فرمایا تو ساتھ ساتھ اس کے فرائض بھی بتا دیئے،

الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور (حج)

وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین مین متمکن کر دینگے تو وہ نماز کو قایم کرین گے، زکوۃ دینگے، نیکی کا حکم کرین گے اور بدی سے روکین گے، اور ہر کام کا انجام صرف خدا کے لئے ہے

یہ فرائض جلیلہ اصولاً تین قسمون مین منقسم کئے جا سکتے ہین، مذہب، اخلاق، سیاست صحابۂ کرام نے اپنے عہد مین جس طرح یہ فرائض انجام دیئے ان کی تفصیل اس حصہ کے مختلف ابواب

---

[1] موطائے امام محمدؒ باب الرجم،

وفصول مین آئیگی، اس موقع پر صرف ان موثر مثالون کا جمع کرنا مقصود ہے، جن سے اس جوش، اس خلوص، اس مستعدی اور اس سرگرمی کا اظہار ہوگا جو ان فرائض کے انجام دینے مین صحابۂ کرام نے ظاہر فرمائی،

ہمارے زمانہ مین بادشاہ کا رات کو تنہا نکلنا ایک غیر معمولی واقعہ سمجھا جاتا ہے، لیکن حضرت ابو بکر رضؓ صدیق جب خلیفہ ہوئے تو سات مہینہ تک مقام سنح مین قیام فرمایا جو مدینہ کی اصل آبادی سے دور تھا، لیکن روزانہ وہان سے کبھی پا پیادہ اور کبھی سواری پر مسجد نبوی مین آتے تھے اور عشا کی نماز پڑھا کر واپس[1] جاتے تھے،

حضرت عمرؓ صبح تڑکے اوٹھتے تو پہلا کام یہ انجام دیتے کہ جو لوگ تہجد پڑھکر سو جاتے تھے ان کو نماز صبح کے لئے جگاتے[2]. عشا کے بعد ان کا سب سے آخری فرض یہ تھا کہ مسجد کی دیکھ بھال فرماتے. جو لوگ عبادت الٰہی مین مصروف ہوتے ان کے سوا دوسرے بیکار آدمیون کو نہ رہنے دیتے[3]،

لیکن ابھی ان کے فرایض خلافت ختم نہ ہو جاتے بلکہ راتون کو اوٹھ اوٹھ کے مدینہ کا پہرا دیتے، ایک دن حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے ساتھ رات کو نکلے، دفعۃً ایک گھر مین چراغ کی روشنی نظر آئی، قریب آئے تو دیکھا کہ دروازہ بند ہے اور کچھ لوگ شور وشغب کر رہے ہین، حضرت عبد الرحمٰن ابن عوفؓ سے فرمایا، تمھین معلوم ہے یہ کس کا گھر ہے؟ یہ ربیعہ بن امیہ کا گھر ہے، اور وہ لوگ اس وقت شراب پی رہے ہین، تمھاری کیا رائے ہے؟ بولے کہ "خدا نے ہم کو تجسس کی ممانعت فرمائی ہے"، اس لئے واپس آئے[4]"،

مدینہ مین ایک عام لنگر خانہ قایم کیا تھا، وہان جاتے تھے اور مسلمانون کو خود اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتے تھے، ایک قاصد دربار خلافت مین حاضر ہوا تو دیکھا کہ امیر المومنین، ہاتھ مین عصا لیکر مسلمانون کو خود کھانا کھلا رہے ہین[5]. عشا کے بعد پھر پھر کے مسجد مین ہر شخص کا چہرہ دیکھتے اور اس سے پوچھتے کہ

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرۃ ابو بکر صدیقؓ [2] فتوح البلدان صفحہ ۴۷۸ [3] خلاصۃ الوفاء باخبار المصطفٰی صفحہ ۱۷۵، [4] اصابہ تذکرہ ربیعہ بن امیہ، اس قسم کی متعدد مثالین تاریخون مین مذکور ہین، [5] طبری صفحہ ۲۷۴۰،

کھانا کھایا ہے یا نہین ؟ اگر کوئی شخص بھوکا ہوتا تو اس کو لیجا کر کھانا کھلاتے،[1]

فوجون کو روانہ فرماتے تو ہر وقت اس کے خیال مین مصروف رہتے، فرمایا کرتے تھے کہ مین نماز پڑھتا ہون اور فوج کے بھیجنے کا سامان کرتا رہتا ہون، نہاوند کے معرکہ کا دن آیا تو رات کروٹین بدل بدل کر کاٹی[2]، قادسیہ مین ایرانیون سے جنگ ہوئی، تو صبح سے لیکر دوپہر تک کا صرف یہ مشغلہ تھا کہ جو شتر سوار ادھر سے آتے ان سے حالات[3] دریافت فرماتے،

رعایا کی خبر گیری کا نہایت خیال رکھتے تھے، عمال کے یہان سے جو قاصد آتے ان سے رعایا کا حال پوچھتے، ایک دن حضرت ابوموسی اشعری رضی کے یہان سے ایک آدمی آیا تو اس سے رعایا کے حالات پوچھے[4]، اخیر مین تمام ملک کے دورے کا بھی ارادہ کیا تھا، اور فرماتے تھے کہ ایک سال متصل دورہ کرون گا، رعایا خود مجھ تک پہونچ نہین سکتی اور عمال ان کی ضروریات کو مجھ تک نہین پہونچاتے، دو مہینہ شام مین، دو مہینہ جزیرہ مین، دو مہینہ مصر مین، دو مہینہ بحرین مین، دو مہینہ کوفہ مین اور دو مہینے بصرہ مین قیام کرون گا[5]، لیکن ان مین صرف شام کے دورہ کی نوبت آئی،

صدقہ مین جو جانور آتے تھے ان کی نگرانی اور حفاظت خود فرماتے تھے، ایک دن سخت لو چل رہی تھی، اور زمین پر انگارے بچھے ہوئے تھے، اسی حالت مین حضرت عثمان رض نے دیکھا کہ وہ دو اونٹون کو ہانکے ہوئے لے جا رہے ہین، پوچھا کہ آپ اس وقت گھر سے کیون نکلے ؟ بولے صدقے کے دو اونٹ چھوٹ گئے تھے مین نے خیال کیا کہ ان کو چراگاہ مین پہونچا آؤن" ایک روز صدقے کے اونٹ آئے تو سر پر چادر ڈال لی اور تپتی ہوئی زمین پر کھڑے ہو کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان کا حلیہ قلم بند کروایا، حضرت عثمان رض بھی موجود تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کی

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ ام حبیبہ خولہ۔ [2] طبری صفحہ ۲۶۲۸ [3] طبری صفحہ ۲۲۶۷ [4] موطاے امام ملک کتاب الاقضیۃ القضاء فیمن ارتد عن الاسلام [5] طبری صفحہ ۲۷۳۸،

طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "حضرت شعیب علیہ السّلام کی لڑکی نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی نسبت کہا تھا،

ان خیر من استاجرت القوی الامین — جس کو تم نے ملازم رکھا ہے وہ قوی اور امین ہے

لیکن وہ قوی امین یہ ہیں[1]،

ایک دن صدقہ کے اونٹون کے بدن پر تیل لگا رہے تھے، ایک شخص نے کہا "اے امیرالمومنین کسی غلام کے متعلق یہ کام کر دیا ہوتا" بولے "مجھ سے بڑھکر کون غلام ہو سکتا ہے؟ جو شخص مسلمانون کا والی ہے وہ مسلمانون کا غلام ہے[2]"

بازار کی نگرانی کا خاص اہتمام رکھتے تھے، اگرچہ اس کام کیلئے حضرت عبداللہؓ اور حضرت سائب ابنؓ زید کو خاص طور پر مقرر کر دیا تھا[3]، لیکن خود بھی بازار کا گشت لگایا کرتے تھے، ایک دن بازار سے گذرے تو دیکھا کہ ایک نئی دوکان کھلی ہے اس کو توڑ ڈالا، اگر تاجر ایک جگہ جمع ہو جاتے تو ان کو کوڑا مارتے اور کہتے کہ راستہ نہ بند کرو[4]،

ایک دن بازار سے گذرے حضرت حاطب بن بلتعہؓ کو دیکھا کہ منقے بیچ رہے ہین، بولے "یا بھاؤ بڑھاؤ یا اس کو اٹھا کر بازار سے لیجاؤ[5]"،

بیت المال سے مسلمانون کے جو وظائف مقرر تھے ان کے گھرون پر جاجا کر تقسیم کر آتے تھے، ہشام کعبی کا بیان ہے کہ وہ ہاتھ مین قبیلہ خزاعہ کا رجسٹر لے لیتے تھے، پھر وہان سے مقام قدید مین جاکر ہر باکرہ و ثیبہ عورت کو اس کا وظیفہ خود اس کے ہاتھ مین دیدیتے تھے، پھر وہان سے مقام عسفان مین آکر وظائف تقسیم فرماتے تھے[6]،

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ [2] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۶۴ [3] موطائے امام مالک کتاب البیوع. [4] کنز العمال صفحہ ۱۷۶، [5] مسند جلد ۱ صفحہ ۲۱: [6] فتوح البلدان صفحہ ۴۵۷،

حضرت عثمانؓ نے بھی اس سنت کو قائم رکھا تھا، مسند امام احمد بن حنبل مین ہے کہ

وہ منبر پر تھے اور موذن اقامت کہہ رہا تھا، لیکن وہ اس حالت مین بھی لوگون کے حالات

اور بازار کا نرخ پوچھ رہے تھےؓ!!

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اسی جوش و خلوص کے ساتھ فرائض خلافت ادا فرماتے تھے استیعابؓ

مین ہے کہ وہ ہاتھ مین دُرّہ لئے ہوئے بازارون مین گھومتے رہتے تھے اور لوگون کو پرہیزگاری، سچائی،

حُسن معاملت، اور پورے پورے ناپ جوکھ کی ترغیب دیتےؓ تھے، ایک دن بازار مین گئے دیکھا کہ ایک

لونڈی ایک خرمہ فروش کی دوکان پر رو رہی ہے. بولے کیا حال ہے؟ بولی اس نے ایک درہم پر میرے

ہاتھ کھجور فروخت کی، لیکن میرے آقا نے اس کو واپس کر دیا اب وہ پھیرنے پر راضی نہین ہوتا، انھون نے

سفارش کی کہ کھجور لیلو، اور اس کے دام واپس دیدو، اس نے ان کو ڈھکیل دیا، لوگون نے کہا، کچھ خبر ہے

یہ امیر المومنین ہین" اب اس نے اس کی کھجور واپس کر دی اور کہا کہ مجھ سے راضی ہو جائیے"، بولے اگر

لوگون کا حق پورا پورا دوگے تو مجھ سے زیادہ تم سے کون راضی ہوگاؓ!!

ایک دن بازار سے گذرے دیکھا کہ لوگ اپنی اپنی جگہ چھوڑ کر آگے بڑھ گئے ہین، بولے کسی کو یہ اختیار

نہین ہے، مسلمانون کے بازار نمازیون کے مصلے کی طرح ہین، جو لوگ آج آگے بڑھ گئے ہین وہ کل اس

کو چھوڑ دینؓ،

دیانت خلفاء کی حفاظت مین سب سے زیادہ گران قیمت چیز بیت المال تھا، دنیوی بادشاہ سلطنت

کا مال اپنے اوپر بیدریغ صرف کرتے ہین، لیکن صحابۂ کرام نے اس خزانۂ الٰہی کی اس دیانت کے ساتھ

حفاظت کی کہ اپنے مصارف سے زیادہ اس مین سے کبھی ایک حبہ نہین لیا،

[1] مسند جلد ا صفحہ ۷۳، [2] استیعاب تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ [3] الریاض النضرۃ فی مناقب

العشرہ صفحہ ۲۳۱، [4] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۶،

حضرت ابوبکرؓ نے فرائض خلافت کی مصروفیت کی بنا پر بیت المال سے وظیفہ لیا تو اس کے ساتھ یہ تصریح کردی کہ اس کے بعد ان کی تجارت کی آمدنی بیت المال مین منتقل ہو جائے گی،

فسیاکل آل ابی بکر من ھذا المال — اب آل ابوبکر اس مال سے وجہ معاش لے گی

ویحترف للمسلمین[۱]، — اور مسلمانون کے لئے پیشہ کرے گی،

لیکن انتقال کے وقت وظیفہ کی رقم بھی واپس کردی[۲]،

حضرت عمرؓ کی حیثیت اس سے زیادہ نہ تھی کہ وہ مسلمانون کے ایک مزدور تھے، اس لئے بیت المال سے صرف اسی قدر لیتے تھے، جتنا ایک مزدور کو لینا چاہئے، اسد الغابہ مین ہے،

ونزل نفسہ بمنزلۃ الاجیر وکاحاد المسلمین فی بیت المال[۳] — اونھون نے اپنا حق بیت المال سے صرف اسقدر لیا جس قدر ایک مزدور اور مسلمانون کے عام افراد کا حق تھا

انھون نے اپنے طرز عمل سے ہر موقع پر ثابت کیا کہ بیت المال مسلمانون کا مشترکہ خزانہ ہے، خود ان کا اس مین کچھ حق نہین ہے، چنانچہ انھون نے ایک بار حضرت حذیفہؓ کو لکھا، کہ مسلمانون کے وظیفے تقسیم کردو، انھون نے جواب دیا کہ وظیفے تقسیم ہوچکے، لیکن بہت سا مال بچ گیا ہے، حضرت عمرؓ نے ان کو دوبارہ لکھا کہ یہ بھی مسلمانون مین تقسیم کردو، یہ عمر اور آل عمر کا مال نہین ہے[۴]،

ایک بار حج کو گئے تو آمد و رفت مین ۸۰ درہم صرف ہوگئے، ان کو اس پر اسقدر افسوس ہوا کہ ہاتھ پر ہاتھ مارتے تھے، اور کہتے تھے،

ما اخلقنا ان نکون قد اسرفنا فی مال اللہ تعالی[۵]، — یہ کس قدر نامناسب بات ہے کہ ہم نے اللہ تعالی کے مال مین فضول خرچی کی،

ایک بار بیمار ہوئے اور دوا کے لئے شہد کی ضرورت پیش آئی، بیت المال مین شہد کا پیپا تھا،

---

۱ بخاری کتاب البیوع ۲ طبری صفحہ ۲۱۴۴۳ ۳ اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۱، ۴ فتوح البلدان صفحہ ۴۵۸ ۵ اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۷۲،

مسجد مین تشریف لائے اور منبر پر چڑھکر تمام مسلمانون کی طرف خطاب کر کے کہا کہ اگر آپ لوگ اجازت دین تو یہ شہد لیلون ورنہ وہ مجھپر حرام ہے،

ایک بار تمام مصارف کے بعد کچھ مال بچ گیا، تو لوگون سے مشورہ کیا کہ اب یہ کہان خرچ کیا جائے، لوگون نے کہا امیر المومنین ہم نے آپ کو زراعت و تجارت کے کاروبار سے روکدیا ہے، اب وہ آپ کا مال ہے" انھون نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو؟ انھون نے کہا "لوگون نے آپ کا نام لیا ہے یونہی تمھین کہو" انھون نے کہا "ایک دن آپ میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین گئے، تو ہم نے آپ کو افسردہ پایا، دوسرے روز گئے تو آپ خوش تھے، ہم نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ پہلے دن میرے پاس صدقے کے دو دینار رہگئے تھے اس لئے مین رنجیدہ تھا اور آج مین نے ان کو تقسیم کر دیا، اس لئے خوش ہون، حضرت عمرؓ نے فرمایا تم نے سچ کہا مین دنیا و آخرت دونون مین تمھارا شکر گذار ہون[1]،

خلافت کے بعد وہ خود مسلمانون کے ہو گئے تھے، اور اپنی ذاتی حیثیت فنا کر دی تھی، اس لیے ان کو جو کچھ ملتا تھا اس کو یا تو بیت المال مین داخل کر دیتے تھے یا اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔

ایک بار شاہ روم کا قاصد آیا تو ان کی بی بی نے ایک اشرفی کا عطر خریدا اور اس کو شیشی مین بھر کر شاہ روم کی بی بی کے پاس ہدیۃً بھیجا، اس نے ان شیشیون کو جواہرات سے بھر کر واپس کر دیا، حضرت عمرؓ نے یہ جواہرات دیکھے تو ان کو فروخت کر کے ایک دینار اپنی بی بی کو واپس کر دیا، بقیہ رقم بیت المال مین داخل کر دی،

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے چراگاہ مین اونٹون کو چرا کر خوب فربہ کیا، اور بازار مین بیچنے کے لئے لائے، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو کہا کہ "اے امیر المومنین کے بیٹے یہان آؤ" وہ آئے تو کہا کہ امیر المومنین کا

---

[1] نزہۃ الابرار فی الاسامی و مناقب الاخیار تذکرہ حضرت عمرؓ سنہ ۔ جلد ۱ صفحہ ۹۴

بیتا سمجھکر لوگون نے تمھارے اونٹون کو خوب کھلایا پلایا ہے اس المال لیلو بقیہ اونٹون کو بیت المال مین داخل کردو"

ایک بار حضرت ابوموسیٰ اشعری نے ان کی بی بی عاتکہؓ کے پاس ہدیۃً ایک چادر بھیجی، انھون نے ان کو بلاکر سخت تہتک کیا اور چادر کو ان کے اوپر پھینکدیا کہ ہم کو اس کی ضرورت نہین [1]،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دیانت کا یہ حال تھا کہ ایک بار ان کے پاس اصبہان سے کچھ مال آیا جس مین ایک روٹی بھی تھی، انھون نے مال کے ساتھ روٹی کے بھی سات ٹکڑے کیے اور ہر حصہ پر ایک ایک ٹکڑا روٹی کا رکھا، پھر قرعہ ڈالا کہ پہلے کس کو دیا جائے،

ایک دن بیت المال کا کل مال تقسیم کرکے اس مین جھاڑو دلوائی، پھر اس مین نماز پڑھی تاکہ قیامت کے دن لوگ ان کی دیانت کی شہادت دین،

ان کو جو چیزین ہدیۃً ملتی تھین وہ ان کو بھی بیت المال مین داخل کر دیتے تھے، ایک دن انھون نے ایک عطر کی شیشی دکھا کر کہا کہ "یہ مجھے ایک دہقان نے ہدیۃً دی ہے" پھر بیت المال مین آئے اور اس مین جو کچھ عطر تھا اونڈیل دیا، اور فرمایا "کامیاب ہے وہ شخص جس کے پاس ایک قوصرہ ہو اور وہ روز اس کو کھائے [2]"

ایک بار کسی رئیس نے حضرت حسن و حضرت حسین علیہما السلام کو دو چادرین ہدیۃً دین، حضرت علی کرم اللہ وجہہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، چادرون پر نظر پڑگئی تو پوچھا کہ یہ کہان سے ملین؟ انھون نے واقعہ بتایا تو ان کو بیت المال مین داخل کر دیا، ایک بار اصبہان سے ان کے پاس بہت سا مال اور سامان آیا، انھون نے اس کو چند دیانت دار لوگون کی حفاظت مین رکھوا دیا، اس مین سے حضرت ام کلثومؓ نے ایک مشکیزہ شہد اور ایک مشکیزہ گھی کا منگوا لیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے

---

[1] نزہۃ الابرار تذکرہ حضرت عمرؓ [2] استیعاب تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ،

آگر گئا تو وہ مشکیزون کی کمی معلوم ہوئی، انھون نے پوچھا تو حفاظت کرنے والون نے کہا "ان کا حال نہ پوچھیے ہم ان کو لا دیتے ہین" بولے "تم کو اصل واقعہ بیان کرنا پڑے گا"، انھون نے کہا "ہم نے حضرت ام کلثوم کے پاس بھیجدیا" فرمایا مین نے تو یہ حکم دیا تھا کہ مسلمانون کو تقسیم کر دو اور تم نے ام کلثوم کو دیدیا، چنانچہ اوسی وقت وہ مشکیزے اٹھوا منگوائے، اور ان مین سے جو کچھ صرف ہو چکا تھا، اس کی قیمت لگوائی تو معلوم ہوا کہ ۳ درہم کی کمی آئی ہے، حضرت ام کلثوم کے یہان سے ۳ درہم منگوائے اور مشکیزون کو تمام مسلمانون پر تقسیم کر دیا[1]

یہی دیانت تھی جس نے صحابہ کے دور خلافت مین جمہوری روح پھونکدی تھی شخصیت در حقیقت بددیانتی، خودغرضی، اور عیش پرستی کا نتیجہ ہے، خودغرض لوگ صرف اس بنا پر شخصیت کی حمایت کرتے ہین کہ سلطنت کے تمام اختیارات، سلطنت کی تمام دولت، اور سلطنت کے تمام مداخل و مخارج ان کے ہاتھ مین آجائین، اور وہ مطلق العنانی کے ساتھ مزے اوڑائین، لیکن جو لوگ دیانت کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے ہین وہ تمام دنیا کو خود امور سلطنت مین شرکت کی دعوت دیتے ہین تاکہ ان کے سر کا بوجھ ہلکا ہوجائے اور ان کی ذمہ داریان بہت سے لوگون پر تقسیم ہوجائین صحابۂ کرام اسی اصول پر حکومت کرنا چاہتے تھے، اس لئے وہ خود تمام مسلمانون کو امور خلافت مین شرکت کی دعوت دیتے تھے، حضرت عمرؓ نے خراج کے تعیّن کے متعلق تمام صحابہ کو مشورے کے لیے بلایا تو یہ الفاظ فرمائے،

انی لم ازعجکم الا لان تشترکوا فی امانتی[2] — مین نے آپ لوگون کو صرف اس لئے تکلیف دی ہے کہ آپ میری امانت مین شریک ہون،

مساوات: جبکہ تمام عرب وعجم نے سیادت وحکومت کے ذریعہ سے دنیا کو اپنا غلام بنالیا تھا،

---

[1] نزہۃ الابرار تذکرۂ حضرت علی کرم اللہ وجہہ [2] کتاب الخراج صفحہ ۱۴،

اسلام نے صرف تقویٰ وطہارت کو انسان کا اصلی شرف قرار دیا اور قرآن مجید نے تمام دنیا کے خلاف یہ صدا بلند کی،

ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم، — تم مین سب سے زیادہ شریف وہی جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے

صحابہ کرام کو اگرچہ خلافت الٰہی نے اس شرف سے بھی ممتاز کیا جو روم وایران کا سب سے بڑا ذریعہ تفوق وامتیاز تھا تاہم انھون نے صرف مذہب واخلاق ہی کو اپنا اصلی شرف خیال کیا،

حضرت عمر بن الخطابؓ کا قول ہے،

کرم المومن تقواہ ودینہ وحسبہ ومروتہ وخلقہ[1]، — مسلمان کا اصل مایۂ شرف اس کا تقوی ہی اس کا دین ہے، اس کا حسب ہے، اس کی مروت ہے اور اس کا خلق ہے

اس خیال کا یہ نتیجہ تھا کہ سیاسی حیثیت سے خلیفۂ وقت خود اپنے آپ کو تمام لوگون کے برابر سمجھتا تھا، اور ہر شخص کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرتا تھا،

ایک دن حضرت عمرؓ امور خلافت مین مشغول تھے کہ اسی حالت مین ایک آدمی آیا اور کہا کہ "اے امیر المومنین مجھپر فلان شخص نے ظلم کیا ہے، انھون نے اس پر کوڑا اوٹھایا اور کہا کہ "جب مین فصل مقدمات کے لئے بیٹھتا ہون تو تم لوگ نہین آتے اور جب خلافت کے دوسرے کامون مین مشغول ہوتا ہون تو داد رسی کے لئے آتے ہو" وہ ناراض ہو کر چلا تو خود اوسے بلایا اور اس کے سامنے اپنا کوڑا ڈالدیا اور کہا کہ مجھ سے قصاص لو" اس نے کہا نہین مین خدا کے لئے معاف کرتا ہون،، بولے اگر خدا کے لئے معاف کرتے ہو تو خیر ورنہ اگر میرے لئے درگذر تے ہو تو مجھے بتادو!" اس نے کہا "نہین خدا کے لئے"[2]

اگر کبھی امراء وعمال ان کے ساتھ اس قسم کا برتاؤ کرتے، ان مین اور عام مسلمانون مین تفریق وامتیاز پیدا کرنا تو سخت برہم ہوتے، اور اس کو تہدید فرماتے، ایک بار حضرت عتبہ بن فرقدؓ نے ان کی

[1] موطائے امام مالک کتاب الجہاد باب الشہداء فی سبیل اللہ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ

خدمت مین نہایت تکلف کے ساتھ ایک لذیذ غذا بھیجی، فرمایا کل مسلمان یہی کھاتے ہین؟ جواب ملا نہین بولے تو پھر مجھے بھی نہین چاہئے۔ اس کے بعد ان کو لکھا کہ یہ تمھاری اور تمھارے باپ کی کمائی نہین ہے تمام مسلمانون کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور عیش پرستی سے بچو[۱]۔

ایک بار حضرت عبداللہؓ اور حضرت عبیداللہ بن عمرؓ عراق کی کسی مہم مین شریک ہوے، پلٹ کر بصرہ آئے تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جو وہان کے گورنر تھے، نہایت جوش کے ساتھ انکا خیر مقدم کیا اور کہا کہ "اگر مین آپ دونون صاحبون کو کوئی فائدہ پہونچا سکتا تو ضرور پہونچاتا، یہان میرے پاس تھوڑا سا صدقہ کا مال ہے، جس کو امیر المومنین کی خدمت مین بھیجنا چاہتا ہون، آپ لوگ یہان اس روپیہ سے اسباب تجارت خرید لین اور مدینہ جاکر اس کو فروخت کرین، جو نفع حاصل ہو اس کو خود لے لین اور اصل مال امیر المومنین کے حوالے کر دین،" یہ کہکر روپیہ ان کے حوالہ کر دیا، اور حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دیدی؛ ان دونون صاحبون نے اس پر عمل کیا۔ لیکن جب روپیہ لے کر حضرت عمرؓ کی خدمت مین حاضر ہوے تو انھون نے پوچھا کیا ابوموسیٰ نے کل فوج کے ساتھ یہی معاملہ کیا ہے؟ بولے "نہین" فرمایا "امیر الم‍ؤمنین کا لڑکا سمجھکر تمھارے ساتھ یہ رعایت کی ہے، اصل او نفع دونون دو[۲]"

ایک بار انھون نے اپنے غلام کو مکاتب بنایا، اس نے کہا کہ "اگر اجازت ہو تو مین عراق کو جاؤن" بولے "مکاتب ہونے کے بعد جہان چاہو جا سکتے ہو،" وہ روانہ ہوا تو اور چند غلامون نے اس کی رفاقت کرنا چاہی، اور کہا کہ امیر المومنین سے ایک خط لیلو کہ تمام مسلمان ہمارے ساتھ عزت سے پیش آئین،" اس کو اگرچہ معلوم تھا کہ یہ درخواست ان کو ناگوار ہوگی تاہم اس نے یہ گذارش کی ڈانٹ کر فرمایا "تم لوگون پر ظلم کرنا چاہتے ہو، تم تمام مسلمانون کے برابر ہو[۳]"

---

[۱] مسلم کتاب اللباس والزینۃ باب تحریم استعمال اناء الذہب والفضۃ [۲] موطاے امام مالک کتاب البیوع باب ماجاء فی القراض، [۳] طحاوی کتاب المکاتب فی الوضع عن المکاتب وغیرہ،

اس طرز عمل نے تمام قوم مین مساوات کی روح پھونکدی تھی، اس لیے اگر کوئی شخص خلفار کے ساتھ کسی قسم کا غیر مساویانہ برتاؤ کرتا تھا تو تمام لوگ برہم ہوجاتے تھے، حضرت امیر معاویہ پہلی بار شام سے حج کو آئے تو ایک شخص نے کہا کہ السلام علیک ایہا الامیر و رحمۃ اللہ تمام اہل شام بگڑ گئے اور کہا کہ یہ منافق کون ہے، جو حضرت امیر المومنین کو سلام کرتا ہے۔[1]

زہد و تواضع | سلاطین و امراء کے جاہ و جلال سے اگرچہ انسان دفعۃً مرعوب ہوجاتا ہے لیکن حقیقی طاعت اور اصلی محبت صرف زہد و تواضع سے پیدا ہوسکتی ہے، صحابۂ کرام کے دور خلافت مین اگرچہ دنیا نے ان کے سامنے اپنے خزانے اوگل دیئے، تاہم انھون نے اپنی قدیم سادگی اور خاکساری کو ہمیشہ قایم رکھا، اس لئے عرب کی غیور طبیعتون کو ان کی اطاعت اور فرمانبرداری سے کبھی عار و استنکاف نہین ہوا۔

حضرت ابوبکرؓ خلافت سے پہلے بکریان دوہا کرتے تھے، منصب خلافت سے ممتاز ہوئے تو ایک چھوکری نے کہا "اب وہ ہماری بکریان نہ دوہین گے" انھون نے سُنا تو بولے "خدا کی قسم ضرور دوہون گا، خدا نے چاہا تو خلافت میری قدیم حالت مین کوئی تغیر نہ پیدا کرے گی، چنانچہ امور خلافت کو بھی انجام دیتے تھے اور ان کی بکریان بھی دوہتے تھے، بلکہ اگر ضرورت ہوتی تھی تو ان کو چرا بھی لاتے تھے،

ایک دن انھون نے پینے کا پانی مانگا، تو لوگ شہد کا شربت لائے، پیالے کو منھ سے لگا کر ہٹا لیا، اور رونے لگے، جو لوگ پاس بیٹھے ہوئے تھے وہ بھی رو پڑے، تھوڑی دیر کے لئے چپ ہوگئے پھر دوبارہ رونا شروع کیا، لوگون نے پوچھا آخر آپ کیون روئے؟ فرمایا، مین ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، مین نے دیکھا کہ آپ کسی آدمی کو ڈھکیل رہے ہین، حالانکہ کوئی شخص آپ کے پاس نہ تھا، مین نے پوچھا یہ آپ کس کو ڈھکیل رہے ہین؟ فرمایا دنیا میرے سامنے مجسم ہو کر آئی تھی مین نے اس سے کہا کہ میرے پاس سے ہٹ جا، وہ ہٹ گئی، پھر دوبارہ آئی اور کہا کہ آپ مجھ سے بچ کے نکل

[1] ادب المفرد باب التسلیم علی الامیر،

جائین تو نکل جائین لیکن آپکے بعد کے لوگ مجھ سے نہین بچ سکتے۔۔ مجھے یہی واقعہ یاد آگیا، اور میرے دل مین خوف پیدا ہوا کہ وہ کہین مجھ سے چمٹ نہ جائے[۱]،

حضرت عمرؓ کسریٰ وقیصر کے خزانے کے کلید بردار تھے، لیکن زہد وتواضع کا یہ حال تھا کہ ایک دن انھون نے پینے کا پانی مانگا۔ لوگ شہد کا شربت لائے، پیالے کو ہاتھ پر رکھکر تین بار فرمایا کہ اگر پی لون تو اس کی مٹھاس چلی جائیگی اور تلخی (عذاب) باقی رہجائیگی" یہ کہکر ایک آدمی کو دیدیا اور وہ اس کو پی گیا

ایک بار ان کے پاس حضرت عتبہ بن فرقدؓ آئے۔۔ دیکھا کہ زیتون کے تیل کے ساتھ روٹی کھا رہے ہین، حضرت عمرؓ نے ان کو بھی شریک طعام کر لیا لیکن یہ لقمہ ہائے خشک ان کے گلے سے نہ اترے، وہ عیش وطرب کے ساز وبرگ دیکھ چکے تھے، بولے "یا امیرالمومنین آپ کو میدے سے رغبت ہے" فرمایا کیا کل مسلمانون کو مل سکتا ہے"، انھون نے کہا "نہین" بولے کیا تم چاہتے ہو کہ مین دنیا ہی مین کھانے پینے کا مزا اوڑا لون؟

ایک دن حضرت حفصہؓ کے یہان آئے، انھون نے سالن مین زیتون کا تیل ڈالکر سامنے رکھدیا، بولے "ایک برتن مین دو دو سالن، تا دم مرگ نہ کھاؤن گا[۲]"،

عین زمانۂ خلافت مین ان کے سامنے کھجورین رکھدی جاتی تھین اور وہ سڑی گلی کھجورین تک دھونڈھا کر کھا جاتے تھے[۳]،

لباس اس سے بھی زیادہ سادہ تھا، حضرت انس بن مالکؓ کا بیان ہے کہ مین نے زمانہ خلافت مین دیکھا کہ ان کے کرتے کے مونڈھے پر تہ بتہ پیوند لگے ہوئے ہین[۴]،

جاہ وجلال کے موقعون پر بھی یہی سادگی قائم رہتی تھی، شام کے دورے کو گئے تو شہر کے

---

[۱] اسد الغابہ تذکرۂ حضرت ابوبکر صدیق۔ [۲] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ [۳] موطائے امام مالک کتاب الجامع باب جامع ما جاء فی الطعام والشراب [۴] موطائے امام مالک کتاب الجامع باب ما جاء فی لبس الثیاب،

قریب پہونچکر اپنے اونٹ پر غلام کو سوار کرا دیا اور خود غلام کے اونٹ پر سوار ہو لئے، لوگ استقبال کے لئے چشم براہ تھے، قریب پہونچے تو حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے لوگون کو اشارے سے بتایا کہ امیرالمومنین یہ ہین، لوگ تعجب سے باہم کانا پھوسی کرنے لگے. فرمایا ان کی نگاہین "اہل عجم کے جاہ وحشم کو ڈھونڈ رہی ہین[۱]"

ایلہ کو گئے تو اونٹ پر بیٹھے بیٹھے گاڑھے کی قمیص پھٹ گئی، اس لئے وہان کے پادری کو دیدیا کہ اس کو دھوکر پیوند لگا دے وہ قمیص مین پیوند لگا کر لایا تو اس کے ساتھ خود اپنی طرف سے ایک نئی قمیص بھی دی، لیکن انھون نے یہ کہکر واپس کر دی کہ "میری قمیص پسینہ خوب جذب کرتی ہے[۲]"

ایک دن ممبر پر چڑھ کے فرمایا کہ "ایک دن وہ تھا کہ مین اپنی خالہ کی بکریان چرایا کرتا تھا اور وہ اس کی عوض مین مٹھی بھر کھجور دیدیا کرتی تھین، آج میرا یہ زمانہ ہے" یہ کہکر ممبر سے اتر آئے، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا یہ تو آپ نے اپنی تنقیص کی، بولے "تنہائی مین میرے دل نے کہا کہ تم امیرالمومنین ہو، تم سے افضل کون ہوسکتا ہے؟ اس لئے مین نے چاہا کہ اس کو اپنی حقیقت بتا دون[۳]"

ان کے دروازے پر دربان اور پہرے دار نہ تھے[۴]، وہ خو اپنے چپراسی تھے، جہان ضرورت ہوتی تھی خود چلے جاتے تھے اور کام انجام دے کر چلے آتے تھے، ایک دن حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، لونڈی ان کے بالون سے جوئین نکال رہی تھی، انھون نے اس کو ہٹانا چاہا. بولے "رہنے بھی دو"، انھون نے کہا "یا امیرالمومنین اگر آپ بلوا بھیجتے تو مین خود حاضر ہوتا"، بولے "ضرورت تو مجھکو تھی[۵]"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اگرچہ بذات خود دولت مند تھے، لیکن زمانۂ خلافت مین نہایت سادہ زندگی بسر فرماتے تھے، مسجد مین سرہانے چادر رکھکر لیٹ جاتے تھے، اٹھتے تھے تو بدن مین کنکریون کے چبھنے کے

---

[۱] موطائے امام محمد باب الزہد والتواضع، [۲] طبری صفحہ ۲۵۲۳، [۳] نزہتہ الابرار تذکرہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ [۴] طبری صفحہ ۲۵۵۸ [۵] ادب المفرد باب من کانت لہ حاجۃ فھو احق ان یذھب الیہ،

نشان نظر آتے تھے۔ لوگ دیکھتے تھے تو کہتے تھے کہ آمیر المومنین ہیں[1]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوتراب کا خطاب عطا فرمایا تھا اور خاکساری نے ان کو اس لقب کا صحیح مصداق بنا دیا تھا، تمام لوگ ان کی خدمت و اطاعت کو اپنا فخر سمجھتے تھے، لیکن وہ خود بازار سے اپنا سودا سلف خرید کر لاتے تھے، ایک دن بازار میں کھجوریں خریدیں اور خود اوٹھا کرلے چلے۔ ایک آدمی نے کہا یا امیر المومنین میں پہونچا دوں، بولے بچوں کا باپ ہی اس کا زیادہ مستحق ہے[2]،،

زہد و تورع کا یہ حال تھا کہ اپنے لیے کبھی اینٹ پر اینٹ اور شہتیر پر شہتیر نہیں رکھی، یعنی گھر نہیں بنایا۔ بیت المال میں جو کچھ آتا اسی وقت تقسیم کر دیتے، اور کہتے کہ اے دنیا مجھے فریفتہ نہ کر[3]

لباس نہایت سادہ پہنتے تھے، ایک شخص نے دیکھا کہ ان کے بدن پر ایک پھٹی پرانی قمیص ہے، جب آستین کھینچی جاتی ہے تو ناخن تک پہونچ جاتی ہے اور چھوڑ دی جاتی ہے تو سکڑ کر نصف کلائی تک جاتی ہے، اسی سادہ لباس میں فرائض خلافت ادا کرنے کے لئے بازاروں میں پھرا کرتے تھے، ایک شخص کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ گاڑھے کا تہ بند باندھے ہوے اور گاڑھے کی چادر اوڑھے ہوئے بازار میں پھر رہے ہیں، ہاتھ میں دُرّہ ہے اور لوگوں کو بھلائی، اور حسن معاملہ کا حکم دے رہے ہیں، لیکن بعض اوقات یہ سادہ لباس بھی بہ مشکل میسر ہوتا تھا، ایک دن ممبر پر چڑھکر فرمایا کہ میری تلوار کون خریدتا ہے؟ اگر میرے پاس تہ بند کے دام ہوتے تو میں اس کو نہ فروخت کرتا، ایک شخص نے اٹھ کے کہا ہم آپ کو تہ بند کی قیمت قرض دیتے ہیں،،

دربان اور پہریدار کا جھگڑا نہیں رکھا تھا، تنہا اوٹھتے اور مسجد کو چلے جاتے[4]،

---

[1] الریاض النضرۃ صفحہ ۱۱۱ [2] ادب المفرد باب الکبر [3] اسد الغابہ تذکرۂ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

[4] استیعاب تذکرۂ حضرت علی کرم اللہ وجہہ [5] ایضاً

ایثار

خلافت آلہی ایک خوان نعمت ہے، جس کو اللہ تعالیٰ خود اپنے ہاتھ سے دنیا کے سامنے چن دیتا ہے، لیکن بدبخت لوگ تمام دنیا کو بھوکا رکھتے ہیں اور خود اپنا پیٹ بھرتے ہیں، مگر خدا کے برگزیدہ بندے پہلے تمام دنیا کو کھلاتے ہیں، پھر جو کچھ بچ رہتا ہے خود کھاتے ہیں، صحابۂ کرام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے اس لئے انھوں نے اس خوانِ نعمت کو تمام دنیا کے لئے وسیع اور اپنے لئے تنگ کر دیا تھا،

ایک بار حضرت عمرؓ نے مدینہ کی عورتوں میں چادر تقسیم فرمائی، ایک عمدہ چادر رہ گئی، تو کسی نے کہا کہ "اپنی بی بی ام کلثوم کو دیدیجئے"، بولے "ام سلیط اس کی زیادہ مستحق ہیں، کیونکہ وہ غزوہ احد میں مشک بھر بھر کے پانی لاتی تھیں اور ہم کو پلاتی تھیں[1]"،

ایک دن مسلمانوں کو حلے تقسیم فرما رہے تھے، ایک نہایت عمدہ حلہ نکلا تو لوگوں نے کہا، "حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو دیدیجئے"، بولے نہیں مہاجر بن سعید ابن عتاب یا سلیط بن سلیط کو دونگا[2]"

انھوں نے اپنے عہد خلافت میں ازواج مطہرات کی تعداد کے لحاظ سے نو پیالے تیار کرائے تھے، اور جب میوہ یا کھانے کی کوئی عمدہ چیز آتی تو ان میں بھر کے ازواج مطہرات کی خدمت میں بھیجتے، لیکن سب سے آخری پیالہ حضرت حفصہؓ کے پاس بھجواتے تھے، تاکہ جو کمی ہو وہ ان کے حصہ میں آئے[3]،

لوگوں کے وظیفے مقرر فرمائے تو لوگوں نے کہا کہ رجسٹر میں پہلے اپنا نام درج فرمایئے، بولے نہیں اپنے آپ کو وہیں رکھونگا، جہاں مجھکو خدا نے رکھا ہے، چنانچہ قرابت داران رسولؐ کے نام پہلے لکھوائے، اپنے بیٹے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا وظیفہ حضرت اسامہ بن زیدؓ سے کم مقرر فرمایا،

[1] بخاری کتاب الجہاد باب حمل النساء القرب الی الناس فی الغزو [2] اصابہ تذکرہ عتاب [3] موطائے امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب جزیۃ اہل الکتاب والمجوس

تو انھون نے کہا کہ "وہ مجھ سے کسی چیز مین آگے نہین رہے" بولے "ان کے باپ تمھارے باپ سے اور وہ تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب[1] تھے،

امراء و عمال مقرر فرمائے تو اپنے خاندان کے کسی شخص کو کوئی عہدہ نہین دیا، ان کے خاندان مین صرف نعمان بن عدی ایک ایسے بزرگ ہین، جن کو میسان کا عامل مقرر فرمایا تھا، لیکن تھوڑے ہی دنون کے بعد ان کو ایک جرم پر موقوف بھی کر دیا[2]،

اس سے بڑھکر کیا ایثار نفسی ہو سکتی ہے کہ اپنے بعد جن لوگون کو خلافت کے لئے منتخب فرمایا ان مین اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی نسبت صاف تصریح کر دی کہ خلافت مین ان کا کوئی حصہ نہین، چنانچہ بخاری مین یہ واقعہ بہ تصریح مذکور ہے،

حق پسندی | اگر خود امراء و سلاطین مین حق پسندی کا مادہ موجود نہو تو رعایا کی آزادی، نکتہ چینی اور حقوق طلبی بالکل بیکار ہے، لیکن صحابۂ کرام کے دور مین خود خلفاء مین حق پسندی کا اس قدر مادہ موجود تھا کہ ہر جائز نکتہ چینی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے تھے، اس لئے ایک طرف تو ان نکتہ چینیون کے عملی نتائج نکلتے تھے، دوسری طرف قوم مین جائز آزادی کا مادہ پیدا ہوتا تھا جو خلافت کے استحکام کا سب سے قوی سبب تھا،

ایک بار حضرت عمرؓ نے خزائن کعبہ کو تقسیم کرنا چاہا، لیکن حضرت شیبہؓ نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ آپ ایسا نہین کر سکتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ آپ سے زیادہ محتاج تھے لیکن انھون نے ایسا نہین کیا، حضرت عمرؓ نے تقسیم سے فوراً ہاتھ کھینچ لیا[3]،

ایک بار حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بی بی کو شوہر کی دیت مین وراثت نہین ملتی، حضرت ضحاکؓ

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۶۲ [2] اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۲۰، تذکرہ نعمان بن عدی [3] ابوداؤد کتاب المناسک باب فی مال الکعبۃ،

ابن سفیانؓ نے کہا نہیں اشیم الضبابی کی بی بی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریری فرمان کے ذریعہ سے اس کے شوہر کی دیت دلوائی تھی، حضرت عمرؓ نے فوراً اپنی رائے بدل دی[۱]،

ایک پاگل عورت مرتکب زنا ہوئی، لوگوں نے اس کو حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کیا، انھوں نے صحابۂ کرام کے مشورے سے رجم کا حکم دیا، لوگ اس کو سنگسار کرنے کے لئے لیجا رہے تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آگئے اور واقعہ معلوم ہونے پر کہا کہ اُس کو واپس لیچلو، حضرت عمرؓ کی خدمت میں آئے تو کہا کیا آپ کو معلوم نہیں کہ پاگل مرفوع القلم ہے، پھر اس کو کیوں سنگسار کرتے ہیں؟ انھوں نے اس کو رہا کر دیا اور غلغلۂ تکبیر بلند کیا[۲]،

ایک بار حضرت ابومریم ازدیؓ حضرت امیر معاویہؓ کے دربار میں آئے ان کو ان کا آنا ناگوار ہوا اور بولے کہ "ہم تمھارے آنے سے خوش نہیں ہوئے"، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا جس شخص کو مسلمانوں کا والی بنائے اگر وہ انکی حاجتوں سے آنکھ بند کرکے پردہ میں بیٹھ جائے تو خدا بھی قیامت کے دن اسکی حاجتوں کے سامنے پردہ ڈالدے گا۔" حضرت امیر معاویہؓ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ لوگوں کی حاجت براری کے لئے ایک مستقل شخص مقرر کر دیا[۳]،

رحم وشفقت اخلاقی کتابوں میں بادشاہ کو رعایا کا باپ کہا گیا ہے، لیکن دنیائے قدیم میں کتنے مسند آرائے سریر سلطنت گذرے ہیں اور دنیائے جدید میں کتنے مدعیان تخت وتاج ہیں، جنھوں نے اپنے بچوں کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا ہے؟ لیکن صحابۂ کرام نہ صرف مجازاً بلکہ حقیقۃً ان بچوں کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرتے تھے، اور ان سے دائمی اطاعت کا خاموش معاہدہ لیتے تھے، حضرت ابوبکرؓ کو بچے دیکھتے تو دوڑ کر کہتے "اے باپ" وہ محبت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے، چھوکریاں کہتیں کہ آپ ہماری بکریوں کا دودھ کیوں نہیں دوہتے؟ وہ دودھ دوھ دیتے، اور کہتے کہ اگر ضرورت ہو تو چرا بھی

---

[۱] ابوداود فی المراۃ ترث من دیۃ زوجہا [۲] ابوداود کتاب الحدود باب فی المجنون یسرق او یصیب [۳] ابوداود کتاب الخراج والامارۃ [۴] الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ جلد ۲ صفحہ ۳،

لاؤن۔ مدینہ کے کسی گوشہ مین ایک بڑھیا رہتی تھی، وہ رات کو جاتے اس کی ضروریات انجام دے آتے، جاڑون کے دن مین چادرین خرید کر مدینہ کی بیودن مین تقسیم فرماتے،

حضرت عمرؓ کا دور خلافت آیا تو ان کی قدیم شدت وجلادت کے تصور سے تمام صحابہ کانپ اوٹھے، اور کہنے لگے کہ دیکھین اب کیا ہوتا ہے؟ حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی، تو ایک عام مجمع کیا اور منبر پر چڑھکر فرمایا،

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوگ میری سختیون سے گھبراتے ہین اور کہتے ہین کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین عمرؓ ہم پر سختی کرتے تھے، پھر حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوے تو اس وقت بھی عمرؓ ہمارے ساتھ سختی سے پیش آے، اب جبکہ وہ خود خلیفہ ہوے ہین تو خدا جانے کیا غضب ہوگا؟ لوگون نے یہ بالکل سچ کہا ہے۔ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خادم تھا، اور آپ کی رحمت وشفقت کا درجہ کون حاصل کرسکتا ہے؟ خدا نے خود آپ کو رؤف ورحیم کہا ہے۔ جو خود خدا کا نام ہے، پھر ابوبکرؓ خلیفہ ہوے اور ان کے رفق وملاطفت کا بھی آپ لوگون کو انکار نہین، مین ان کا بھی ایک خادم اور مددگار تھا، اس لیے ان کی نرمی کے ساتھ اپنی سختی کو ملا دیتا تھا، اور تیغ بے نیام ہوجاتا تھا، وہ چاہتے تھے تو اس سے وار کرتے تھے، ورنہ میان مین ڈالدیتے تھے، لیکن اب جبکہ مین خود خلیفہ ہوگیا ہون تو یقین کرو کہ وہ سختی دوگنا ہوگئی ہے، لیکن صرف ان لوگون کے لیے جو مسلمانون پر ظلم کرتے ہین، رہے نیک اور دیندار لوگ تو مین ان کے لیے اس سے زیادہ نرم ہون جسقدر وہ باہم نرم خو ہین[۳]"

حدیث رجال اور تاریخ کی کتابون مین حضرت عمرؓ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ محفوظ ہے، ان سب پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اس خطبہ کا ایک ایک لفظ کس قدر سچائی، کس قدر صداقت اور کس قدر راستبازی سے لبریز تھا، انھون نے کہا تھا کہ وہ دین دار لوگون کے لیے

---

[۱] اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابوبکرؓ [۲] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۳۱ [۳] الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ، جلد ۲ صفحہ ۴،

سب سے زیادہ نرم ہونگے، واقعات سے ثابت ہوتا ہو کہ وہ درحقیقت ایسے ہی تھے، حضرت سعید بن یربوعؓ ایک صحابی تھے، جو انکے عہد خلافت میں اندھے ہو گئے تھے، حضرت عمرؓ انکے پاس تعزیت کو آئے، اور کہا کہ "کوئی جمعہ ناغہ نہ کرنا اور مسجد نبوی میں برابر شریک جماعت ہونا" بولے "مجھے کون لیجائیگا؟" پلٹے تو اس کام کے لئے ان کے پاس ایک غلام بھیج دیا[1]۔

ایک بار حضرت احنف بن قیس بصرہ کے وفد کے ساتھ آئے، اور کہا کہ "ہم ایک بنجر زمین میں آباد ہیں، اس کے مشرقی جانب کھاری سمندر رہے، اور مغربی جانب چٹیل میدان، نہ ہمارے پاس کھیت ہیں نہ مویشی دو کوس سے ضعیف لوگ پانی لاتے ہیں، عورتیں پانی بھرنے جاتی ہیں تو بچوں کو بکری کی طرح باندھ دیتی ہیں کہ کہیں درندے نہ اٹھا لیجائیں تو کیا آپ ہماری ضرورت پوری نہ کریں گے؟" حضرت عمرؓ نے فوراً بصرہ کے بچوں کے وظیفے مقرر کر دیئے، اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھ بھیجا کہ ان کے لئے ایک نہر کھدوا دیں[2]،

جن عورتوں کے شوہر سفر میں ہوتے، ان کے گھر خود تشریف لیجاتے، دروازے پر کھڑے ہوکر سلام کرتے، اور کہتے تمھیں کوئی ضرورت ہے؟ تمھیں کسی نے ستایا تو نہیں؟ اگر تمھیں سودے سلف کی ضرورت ہو تو میں خرید دوں، مجھے خوف ہے کہ بیع وشرا میں تم لوگ دھوکا نہ کھا جاؤ، وہ اپنی لونڈیاں ساتھ کر دیتیں، بازار میں جاتے تو ان لونڈیوں اور غلاموں کا جھرمٹ ساتھ ہوتا، ان کا سودا سلف خرید دیتے، جن کے پاس دام نہ ہوتے خود اپنی گرہ سے دیدیتے، مجاہدین کے خطوط آتے تو خود ان کی بی بیوں کے پاس لیکر جاتے اور کہتے کہ اگر کوئی پڑھنے والا نہ ہو تو دروازہ کے قریب آجاؤ میں پڑھ دوں، قاصد فلاں دن جائیگا جواب لکھوا رکھو کہ بھیجدوں، پھر خود ہی کاغذ دوات لیکر جاتے، جن عورتوں کے خطوط تیار ہوتے ان کو لے لیتے، ورنہ کہتے کہ دروازے کے پاس آجاؤ، میں خود لکھدوں، سفر میں ہوتے تو اپنے اونٹ پر ستو، کھجور، مشک اور پیالے ساتھ رکھتے، جو لوگ

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعید بن یربوعؓ [2] فتوح البلدان صفحہ ۳۶۳،

کسی ضرورت سے پاس آتے ان سے کہتے کہ لو کھاؤ، جب لوگ کوچ کر چکتے تو منزل کی دیکھ بھال فرماتے۔ اگر کوئی چیز گری ہوتی تو اٹھا لیتے۔ اگر کوئی شخص لنگڑا لولا ہوتا یا اس کا اونٹ بیمار ہوتا تو اس کے لئے کرایہ کا اونٹ کر دیتے، قافلہ روانہ ہوتا تو پیچھے پیچھے چلتے، کوئی چیز گر پڑتی تو اٹھا لیتے۔ لوگ منزل پر اترتے تو گم شدہ چیزوں کی تلاش میں خود امیرالمؤمنین کے پاس آتے۔[1]

ایک بار بازار سے گذر رہے تھے کہ ایک نوجوان عورت آئی اور کہا کہ یا امیرالمؤمنین میرا شوہر مرگیا ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے ہیں نہ وہ کوئی کام کر سکتے ہیں، نہ ان کے پاس کھیتی ہے نہ مویشی، مجھے خوف ہے کہ ان کو درندے نہ کھا جائیں، میں خفاف بن ایما الغفاری کی لڑکی ہوں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ فوراً ٹھہر گئے، وہاں سے پلٹے تو ایک اونٹ پر غلہ اور کپڑا لاد کر اس کے پاس لائے اور ہاتھ میں اونٹ کی مہار دیکر کہا کہ "اس کو ہانک لیجاؤ، جب یہ ختم ہو جائیگا تو خدا پھر دے گا"، ایک شخص نے کہا اے امیرالمؤمنین آپ نے اس کو بہت دیا، بولے "ارے کم بخت اس کے باپ اور بھائی دونوں نے میرے سامنے ایک قلعہ کا مدتوں محاصرہ کیا اور اس کو فتح کیا"۔[2]

ایک بار سفر حج کو جا رہے تھے، راہ میں ایک بڈھا ملا اور اس نے قافلہ کو روک کر پوچھا کہ تم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؟ جب معلوم ہوا کہ آپ کا وصال ہو چکا تو اس نے شدت سے گریہ و بکا کیا، پھر پوچھا کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہوا؟ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کا نام بتایا، بولا "تم میں ہیں؟ جب اس کو ان کے وفات کی خبر ہوئی تو پھر اسی طرح گریہ و زاری کی، پھر پوچھا کہ ان کے بعد کس نے زمام خلافت ہاتھ میں لی؟ بولے عمر بن الخطاب، اس نے پوچھا وہ تم میں ہیں؟ جواب دیا کہ تم سے وہی گفتگو کر رہے ہیں، اس نے کہا تو میری فریاد رسی کیجئے، مجھے کوئی فریاد رس نہیں ملتا۔ حضرت

---

[1] الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ جلد ۲ صفحہ ۴۴ دہ بروایت ابوحذیفہ [2] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الحدیبیہ،

عمرؓ نے کہا کہ تم کون ہو؟ تمہاری فریاد سن لی گئی،، بولا میرا نام ابو عقیل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دعوت اسلام دی، مین آپ پر ایمان لایا آپ نے مجھے ستو پلایا اور مین ابتک اس کی سیری وسیرابی کو محسوس کرتا ہون، پھر مین نے بکری کا ایک گلہ خرید ا اور ابتک ان کو چراتا ہون، نماز پڑھتا ہون اور روزہ رکھتا ہون، لیکن اس سال بدبختی نے ایک بکری کے سوا کچھ نہین چھوڑا تھا، مگر اس کو بھی بھیڑیا اٹھالے گیا، اب آپ میری دستگیری فرمایئے،، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”ہم سے چشمہ پر ملو، منزل پر پہنچے تو اونٹنی کی لگام پکڑے ہو ے پیاسے بڈھے کا انتظار کرتے رہے، لوگ آ چکے تو صاحب حوض کو بلاکر کہا کہ فلان بڈھا آئے تو اس کو اور اس کے اہل وعیال کو کھلاتے پلاتے رہو، یہان تک کہ مین حج سے واپس آجاؤن،، حج سے پلٹے. تو صاحب حوض سے اس کے متعلق دریافت فرمایا، اس نے کہا کہ وہ مبتلاے بخار آیا تھا اور تین دن کے بعد مر گیا، مین نے اس کو دفن کر دیا، اور یہ اس کی قبر ہے، حضرت عمرؓ نے فوراً اس کی قبر پر نماز پڑھی، اور اس سے لپٹ کر روئے اس کے اہل وعیال کو ساتھ لے گئے، اور تادم مرگ ان کی وجہ معاش کے متکفل رہے[۱]،

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ بازارون مین جاتے تو بھولے بھٹکے لوگون کو راستہ دکھاتے حمالون کے سر پر بوجھ اٹھا دیتے، اگر کسی کے جوتے کا تسمہ گر جاتا تو اسے اوٹھا کر دیدیتے، اور یہ آیت پڑھتے،

تلک الدار الاخرۃ نجعلہا للذین لا	ہم نے دار آخرت کو ان لوگون کے لئے بنایا ہے جو
یریدون علوا فی الارض ولا	زمین مین فساد اور غلبہ حاصل کرنا نہین چاہتے اور
فسادا والعاقبۃ للمتقین[۲]،	عاقبت صرف پرہیزگارون کے لئے ہے،

حلم وعفو | حلم وعفو سیادت کا ایک ایسا ضروری عنصر ہے کہ عرب کے ان پڑھ بدو بھی اس سے واقف تھے چنانچہ ایک جاہلی شاعر کہتا ہے،

---

[۱] اسد الغابہ تذکرہ ابو عقیل [۲] الریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۳۴،

اذا شئت یوماً أن تسود عشیرۃ — فبالحلم سد لا بالتسرع والشتم

اگر تم کسی قبیلہ کے سردار بننا چاہتے ہو، تو حلم و بردباری کے ساتھ سرداری کرو نہ اشتعال و شتم کیساتھ،

بالخصوص عرب کی مشتعل طبیعتون پر تو صرف یہی ایک ایسی چیز تھی جو چھینٹا ڈال سکتی تھی اگر ان کے ساتھ سخت برتاؤ کیا جاتا تو روز بغاوت کے شعلے بلند ہوتے اس لئے صحابہ کرام نے نہایت معتدل اصول سیاست اختیار فرمایا تھا،

کان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یقول لا یصلح ھذا الامر الا بشدۃ فی غیر تجبر ولین فی غیر وھن[۱]،

حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ خلافت اس وقت تک صحیح اصول پر قائم نہین رہ سکتی جب تک ایسی سختی نہ کیجائے جو ظلم کی حد تک نہ پہونچے اور ایسی نرمی نہ اختیار کیجائے جو کمزوری پر مبنی ہو،

لیکن یہ سختی بھی حقوق العباد اور حقوق اللہ تک محدود تھی ورنہ ذاتی معاملات مین وہ روئی کے گالے کی طرح نرم ہوجاتے تھے، حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کی معزولی کا اعلان کیا تو ایک شخص نے کہا،

ما عدلت یا عمر لقد نزعت عاملاً (منجملہ) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وغمدت سیفاً سلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووضعت لواء نصبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولقد قطعت الرحم وحسدت ابن العم،

عمر تم نے انصاف نہین کیا اور ایک ایسے عامل کو معزول کیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا اور ایسی تلوار کو میان مین کر دیا جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھینچا تھا، ایک ایسے جھنڈے کو پست کر دیا جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا، تم نے قطع رحم کیا اور اپنے چچازاد بھائی پر حسد کیا،

یہ الفاظ مجمع عام مین کہے گئے تاہم حضرت عمرؓ نے ان کو سنکر صرف اس قدر کہا کہ تم کو کم سنی اور قرابت

---

[۱] کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف،

مندی کی بنا پر اپنے چچازاد بھائی کی حمایت مین غصہ آگیا[۱]، ایک دفعہ وہ مسجد سے آرہے تھے، راہ مین ایک صحابیہ سے ملاقات ہوگئی اور انھون نے ان کو سلام کیا بولین اُے عمر مین نے تمھارا وہ زمانہ دیکھا ہے، جب تم کو لوگ عکاظ مین عمیر کہتے تھے، اور اب تو تمھارا لقب امیر المومنین ہے، پس رعیت کے معاملہ مین خدا سے ڈرو اور یقین کرو کہ جو شخص عذاب خداوندی سے ڈرے گا اس پر بعید قریب ہوجائیگا اور جو موت سے ڈرے گا اس کو فوت ہوجانے کا خوف لگا رہے گا، ایک شخص جو ساتھ مین تھے بولے بی بی! تم نے تو امیر المومنین کو بہت کچھ کھ ڈالا، لیکن حضرت عمرؓ نے کہا جانے دو یہ خولہ بنت حکیم ہین اور عبادۃ بن صامت کی بی بی ہین[۲] اللہ تعالیٰ نے سات آسمان کے اوپر سے ان کی بات سن لی تھی، پھر عمرؓ کو تو اور سننا چاہیے،

مساوات فی الحقوق | رعایا اگرچہ بادشاہ کے تفوق و امتیاز کو گوارا کر لیتی ہے لیکن وہ باہمی تفریق و امتیاز کو کبھی گوارا نہین کرسکتی، اس لیے اگر کوئی بادشاہ تمام رعایا کو اپنا گرویدہ بنانا چاہتا ہے تو اس کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ ان کے حقوق مین ہمواری اور مساوات پیدا کرے صحابۂ کرام کے دور خلافت کے ابتدائی زمانہ مین جو اتفاق و اتحاد قائم رہا اس کا سنگ بنیاد خلفاء کا یہی مساویانہ طرز عمل تھا، اوّل اوّل حضرت ابوبکرؓ کے سامنے جب خراج و زکوٰۃ کا مال آیا تو انھون نے سب پر برابر برابر تقسیم کردیا، اور چھوٹے بڑے آزاد غلام، مرد اور عورت سب نے سات سات درہم سے کچھ زیادہ پایا، دوسرے سال اس سے زیادہ مال آیا اور ہر شخص کو بیس بیس درہم ملے، اللہ تعالیٰ کے اس فضل و برکت کو دیکھکر بعض لوگون نے کہا کہ آپ نے تمام لوگون کو برابر کردیا، حالانکہ بہت سے لوگ ایسے ہین جن کے فضائل ان کی ترجیح کی سفارش کرتے ہین، لیکن انھون نے صاف صاف کہدیا کہ "فضائل کا ثواب خدا دے گا، یہ معاش کا معاملہ ہے، اس مین مساوات ہی بہتر ہے[۳]"

[۱] اسد الغابہ تذکرہ احمد بن حفص مخزومی [۲] اصابہ تذکرہ خولہ بنت مالک، قرآن مجید کی یہ آیت قد سمع اللہ قول التی تجادلک الخ انہی کے بارے مین نازل ہوئی تھی اور حضرت عمرؓ کا اشارہ اسی آیت کی طرف ہے [۳] کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف صفحہ ۲۴،

حضرت عمرؓ نے اگرچہ فضائل کے لحاظ سے وظایف کے مختلف مدارج قایم کیے تاہم ان کے دل مین بھی یہ ناہمواری ہمیشہ کھٹکتی رہتی تھی، چنانچہ اپنی خلافت کے اخیر زمانہ مین خود یہ الفاظ فرمائے۔

انی کنت تالفت الناس بما صنعت فی تفضیل بعض علی بعض وان عشت هذه السنة ساویت بین الناس فلم افضل احمر علی اسود ولا عربیا علی عجمی وصنعت کما صنع رسول اللہ وابوبکر[1]

مین نے بعض لوگون کو بعض لوگون پر جو ترجیح دی تھی اس کا مقصد صرف تالیف قلوب تھا، لیکن اگر اس سال زندہ رہا تو سب کے حقوق برابر کردونگا، اور سُرخ کو سیاہ پر، عربی کو عجمی پر کوئی ترجیح نہ دونگا، اور وہی طرز عمل اختیار کرونگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ نے کیا تھا،

رعایا کے حقوق کا اعلان رعایا اور بادشاہ کے تعلقات اس قدر نازک، مشتبہ، اور پیچیدہ ہوتے ہین کہ اگر وضاحت کے ساتھ ان کا اعلان نہ کردیا جائے تو رعایا کے تمام حقوق و مطالبات پامال ہوجائین یہی وجہ ہے کہ ظالم سلطنتین ان حقوق سے رعایا کو عموماً ناواقف رکھنا چاہتی ہین، اور ان کا تفصیلی اعلان تو عادل سے عادل سلطنت بھی نہین کرتی، لیکن صحابۂ کرام دنیا مین معیار عدل کے قایم کرنے کے لیے آئے تھے، اس لیے انھون نے اپنے دور خلافت مین نہایت بلند آہنگی کے ساتھ ان حقوق کا اعلان کیا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے خاص اس موضوع پر ایک خطبہ دیا جس مین نہایت تفصیل کے ساتھ خلیفہ علیک کے حقوق و اختیارات بتائے، انھون نے فرمایا،

صاحبو! کسی شخص کو یہ حق حاصل نہین ہے کہ معصیت الٰہی مین اس کی اطاعت کی جائے، صرف تین طریقے ہین جن کے اختیار کرنے سے یہ مال مال صالح ہوسکتا ہے، یہ کہ حقؔ کے ساتھ وصول کیا جائے، حقؔ مین صرف کیا جائے، اور ناجائز طریقے سے اس کو نہ خرچ کیا جائے، میری اور تمھارے مال کی

[1] یعقوبی مطبوعہ یورپ جلد ۲ صفحہ ۱۷۶،

شال یتیم کے ولی کی شال ہے۔ اگر مین متمول ہون گا تو اس کے لینے سے احتراز کرون گا، اور اگر محتاج ہون گا تو نیکی کے ساتھ اس کو بقدر ضرورت اپنے اوپر صرف کرون گا، مین کسی کو یہ موقع نہ دون گا کہ وہ کسی پر ظلم کرے، اگر کسی نے ایسا کیا تو مین اس کے چہرے کو اپنے پاؤن سے مسل دون گا، کہ راہ حق پر آ جائے۔

مجھ پر تمھارے چند حقوق ہین، جن کو مین اس لئے بیان کرتا ہون کہ تم مجھ سے ان کا مطالبہ کر سکو، میرا فرض ہے کہ مین خراج اور جس کا مال جائز طریقے سے وصول کرون، میرا فرض ہے کہ جب وہ مال میرے ہاتھ مین آ جائے تو اسی کے مصارف صحیح مین صرف کرون، میرا فرض ہے کہ تمھارے وظائف کو بڑھاؤن اور سرحد کی حفاظت کرون، اور میرا فرض ہے کہ تم کو خطرے مین نہ ڈالون۔

لیکن ان حقوق کی علی تشکیل زیادہ تر امراء و عمال کے ہاتھ مین تھی، اس لئے ان کو مخاطب کر کے فرمایا،

اچھی طرح سن لو مین نے تم کو ظالم و جابر بنا کر نہین بھیجا ہے، مین نے تم کو ائمہ ہدی بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمھارے ذریعہ سے سیدھی راہ پائین، پس فیاضی کے ساتھ مسلمانون کے حقوق دو، نہ ان کو مارو کہ وہ ذلیل ہو جائین، نہ ان کی مدح وستایش کرو کہ ان کو تمھارے ساتھ گرویدگی پیدا ہو، نہ ان کے سامنے اپنے دروازے بند رکھو کہ قوی ضعیف کو نگل جائے، اپنے آپ کو اون پر ترجیح دیکر ان پر ظلم نہ کرو، ان کے ساتھ جہالت سے نہ پیش آؤ، ان کے ذریعہ سے کفار کیساتھ جہاد کرو، لیکن اس معاملہ مین ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو، اگر وہ تھک جائین تو رک جاؤ، لوگو تم گواہ رہو کہ مین نے ان امراء کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ لوگون کو دین کی تعلیم دین، ان پر مال غنیمت تقسیم کرین، ان کے مقدمات کے فیصلے کرین، اور اگر کوئی مشکل مسئلہ پیش آ جائے تو اس کو میرے سامنے پیش کرین[۲]،

---

[۲] کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف صفحہ ۶۷

مشورہ

قرآن مجید مین اللہ تعالیٰ نے مسلمانون کی یہ خصوصیت بتائی ہے،

امرهم شوریٰ بینهم — ان کے تمام کام مشورے سے، چلتے ہین،

اور صحابۂ کرام کا دورِ خلافت اس آیت کی عملی تفسیر تھا، حضرت ابوبکرؓ سیاست کے مہمات مسائل کے علاوہ مقدمات کا فیصلہ بھی مشورہ کے بغیر نہین کرتے تھے، مسند دارمی مین ہے،

کان ابوبکر اذا ورد علیہ الخصم نظر فی کتاب اللہ ثم فی السنۃ ثم استشار المومنین[1]	حضرت ابوبکرؓ کے پاس جب کوئی فریق مقدمہ لیکر آتا تو پہلے کتاب و سنت پر نظر ڈالتے، پھر تمام مسلمانون سے مشورہ لیتے،

انھون نے مہاجرین و انصار کی ایک مجلس شوریٰ قایم کی تھی، جس مین حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ لازمی طور پر شریک کئے جاتے تھے[2]، یہی مجلس شوریٰ تھی جس کو حضرت عمرؓ نے دورِ خلافت مین نہایت وسیع، نہایت باضابطہ، اور نہایت مکمل کردیا، لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے مین فتوحات کی کثرت اور ملک کی وسعت کی بنا پر اس قدر کثرت سے بحث طلب مسائل پیدا ہوئے کہ اون کے لئے ایک دوسری مجلس کی ضرورت پیش آئی، اس لئے انھون نے مسجد نبوی مین ایک دوسری مجلس شوریٰ قایم کی جس مین صرف مہاجرین شریک ہوتے تھے،

چنانچہ علامہ بلاذری فتوح البلدان مین لکھتے ہین،

کان للمهاجرین مجلس فی المسجد فکان عمر یجلس معهم فیه ویحدثهم عما ینتهی الیه من امر الآفاق[3]	مسجد نبوی مین مہاجرین کی ایک مجلس قایم تھی جس مین حضرت عمرؓ ان معاملات کے متعلق گفتگو کرتے تھے جو ان کی خدمت مین اطراف ملک سے پیش ہوتے تھے،

[1] کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف صفحہ ۲۳۳ و ۳۳ [2] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۳۴ بحوالہ طبقات ابن سعد [3] فتوح البلدان صفحہ ۲۷۶،

ان مجالس کے ذریعہ سے جو امور طے ہوتے وہ بہ تفصیل حدیث و تاریخ کی کتابون مین مذکور ہین،

نبوت و خلافت مین تفریق و امتیاز

جس طرح عدم تفریق و امتیاز نے نبوت والوہیت کے ڈانڈے ملا دیئے تھے اور دنیا نے انبیا کو صفات الٰہی کا مظہر قرار دے لیا تھا، اسی طرح اگر نبوت و خلافت مین تفریق و امتیاز قایم نہ کی جائے تو دونون کے حدود باہم مل جائین، خلیفہ پیغمبر کا قایم مقام ہوتا ہے پیغمبر ہی کی طرح اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے، خدا خود فرماتا ہے،

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم، خدا کی، خدا کے رسول کی اور امرا کی اطاعت کرو،

اس بنا پر اگر خلیفہ اور پیغمبر کی حیثیتین الگ الگ نہ قایم کی جائین تو کچھ دنون مین دونون ایک ہو جائین اور شرک فی النبوۃ کی ایک جدید قسم پیدا ہو جائے، صحابۂ کرام نے خلافت الٰہی کو قایم کیا تو سب سے پہلے نبوت و خلافت مین تفریق و امتیاز قایم کر کے دنیا کو ایک عام غلط فہمی سے محفوظ رکھا، اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مورد سبّ و شتم بنائے تو اس کی سزا موت ہے، اور خود آپ کے عہد مبارک مین اس کی نظیر قایم ہو چکی ہے، خلیفہ کے ادب و احترام کا قایم رکھنا بھی اگرچہ امت کا فرض ہے تاہم اس کو اس معاملہ مین وہ درجہ نہین حاصل ہو سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا، حضرت ابوبکرؓ پہلے شخص ہین جنھون نے اس نکتہ کو سمجھا اور نبوت و خلافت مین فرق و امتیاز قایم کیا، ایک بار وہ کسی شخص پر سخت برہم ہوئے، سامنے ایک دوسرے صحابی بیٹھے ہوئے تھے انھون نے تیور دیکھکر کہا "ارشاد ہو تو اس کی گردن اڑا دون"، غصہ فرد ہوا تو ان کو بلا کر پوچھا کہ اگر مین حکم دیتا تو تم واقعی اس کو قتل کر ڈالتے؟ بولے "ہان" فرمایا "خدا کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو یہ حق حاصل نہین ہے[1]"

ایک بار کسی نے ان کو خلیفہ اللہ کہا، بولے "مین خلیفہ اللہ نہین ہون، خلیفۃ الرسول ہون[2]"،

خانہ جنگی سے اجتناب

اخیر زمانے مین اگرچہ مسلمانون کی تلوارین خود مسلمانون کے خون سے سیراب

---

[1] ابوداؤد کتاب الحدود باب الحکم فیمن سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم [2] استیعاب تذکرہ حضرت ابوبکرؓ

ہونے لگین. لیکن متعدد تربیت یافتگان عہد نبوت نے اپنے دامن کو اس کی چھینٹون سے محفوظ رکھا۔ سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کے زمانہ مین خانہ جنگی کی آگ بھڑکی. لیکن جب بعض لوگون نے ان کو معرکہ آرا ہونے کا مشورہ دیا تو انھون نے صاف کہدیا کہ مجھ سے یہ نہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بنون اور خود آپ ہی کی اُمّت کا خون بہاؤن[1]۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ مین یہ شعلے بلند ہوے تو حضرت احنف بن قیسؓ ان کی حمایت کے لئے اٹھے، اتفاق سے حضرت ابوبکرہؓ سے ملاقات ہوگئی. انھون نے ان کو روکا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر دو مسلمان باہم جنگ کرین تو دونون جہنمی ہین[2]۔

جنگ صفین مین حامیان علیؓ نے جب حضرت سہل بن حُنیف پر الزام لگایا کہ وہ جنگ کرنے مین لیت و لعل کرتے ہین، تو بولے ہم نے جب کسی مہم کے لئے کندھے پر تلوار رکھی تو خدا نے اس مشکل کو آسان کر دیا، البتہ یہ جنگ ایسی ہے کہ ہم مشک کا ایک منھ بند کرتے ہین تو دوسرا کھل جاتا ہے (یعنے ایک کے طرفدار ہو کر لڑتے ہین تو فریق مخالف بھی مسلمان ہی ہوتا ہے جس سے جنگ کرنا ناجائز ہے) کچھ سمجھ مین نہین آتا کہ اس مین کیونکر شریک ہون[3]۔

حجاج و حضرت زبیرؓ کے زمانہ مین خانہ جنگی ہوئی تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس دو شخص آئے اور کہا کہ لوگ تباہ ہوگئے، آپ عمرؓ کے بیٹے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہین آپ کیون نہین اٹھتے؛ بولے اُس لیے کہ خدا نے میرے بھائی کا خون حرام کر دیا ہے.. دونون نے کہا کہ خدا تو خود کہتا ہے،

فقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ، جہاد کرو تاکہ فتنہ و فساد نہونے پائے،

بولے اتنا تو ہم لڑ چکے کہ فتنہ دب گیا اور دین خدا کا ہو گیا اور اب تم لوگ اس لئے لڑنا چاہتے ہو

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ، مسند عثمان [2] بخاری کتاب الایمان باب المعاصی من امر الجاہلیۃ۔ [3] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الحدیبیۃ

کہ اور بھی فتنہ و فساد ہو اور دین خدا کے سوا دوسرے کا ہو جائے[1]"

متعدد صحابہ ایسے تھے جو نہ صرف خود الگ رہتے تھے، بلکہ دوسرون کو بھی اس خانہ جنگی سے الگ رکھنا چاہتے تھے، چنانچہ حجاج اور حضرت ابن زبیرؓ مین جنگ ہوئی تو حضرت جندب بن عبداللہ بجلیؓ نے عسعس بن سلامہ کے پاس قاصد بھیجا کہ تم لوگون کو جمع کرو، مین ان کے سامنے ایک حدیث بیان کرون گا، لوگ جمع ہوے تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ بھیجا مقابلہ ہوا تو حضرت اسامہ بن زیدؓ نے ایک کافر پر تلوار ماری، اس نے فوراً کلمہ پڑھ لیا، لیکن انھون نے اس کا کام تمام کر دیا، آپ کو معلوم ہوا تو وہ ہزار عذر کرتے رہے، لیکن آپ یہی کہتے رہے کہ قیامت کے دن تم اس کے لا الہ الا اللہ کا کیا جواب دوگے[2]،

عمرو بن سعید یزید کی جانب سے مدینہ کا گورنر تھا، حجاج اور عبداللہ بن زبیرؓ کے درمیان جنگ ہوئی، تو اس نے مکہ کو فوج بھیجنا چاہی، لیکن حضرت ابو شریح انصاریؓ نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو وہ حدیث بیان کرون جس کا آپ نے فتح مکہ کے دن اعلان کیا تھا آپ نے فرمایا تھا کہ مکہ کو خدا نے حرم بنایا ہے، نہ کہ آدمیون نے۔ اس لئے کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہین کہ اس مین خون بہائے، اگر عمرو بن سعید نے اس حدیث پر عمل کیا ہوتا تو اس آگ کے ایندھن مین کم از کم بہت کچھ کمی آجاتی، لیکن اس نے کہا " مجھے تم سے زیادہ اس کا علم ہے، مکہ نافرمانون اور خونیون کو اپنے دامن مین پناہ نہین دے سکتا[3]،

جب ابن زیاد اور مروان نے شام مین اور حضرت ابن زبیرؓ نے مکہ مین اور قراء نے بصرہ مین یہ طوفان اٹھایا تو بعض لوگ حضرت ابو برزہ اسلمیؓ کے پاس آئے اور اس پر افسوس ظاہر کیا،

---

[1] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ قاتلوہم حتی لاتکون فتنہ [2] مسلم کتاب الایمان باب الدلیل علی ان من مات لایشرک باللہ شیئا دخل الجنۃ وان مات مشرکا دخل النار [3] بخاری کتاب العلم لیبلغ العلم الشاہد الغائب،

بولے مجھے قریش پر سخت غصہ آتا ہے، اے گروہ عرب تم جس ذلت، جس گمراہی اور جس افلاس مین مبتلا تھے، وہ تم کو معلوم ہے، پھر خدا نے تم کو اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے نجات دلائی، یہانتک کہ اس درجہ کو پہونچے، اب دنیا نے پھر تم کو برباد کر دیا، یہ جو کچھ شام مین ہو رہا ہے خدا کی قسم وہ صرف دنیا کے لئے ہے،[1]

اگر رعایا مین کسی قسم کی بیچینی اور اضطراب کے آثار نمایان ہوتے تو قبل اس کے کہ یہ چنگاریان بھڑکین صحابہ کرام پند و نصیحت کے چھینٹون سے ان کے بجھانے کی کوشش کرتے، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ حضرت امیر معاویہؓ کی جانب سے کوفہ کے گورنر تھے، ان کا انتقال ہوا تو رعایا مین بیچینی کے آثار نمودار ہوئے، حضرت جریر بن عبداللہؓ نے اسی وقت ایک خطبہ دیا، جس کے الفاظ یہ ہین،

علیکم باتقاء اللہ وحدہ لاشریک لہ والوقار والسکینۃ حتی یا تیکم امیر فانما یاتیکم الآن استعفوا لامیر فانہ کان یحب العفو[2]	تمھارے لئے اس حالت مین تقوی، وقار اور سکون لازم ہے، یہانتک کہ دوسرا امیر آئے، اور وہ آنے والا ہے، اپنے امیر کو معاف کرو کیونکہ وہ معافی کو دوست رکھتا تھا،

متعدد صحابہ نے اس کشمکش سے الگ ہو کر عزلت گزینی اختیار کر لی تھی، حضرت ابن الحنظلیہؓ دنیا سے قطع تعلق کر کے دمشق مین گوشہ نشین ہو گئے تھے، اور شب و روز نماز اور تسبیح و تہلیل مین مصروف رہتے تھے،[3]

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت سلمہ بن اکوعؓ ربذہ مین چلے گئے اور عمر بھر وہین مقیم رہے، صرف وفات سے دو چار روز پیشتر مدینہ مین آگئے تھے، وہان انھون نے شادی

---

[1] بخاری کتاب الفتن [2] بخاری کتاب الایمان باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحۃ [3] ابوداؤد کتاب اللباس باب ما جاء فی اسبال الازار،

بھی کر لی تھی، اور اولاد بھی ہوئی تھی، ایکبار حجاج نے ان سے کہا کہ اس گوشہ گیری نے تم کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا بولے نہین، مجھکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی تھی۔[1]

حضرت سعید بن وقاصؓ نے اگرچہ عمر بھر فوجی زندگی بسر کی تھی، تاہم حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب خانہ جنگی ہوئی تو اس مین بالکل حصہ نہین لیا اور خانہ نشین ہو گئے، ان کے لڑکے اور بھائی نے ترغیب دی کہ خود دعویٰ خلافت کرین، حضرت امیر معاویہؓ نے اعانت کی خواہش کی لیکن وہ اپنے گوشۂ عزلت سے نہین نکلے،[2]

حضرت سعید بن عاصؓ نے بھی فتنہ کے خوف سے بالکل عزلت گزینی اختیار کر لی، اور جنگ صفین و جمل کسی مین شریک نہین ہوئے،[3]

حضرت ہبیبؓ اس زمانہ مین مصر کے ایک وادی مین گوشہ نشین ہو گئے، اور وہین وفات پائی، چنانچہ ان کے انتساب سے اس کا نام وادی ہبیب پڑ گیا،[4]

یزید بن معاویہؓ نے حضرت ابو اشعث صنعانی کو حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے مقابلہ کے لئے بھیجا تو وہ مدینہ مین ایک صحابی کے یہان اترے اور ان سے کہا کہ اس فتنہ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ بولے میرے دوست ابو القاسم صلعم نے مجھے وصیت کی ہے کہ اگر اس قسم کے واقعات پیش آئین تو احد پر جا کر اپنی تلوار توڑ ڈالو، اور خانہ نشین ہو جاؤ، اگر کوئی جنگجو تمھارے گھر مین گھس آئے تو بستر پر چلے جاؤ، اگر بستر کی طرف بھی بڑھے تو گھٹنون کے بل بیٹھ جاؤ اور کہو کہ اپنے اور میرے دونون کے گناہون کا وبال اپنے سر پر لو، اور دوزخ مین چلے جاؤ، اسلیے مین نے تلوار توڑ ڈالی ہے اور خانہ نشین ہو گیا ہون۔[5]

اطاعت خلفار معصیت الٰہی کے سوا ہر موقع پر صحابۂ کرام کی گردنین خلفار کے سامنے جھک جاتی

---

[1] بخاری کتاب الفتن باب التعرب فی الفتنۃ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن وقاصؓ، [3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعید بن عاصؓ [4] حسن المحاضرہ جلد اول صفحہ ۱۰۰ [5] مسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۲۷۶

نھین ، صحابۂ کرام کے لیے روایت حدیث سے زیادہ محبوب اور واجب العمل کوئی کام نہ تھا، تاہم جب حضرت عمار نے حضرت عمرؓ کے سامنے ایک حدیث بیان کی اور انھون نے اس پر ٹوکدیا تو کمال اطاعت گذاری کے لہجے مین بولے کہ "اے امیر المومنین اگر آپ فرمائین تو مین کبھی اس حدیث کی روایت نہ کرون[1] "

ایک بار حضرت ابوبکرؓ ایک شخص پر سخت برہم ہوے، سامنے ایک صحابی بیٹھے ہوئے تھے، بولے ارشاد ہو تو اس کی گردن اڑا دون، غصہ فرو ہوا تو پوچھا کہ اگر مین حکم دیتا تو تم واقعی اس[2] کو قتل کر ڈالتے؟ بولے ہان،

ایک بار حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حج کے متعلق لوگون کو فتویٰ دیا، لیکن ایک آدمی نے کہا ابھی آپ ٹھہر جائیے کیونکہ امیر المومنین (حضرت عمرؓ) نے دوسرا تغیر کیا ہے، انھون نے فوراً لوگون سے کہا کہ مین نے جو فتویٰ دیا ہے اس پر عمل نہ کرو، امیر المومنین آرہے ہین، ان کی انتظار کرو،[3]

حضرت ابوذرؓ اور امیر معاویہؓ مین ایک آیت کے متعلق اختلاف ہوا اور یہ اختلاف اس قدر بڑھا کہ امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کی خدمت مین ان کی شکایت کی، انھون نے ان کو بلوا بھیجا اور کہا کہ اگر آپ دمشق سے منتقل ہو کر ربذہ مین آجاتے تو ہم سے قریب تر ہو جاتے، انھون نے بخوشی ان کی اطاعت کی اور ربذہ مین آکر مقیم ہو گئے، وہ خود فرماتے ہین،

ولوامروا علی حبشیا سمعت واطعت[4] — اگر لوگ مجھپر حبشی کو بھی امیر بناتے تو مین اس کی اطاعت کرتا،

---

[1] ابوداود کتاب الطہارۃ باب التیمم [2] ابوداود کتاب الحدود باب الحکم فیمن سب النبی ﷺ [3] نسائی کتاب الحج باب ترک التسمیۃ عند الاہلال، [4] بخاری کتاب الزکوۃ باب ما ادی زکوتہ،

حضرت عمرؓ نے ایک انصاریہ سے نکاح کیا، اس سے بچہ پیدا ہوا، اس کے بعد طلاق دیدی، ایک دن قبا میں آئے دیکھا کہ بچہ کھیل رہا ہے، اٹھا کر اپنے سامنے انٹ پہ بٹھا لیا، لڑکے کی نانی آئی اور بچے کو چھیننا چاہا، معاملہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، بچے کو عورت کے حوالے کردو، حضرت عمرؓ چپ چاپ لے چلے گئے، اور کچھ جواب نہ دیا،[1]

بنو امیہ نے اسلام کے نظام سلطنت کو بہت کچھ بدل دیا تھا تاہم حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے عبدالملک بن مروان کو ایک خط میں لکھا کہ جہاں تک ممکن ہوگا میں تمھاری اطاعت سے دریغ نہ کروں گا،[2]

یہ اطاعت صرف خلفاء کی زندگی ہی تک محدود نہ تھی بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا تھا،

ایک جذامی عورت (غالباً صحابیہ ہوگی) خانہ کعبہ کا طواف کر رہی تھی، حضرت عمر بن الخطابؓ کا گذر ہوا تو فرمایا لوگوں کو اذیت نہ دو، گھر میں جا کے بیٹھو، وہ جا کر خانہ نشین ہوگئی، حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا تو ایک شخص نے جا کر کہا تمھارا روکنے والا تو مر گیا، اب گھر سے باہر نکلو، بولی میں ایسی نہیں ہوں کہ زندگی میں ان کی اطاعت اور مرنے کے بعد ان کی نافرمانی کروں،[3]

جب تمام اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت کو فسخ کر دیا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے اہل وعیال اور نوکر چاکر سب کو جمع کیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ غدر کرنیوالوں کے لئے قیامت کے دن جھنڈا قایم کیا جائیگا، ہم نے اس شخص کے ہاتھ اللہ اور رسولؐ کے لیے بیعت کی ہے، اور میرے خیال میں اس سے بڑھکر غدر نہیں ہوسکتا کہ

---

[1] موطا امام مالک کتاب الاقضیہ باب ماجاء فی المؤنث من الرجال ومن احق بالولد۔ [2] موطا امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی البیعۃ [3] موطا امام مالک کتاب الحج باب جامع الحج،

ایک شخص کے ہاتھ پر اللہ اور رسول کے لئے بیعت کی جائے اور پھر اس سے جنگ کی جائے، جس شخص نے اس کی بیعت کو فسخ کیا ہے میرے اور اس کے درمیان کوئی تعلق نہیں[۱]،

لاطاعۃ فی معصیۃ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مقصد چونکہ خلافت الٰہی کو دنیا کے لئے منبع خیر و برکات بنانا تھا، اس لئے آپ نے اطاعت امرا کی ایک خاص حد مقرر فرما دی تھی؛ اور معاصی و منکرات کو اطاعت کے دائرہ سے الگ رکھا تھا، اور ایک موقع پر صاف صاف فرما دیا تھا، کہ اطاعت کا تعلق صرف نیک کاموں[۲] سے ہے،

صحابۂ کرام نے اطاعت خلفار کے متعلق ہمیشہ اسی اصول پر عمل کیا، یہی وجہ ہے کہ ان کے عہد مین خلفار جادۂ اعتدال سے سر مو تجاوز نہ کر سکے، ایک بار حضرت عمرؓ نے منبر پر چڑھ کے کہا، صاحبو! اگر مین دنیا کی طرف جھک جاؤن تو تم لوگ کیا کروگے؟ ایک شخص وہین کھڑا ہو گیا اور تلوار میان سے کھینچکر بولا کہ تمھارا سر اوڑا دین گے۔ حضرت عمرؓ نے اس کے آزمانے کو ڈانٹ کر کہا تو میری شان مین یہ لفظ کہتا ہے، اس نے کہا ہان تمھاری شان مین، بولے الحمد للہ قوم مین ایسے لوگ موجود ہین کہ مین کج ہونگا تو مجھے سیدھا کر دینگے؛

خلفائے راشدینؓ کے بعد جب خلافت نے سلطنت کا قالب اختیار کر لیا، تو اس وقت بھی صحابۂ کرام نے اس اصول کو محفوظ رکھا اور امرار کے ناجائز احکام کے سامنے اپنی گردن خم نہ کی،

ایک بار مدینہ کے ایک مروانی گورنر نے حضرت سہل بن سعدؓ کی زبان سے حضرت علیؓ کو برا بھلا کہلوانا چاہا، لیکن انھون نے صاف انکار کر دیا[۳]

[۱] بخاری کتاب الفتن باب اذا قال عند قوم شیئاً ثم خرج فقال بخلافہ [۲] بخاری کتاب المغازی،

[۳] مسلم کتاب الفضایل باب من فضائل علی ابن ابی طالبؓ۔

ایک بار حضرت عبادہ بن الصامتؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کی علانیہ مخالفت شروع کی، انھون نے حضرت عثمانؓ کو لکھ بھیجا کہ عبادہ نے شام مین سخت فتنہ وفساد پھیلا رکھا ہے، آپ ان کو بلا لیجئے، ورنہ مین ان کو جلاوطن کر دون گا، انھون نے انکو مدینہ مین بلا لیا، اور پوچھا کہ کیا معاملہ ہے بولے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے بعد کچھ امرا ہون گے جو بدی کو نیکی اور نیکی کو بدی بنائین گے، اس لئے جو لوگ خدا اور خدا کے رسولؐ کی نافرمانی کرتے ہین ان کی اطاعت نہین کرنی چاہئے،[1]

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص مسجد مین حدیث بیان کر رہے تھے، حضرت عبدالرحمن بن عبد رب الکعبہ آئے اور حلقہ مین شامل ہوگئے، جب وہ روایت کر چکے تو بولے کہ آپ کا بھتیجا معاویہ ہم کو حکم دیتا ہے کہ باہم ناجائز طور پر اپنا مال کھائین اور اپنے بھائیون کو قتل کرین، حالانکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

یا ایہا الذین امنوا لاتاکلوا اموالکم	مسلمانو! اپنے مال باہم ناجائز طور پر نہ کھاؤ، بجز اس
بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ	صورت کے جب تم مین باہم رضامندی کے ساتھ
عن تراض منکم ولا تقتلوا انفسکم	تجارتی تعلقات قایم ہون اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو
ان اللہ کان بکم رحیما ہ	خدا تم پر مہربان ہے،

بولے خدا کی اطاعت مین ان کی اطاعت اور خدا کی نافرمانی مین[2] ان کی نافرمانی کرو،

حضرت معاویہ نے یزید کے ہاتھ پر بیعت لینا چاہی، تو حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے سخت مخالفت کی اور کہا گیا ہرقل کی سنت جاری کی جائے گی کہ جب ایک قیصر مرے گا تو دوسرا قیصر اس کا جانشین ہوگا، خدا کی قسم ہم ایسا نہین کرین گے، امیر معاویہؓ نے ان کو دولت و مال دیکر ہموار

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۳۲۵ [2] مسلم کتاب الامارۃ باب الامر بالوفا ربیعۃ الخلفاء الاول فالاول،

کرنا چاہا اور اس غرض سے ان کی خدمت مین لاکھ روپیے بھیجے لیکن انھون نے یہ کہکر انکار کر دیا کہ مین دین کو دنیا کے بدلے مین نہین بیچ سکتا،[1]

سلاطین وامرا کی عملی مخالفت

صحابۂ کرام کے دل مین خدا اور رسولؐ کے سوا کسی کا خوف نہ تھا، اس لئے وہ امرا و سلاطین کی دلیرانہ مخالفت کرتے تھے، اور جو چیز اصول اسلام اور سنتِ نبوی کے خلاف ہوتی تھی، اس سے ان کو روکتے رہتے تھے، حضرت عثمانؓ نے مسجد نبویؐ کا قدیم نقشہ بدلنا چاہا تو تمام صحابہ نے عام مخالفت کی، یہان تک کہ ان کو ایک عام مجمع مین تمام صحابہ کو ہموار کرنا پڑا،[2] اخیر زمانہ مین جب خلافت نے حکومت کی شکل اختیار کر لی اس وقت بھی صحابۂ کرام نے اس جوہر کو محفوظ رکھا،

ایک بار حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے عرفات مین کہا کہ "لوگ تلبیہ کیون نہین کہتے؟" حضرت سعید بن جبیرؓ ساتھ تھے، بولے کہ معاویہ کا خوف مانع ہے، یہ سننے کے ساتھ ہی خیمے سے نکلے اور تین بار لبیک کہا اور فرمایا کہ علی کے بغض سے انھون نے سنت کو چھوڑ دیا ہے،[3]

مروان مدینہ کا گورنر تھا، ایک بار حضرت ابوسعید خدریؓ نماز پڑھ رہے تھے، مروان کا لڑکا سامنے سے گذرا، اور انھون نے پہلے اس کو ہٹایا، وہ نہ ہٹا تو مارا، وہ روتا ہوا مروان کے پاس آیا، مروان نے ان سے کہا، اپنے بھتیجے کو کیون مارا؟ بولے مین نے اس کو نہین بلکہ شیطان کو مارا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر کوئی شخص حالت نماز مین کسی کے سامنے سے گذر جائے تو پہلے اس کو ہٹائے، اگر نہ ہٹے تو اس سے مقاتلہ کرے کیونکہ وہ شیطان ہے،[4]

ایک دن جمعہ کے روز مروان خطبہ دے رہا تھا، حضرت ابوسعید خدریؓ آئے اور کھڑے ہوکر

---

[1] اصابہ تذکرہ عبدالرحمان بن عبداللہ [2] مسلم کتاب الصلوٰۃ باب فضل بناء المسجد [3] نسائی کتاب الحج باب التلبیہ بعرفۃ
[4] نسائی کتاب الدیات والقصاص باب من اقتص حقہ دون السلطان و بخاری کتاب الصلوٰۃ، بخاری مین ہے، شاب من بنی ابی معیط

نماز پڑھنے لگے، پولیس نے بٹھانا چاہا، لیکن وہ بیٹھے لوگون نے کہا، خدا نے رحم کیا، ورنہ وہ آپ کے ساتھ سختی سے پیش آنے والے تھے، انھون نے کہا جب مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسا کرتے ہوئے دیکھ چکا ہون تو ان دو رکعتون کو نہین چھوڑ سکتا، آپ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی آیا آپ نے اسی حالت مین دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔[1]

تشتت واختلاف سے اجتناب

صحابہ کرام اگرچہ آزادی کی بنا پر خلفاء سے مناظرہ کرتے تھے، مباحثہ کرتے تھے، رد و قدح کرتے تھے، اختلاف کرتے تھے، لیکن اختلاف کو قایم نہین رکھتے تھے، ایک بار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ مین چار رکعت نماز پڑھی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اختلاف کیا، اور کہا کہ مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہان دو رکعت نماز پڑھی حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی، حضرت عمرؓ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی، اس کے بعد تم نے اور راستے اختیار کر لئے ہین تو چار رکعت پر دو ہی رکعت کو ترجیح دیتا ہون، لیکن اس کے بعد خود چار رکعت ادا کی، لوگون نے کہا یہ کیا؟ ابھی تو آپ نے حضرت عثمانؓ پر رد و قدح کی اور پھر چار رکعت نماز پڑھتے ہین، بولے اختلاف بری چیز ہے،[2]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اگرچہ بیحد متبع سنت تھے اور اس وجہ سے جب منیٰ مین تنہا نماز پڑھتے تھے، تو قصر کرتے تھے، لیکن جب امام کے ساتھ نماز کا اتفاق ہوتا تو اختلاف کے خوف سے چار ہی رکعت ادا فرماتے تھے،[3]

صحابہ کرام اختلاف و تشتت سے اس قدر ڈرتے تھے کہ جن احادیث سے مسلمانون مین اختلاف پیدا ہو سکتا تھا، اس کی روایت سے بھی احتراز فرماتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن صحابہ کی نسبت ناراضی کے کلمات فرمائے تھے ان کو حضرت حذیفہؓ مداین مین بعض لوگون سے

[1] ترمذی ابواب الجمعہ باب فی الرکعتین اذا جاء الرجل والامام یخطب [2] ابوداؤد کتاب المناسک باب الصلوٰۃ بمنی

[3] مسلم کتاب الصلوٰۃ باب قصر الصلوٰۃ بمنی،

بیان کرتے تھے، تو وہ لوگ حضرت سلمانؓ کے پاس آکر ان کی تصدیق کرنا چاہتے تھے، لیکن وہ یہ کہکر ٹالدیتے تھے کہ حذیفہ ہی کو انکا علم ہے، حضرت حذیفہؓ کو معلوم ہوا تو وہ ان کے پاس آئے اور کہا کہ آپ میری روایتوں کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ بولے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی خفا ہوجاتے تھے اور ناراضی کی حالت میں اپنے اصحاب کو کچھ کہہ دیا کرتے تھے، تو آپ ان کے ذریعہ سے دلوں میں بعض اصحاب کا بغض اور بعض اصحاب کی محبت پیدا کرتے ہیں اور اختلاف وتفریق کا سبب بنتے ہیں، اگر آپ ان کی روایت سے باز نہ آئیں گے تو میں حضرت عمرؓ کو لکھوں گا۔[1]

حقوق طلبی جس طرح سلطنت کا فرض حقوق کا دینا ہے، اسی طرح رعایا کا فرض حقوق کا لینا ہے، جب کسی نظام حکومت میں یہ دونوں عنصر شامل ہوجاتے ہیں تو میزان عدل کے پلڑے برابر ہوجاتے ہیں۔ صحابۂ کرام کے عہد میں خلافت جن عادلانہ اصول پر قایم رہی اس کا سبب انہی دونوں عناصر کا اجتماع تھا، صحابۂ کرام اگرچہ نہایت بے نیاز تھے تاہم سلطنت سے اپنے پورے حقوق کے لینے میں دریغ نہیں کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے مال خمس میں سے اہل بیت کا حق دیا لیکن ان کو کمی معلوم ہوئی تو سب نے لینے سے انکار کردیا،[2]

صحابۂ کرام نہ صرف اپنے حقوق لیتے تھے بلکہ جو گروہ ضعیف ہوتا تھا اس کے حقوق بھی طلب کرتے تھے، عہد نبوت میں آزادشدہ غلاموں کا ایک لاوارث اور بیکس گروہ تھا، اس لئے جب کہیں سے مال آتا تو آپ سب سے پہلے اسی کس مپرس گروہ کو حصہ دیتے تھے، آپ کے بعد جب دفتر قایم ہوا اور تمام وظیفہ خواروں کے نام لکھے گئے تو یہ گروہ بالکل نظرانداز کردیا گیا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان کے حقوق کا مطالبہ کیا، اور خود حضرت امیر معاویہؓ کے دربار میں جاکر ان کے وظیفے طلب کئے۔[3]

---

[1] ابوداؤد کتاب السنۃ باب فی النہی عن سب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [2] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسہم ذی القربی [3] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی قسم الفیٔ،

امراء و عمال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک مین صرف دو قسم کے عمال کا تقرر ہوا، حکام وُلاۃ، اور محصلین زکوٰۃ، جو صحابہ محصل زکوٰۃ بنا کر روانہ کئے جاتے تھے ان کو

(۱) ایک فرمان عطا ہوتا تھا، جس مین بہ تصریح بتایا جاتا تھا کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد مین کتنی زکوٰۃ لینی چاہیے، انتخاب کر کے یا حق سے زیادہ مال لینے کی اجازت نہ تھی،

(۲) یہ لوگ جب زکوٰۃ وصول کر کے لاتے تھے تو آپ اُن کا محاسبہ فرماتے تھے کہ کہین کوئی ناجائز رقم تو نہین وصول کی ہے،

(۳) تمام عمال کو بقدر ضرورت معاوضہ ملتا تھا اور مقدار ضرورت کی تصریح آپ نے خود فرما دی تھی،

من کان لنا عاملا فلیکتسب زوجۃ فان لم یکن لہ خادم فلیکتسب خادما وان لم یکن لہ مسکن فلیکتسب مسکنا ومن اتخذ غیر ذالک فھم غال[1]

جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو ایک بی بی کر لینا چاہیے اگر اس کے پاس ملازم نہ ہو تو ایک ملازم رکھ لینا چاہیے، اگر گھر نہ ہو تو ایک گھر بنا لینا چاہیے لیکن اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا تو وہ خائن ہوگا

صحابۂ کرام نے جس صداقت، راستبازی، دیانت، اور ایثار نفسی کے ساتھ ان احکام کی پابندی کی وہ ان کے محاسن اخلاق کا طغرائے امتیاز ہے، محصلین زکوٰۃ کو لوگ بہترین منتخب بلکہ بعض

[1] ابوداؤد کتاب الخراج باب فی ارزاق العمال،

حالتوں مین اپنا کل مال ویدیتے تھے، لیکن وہ لوگ صرف وہی مال لیتے تھے اور اسیقدر لیتے تھے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی، چنانچہ زکوۃ کے عنوان مین اس کی متعدد مثالین پہلے حصے مین گذر چکی ہین،

خیانت کا ارتکاب تو ایک طرف، بعض صحابہ خیانت کے خوف سے اس خدمت ہی کو قبول کرنا پسند نہین کرتے تھے، چنانچہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابومسعود انصاریؓ کو مصدق بناکر بھیجنا چاہا تو فرمایا کہ ایسا نہ کرنا کہ قیامت مین تمہاری پشت پر کوئی صدقہ کا اونٹ بلبلاتا ہوا نظر آئے (یعنی خیانت نہ کرنا) بولے کہ اب مین نہین جاتا، ارشاد ہوا کہ مین تمھین مجبور بھی نہین کرتا[1]

ایک بار آپ نے ارشاد فرمایا،

یاایھاالناس من عمل منکم لنا علی عمل فکتمنا منہ مخیطا فما فوقہ فھو غل یاتی بہ یوم القیامۃ،	لوگو! جو شخص ہمارا عامل ہو وہ اگر ایک دھاگا یا اس سے بھی کم ہم سے چھپالے تو یہ خیانت کا مال ہے، اس کو قیامت مین حاضر کرنا پڑے گا،

ایک صحابی جو عامل تھے یہ سنکر بول اوٹھے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھکو اس خدمت سے سبکدوش فرمایئے[2]، صحابۂ کرام کو رشوت خوری سے اس قدر اجتناب تھا کہ جب حضرت عبداللہ بن رواحہؓ حسب معاہدہ یہود خیبر کے یہان نصف پیداوار تقسیم کرنے کے لئے گئے اور یہودیون نے رعایت کی غرض سے عورتون کے زیور جمع کرکے ان کو رشوت مین دینا چاہا تو بولے یہ حرام ہے اور ہم حرام مال نہین کھاسکتے[3]،

معاوضۂ خدمت اگرچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمادیا تھا، اور بہت سے صحابہ

---

[1] ابوداود کتاب الخراج باب فی غلول الصدقۃ [2] ابوداؤد کتاب الاقضیۃ باب فی ہدایا العمال [3] موطائے امام مالک کتاب المساقاۃ باب ماجاء فی المساقاۃ۔

اس کو لیتے بھی تھے تاہم بعض اکابر صحابہ اپنی خدمت کا صلہ صرف خدا سے چاہتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت عمرؓ نے یہ خدمت انجام دی اور معاوضہ لینے سے انکار کر دیا لیکن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر بغیر سوال کے کچھ مل جائے تو اس کو لیلو کھاؤ پیو، صدقہ کر دو۱،

حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ مین فتوحات کو وسعت ہوئی اور سلطنت کے کاروبار پھیلے تو انھون نے صیغۂ مال کو صیغۂ فوج سے علیحدہ کر لیا اور ہر ایک کے لئے الگ الگ عمال مقرر فرمائے جو امیر الخراج اور امیر الثغور کے لقب سے ممتاز تھے۲، ان مین ہر ایک کے لئے ایک ایک ضلع مخصوص کر دیا چنانچہ ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن جراحؓ کو حمص مین، یزید بن ابی سفیانؓ کو دمشق مین، شرجبیل بن حسنہ کو اردن مین، عمرو بن عاصؓ اور علقمہ بن مجرز کو فلسطین مین متعین کیا۳،

حضرت ابوبکرؓ نے عمال کے تقرر مین حسب ذیل اصول ملحوظ رکھے،

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے مین جو لوگ عامل مقرر ہوئے تھے ان کو اپنے عہدہ پر قائم رکھا، چنانچہ آپ کی وفات کے بعد جب متعدد صحابہ اپنے اپنے عہدے چھوڑ کر چلے آئے تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تم لوگ کیون چلے آئے، عمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ملکی خدمت کا کون مستحق ہو سکتا ہے۴،

(۲) وہ عمال کے تقرر مین کسی قسم کی رو رعایت پسند نہین کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اس معاملہ مین رشتہ داری کا لحاظ و مروت نہین کرتے تھے،

چنانچہ حضرت یزید بن ابوسفیان کو شام کا عامل مقرر کرکے بھیجا تو فرمایا کہ وہان تمھاری قرابتین ہین شاید امارت کے لئے تم ان کو ترجیح دو، تمھاری نسبت مجھے یہی خوف ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسلمانون کا والی ہو اور وہ رعایت سے

---

۱ ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی الاستعفاف ۲ طبری صفحہ ۲۰۵۰ ۳ طبری صفحہ ۲۰۷۰ ۴ استیعاب تذکرہ خالد بن سعید بن عاصؓ

ان پر امرار مقرر کرے تو اسپر خدا کی لعنت ہوگی ؎

(۳) اہل بدر کے متعلق حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا طرز عمل بالکل متضاد تھا، حضرت عمرؓ ان سے ملکی اور مذہبی خدمت لیتے تھے، لیکن حضرت ابوبکرؓ فرماتے تھے کہ مین کسی بدری صحابی کو عامل نہ بناؤن گا اور ان کو موقع دون گا کہ اپنے بہترین اعمال کے ساتھ خدا سے ملاقی ہون، کیونکہ اللہ تعالی ان کے اور صلحار کے ذریعہ سے امتون کی مصیبت اور عذاب کو اس سے زیادہ دفع کرتا ہے جتنی ان سے مدد حاصل ہوسکتی ہے ؎،

(۴) عمال کی تمام ہترکا ہیانچی کا دارمدار اس پر ہے کہ ان کے رعب وداب اور اثر و اقتدار کو ہر ممکن طریقے سے قایم رکھا جائے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرا و عمال سے قصاص نہین لیتے تھے بلکہ دیت دلواتے تھے، حضرت ابوبکرؓ کا بھی یہی دستور تھا، ایک بار حضرت خالدؓ نے غلطی سے بہت سے لوگون کو قتل کروا دیا، حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو قصاص لینے پر آمادہ کیا، لیکن انھون نے کہا جانے دو اور خاموش رہو ؎،

حضرت عمرؓ کے زمانے مین عہدون کی ترتیب و تقسیم مین اور بھی وسعت پیدا ہوئی، صوبون کی تقسیم جو پہلے ہو چکی تھی اس کے علاوہ انھون نے ملک کی جدید تقسیم کی اور اس تقسیم کی رو سے مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، اور فلسطین کو الگ الگ صوبہ قرار دیا اور ان مین حسب ذیل عمال مقرر فرمائے

والی	یعنے حاکم صوبہ
کاتب	یعنے میر منشی
کاتب دیوان	یعنے دفتر فوج کا میر منشی
صاحب الخراج	یعنے کلکٹر

؎ مسند جلد ا صفحہ ۷ ؎ طبری صفحہ ۲۱۳۱ ؎ طبری صفحہ ۱۹۲۶،

صاحب احداث	یعنے افسر پولیس
صاحب بیت المال	یعنے افسر خزانہ
قاضی	یعنے صدر الصدور اور منصف

والی کا اسٹاف نہایت وسیع ہوتا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو کوفہ کا والی بنا کر روانہ فرمایا تو دس آدمی ان کے اسٹاف مین دیئے۔[1]

(۱) ان عمال کے تقرر مین حضرت عمرؓ اکثر موقعون پر اپنی فطری جوہر شناسی سے کام لیتے تھے، عرب مین جو لوگ کسی خاص وصف مین عام طور پر مشہور تھے، مثلاً حضرت امیر معاویہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کہ اپنی سیاست دانی کی وجہ سے دہاۃ العرب کہے جاتے تھے، یا حضرت عمرو معدی کربؓ اور حضرت طلحہ بن خالدؓ کہ فن حرب مین بے نظیر خیال کئے جاتے تھے، ان لوگون کو ملکی یا فوجی عہدون کے دینے مین بہت زیادہ نکتہ شناسی کی ضرورت نہ تھی، ان کی شہرت نے خود ان کو ان عہدون کا مستحق بنا دیا تھا، لیکن ان کے علاوہ جن لوگون مین ان کو کوئی خاص قابلیت نظر آئی ان کو اس قابلیت کے لحاظ سے مناسب عہدے عطا فرمائے،

حضرت عبداللہ بن ارقمؓ ایک صحابی تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے، اور آپ کو ان کی دیانت پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب وہ خط لکھ کے لاتے تھے تو آپ اس کو پڑھوا کے سنتے بھی نہین تھے، ایک بار آپ کی خدمت مین کہین سے خط آیا آپ نے فرمایا اس کا جواب کون لکھے گا، حضرت عبداللہ بنؓ ارقم نے فرمایا کہ مین، چنانچہ خود اپنی طبیعت سے جواب لکھکر لائے اور وہ آپ کو نہایت پسند آیا، حضرت عمرؓ بھی موجود تھے ان کو اس پر حیرت ہوئی اور جب خلیفہ ہوئے تو ان سے میرمنشی کا کام لیا اور تدین کے لحاظ سے بیت المال کا افسر بھی مقرر فرمایا۔[2]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ قرظہ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن ارقم،

ایک بار حضرت عمرؓ بیٹھے ہوئے تھے ایک عورت آئی اور کہا کہ میرے شوہر سے زیادہ افضل کون ہو سکتا ہے، رات بھر شب بیداری کرتا ہے، گرمیون کے دن مین برابر روزے رکھتا ہے، حضرت عمرؓ نے بھی اس کی تعریف کی اور وہ شرما کر چلی گئی، حسن اتفاق سے حضرت کعبؓ ابن سور بھی موجود تھے، بولے یا امیر المومنین آپ نے عورت کا انصاف شوہر سے نہین دلوایا وہ شکایت کرتی ہو کہ میرا شوہر مجھ سے راہ و رسم نہین رکھتا، حضرت عمرؓ نے عورت کو واپس بلایا اور اس نے اب صاف صاف اس کا اقرار کیا حضرت عمرؓ نے کعب ہی سے اس کا فیصلہ کرادیا اور انکو اسی وقت بصرہ کا قاضی مقرر کر کے بھیجدیا[1]،

تمام عمال فاروقی مین صرف حضرت عمار بن یاسرؓ ایک ایسے بزرگ تھے جو فن سیاست سے بالکل ناآشنا تھے اور باانیہمہ نہایت معزز ملکی عہدے پر ممتاز تھے، لیکن خود حضرت عمرؓ نے جب ان کو معزول کیا تو صاف صاف فرمادیا،

لقد علمت ما انت بصاحب عمل	مین خود جانتا تھا کہ تم ملکی خدمات کے اہل نہین ہو لیکن
ولکنی تاولت ونرید ان نمن علی الذین	مین نے اس آیت کے معنی کی عملی تشریح کی ہم چاہتے ہین
استضعفوا فی الارض ونجعلہم ائمۃ	کہ ان لوگون پر احسان کرین جو زمین مین کمزور
ونجعلہم الوارثین[2]،	تھے اور ان لوگون کو امام اور وارث بنائین:

ذاتی قابلیت کے علاوہ خارجی اوصاف کے لحاظ سے بدوؤن پر ہمیشہ شہریون کو ترجیح دیتے تھے[3]، اور اپنے قبیلہ کے کسی شخص کو کوئی ملکی عہدہ نہین دیتے تھے، اپنے خاندان مین صرف نعمان بن عدی کو میسان کا عامل مقرر فرمایا لیکن ان کو بھی چند دنون کے بعد ایک حیلہ سے معزول کردیا[4]،

ملکی عہدون پر ہمیشہ صحیح اور تندرست لوگون کو مامور فرماتے تھے حضرت سعید بن عامرؓ کی نسبت معلوم ہوا کہ ان پر کبھی کبھی غشی طاری ہو جایا کرتی ہے تو ان کو طلب فرمایا اور جب

[1] اسد الغابہ تذکرہ کعبؓ بن سور [2] طبری صفحہ ۲۷۶۸ [3] فتوح البلدان صفحہ ۱۵۳ [4] اسد الغابہ تذکرہ نعمانؓ بن عدی

انھون نے اس کی معقول وجہ بیان کی تو پھر ان کو خدمت مفوضہ پر واپس کر دیا[1]

غیر مذاہب کے لوگون مین صرف ابوزبید کی نسبت اصابہ مین لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو عامل مقرر کیا اور اس کے سوا کسی عیسائی کو عامل نہین بنایا،

عمال کے انتخاب کی مختلف صورتین تھین،

(۱) کبھی حضرت عمرؓ خود صحابہ کرام کو جمع فرماتے اور ان سے طالب اعانت ہوتے چنانچہ ایک بار تمام صحابہ کو جمع کر کے کہا کہ اگر آپ لوگ میری مدد نہ کرین گے تو دوسرا کون کریگا، تمام صحابہ نے بخوشی آمادگی ظاہر فرمائی اور حضرت عمرؓ نے اسی وقت حضرت ابوہریرہؓ کو بحرین اور ہجر کا کلکٹر مقرر کر کے روانہ فرمایا، باایں ہمہ اس وقت ملکی خدمت زہد و تقدس کے خلاف سمجھی جاتی تھی، اس لئے حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے کہا کہ عمر! تم نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آلودۂ دنیا کر دیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا آخر مین ان کے سوا کس سے مدد لون. بولے اگر ایسا ہی ہے تو تنخواہ اس قدر مقرر کرو کہ خیانت کی طرف مائل نہ ہونے پائین،

(۲) بعض اوقات صوبون یا ضلعون کی طرف سے منتخب اشخاص کو طلب کرتے تھے، اور ان کو وہان کا عامل مقرر فرماتے تھے. چنانچہ اسی طریقے کے مطابق حضرت عثمان بن فرقدؓ کوفہ کے، اور حضرت معین بن یزیدؓ شام کے، اور حجاج بن علاطؓ بصرہ کے کلکٹر مقرر ہوئے[2]،،

(۳) حضرت عمرؓ کو عمال کے انتخاب مین ایک بڑی دشواری یہ پیش آئی کہ لوگ حق الخدمت لینا زہد و تقدس کے خلاف سمجھتے تھے، لیکن اگر اس ایثار پر سلطنت کے کاروبار کی بنیاد رکھدی جاتی تو آئیندہ چلکر مختلف دشواریان پیش آتین اس لئے حضرت عمرؓ نے اس غلطی کو ہر ممکن طریقے سے مٹانا چاہا، ایک بار حضرت عبداللہ بن سعدیؓ ان کی خدمت مین حاضر ہوئے تو فرمایا کیا مجھے یہ خبر نہین کہ

---

[1] استیعاب تذکرہ حضرت سعید بن عامرؓ [2] کتاب الخراج صفحہ ۶۴ و ۶۵،

تم بعض ملکی خدمتین انجام دیتے ہو اور جب تم کو معاوضہ دیا جاتا ہے تو نا پسند کرتے ہو؟ انھون نے کہا "ہان" میرے پاس گھوڑے ہین، اور میری حالت اچھی ہے، اس لئے مین چاہتا ہون کہ مسلمانون کی خدمت حسبۃً للہ انجام دون، بولے ایسا ہرگز نہ کرد مین نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین ایسا کیا تھا لیکن آپ نے فرمایا کہ اس مال کو لیکر دولتمند بنو اور صدقہ کرو، جو مال بغیر حرص وسوال کے ملجائے اس کو لیلو اور جو نہ ملے اس کے پیچھے نہ پڑو[1]،

(۴) ان کے زمانہ مین جب عمال کا تقرر ہوتا تھا تو ان کو متعدد صحابہ کے سامنے ایک فرمان عطا ہوتا تھا، جس مین ان کی تقرری اور فرائض کی تصریح ہوتی تھی، یہ عامل جس مقام پر پہونچتا تھا تمام رعایا کے سامنے اس فرمان کو پڑھکر سناتا تھا، چنانچہ حضرت حذیفہ بن یمانؓ کو جب مدائن کا عامل مقرر کرکے بھیجا تو فرمان مین یہ الفاظ تھے،

اسمعوا لہ واطیعوہ واعطوہ ما سالکم — ان کی سنو، ان کی اطاعت کرو، اور جو کچھ وہ مانگین انکو دو،

انھون نے یہان آکر یہ فرمان پڑھا تو لوگون نے کہا آپ جو چاہین مانگین، بولے جب تک تمھارے یہان رہون اپنا کھانا اور اپنے گدھے کا چارہ چاہتا ہون[2]،

(۵) حضرت عمرؓ کو اس پر سخت اصرار تھا کہ امراء و عمال عیش و تنعم مین مبتلا نہ ہونے پائین، حاکم و محکوم مین مساوات قائم رہے، غیر قومون کی عادتین ان مین سرایت نہ کرنے پائین، حاکم تک ہر شخص بلا روک ٹوک پہونچ سکے، چنانچہ حضرت عتبہ بن فرقدؓ کو یہ تصریح لکھا،

وایاکم والتنعم وزی اہل الشرک ولبوس الحریر[3] — عیش و تنعم، اہل شرک کی وضع، اور حریر سے احتراز کرو،

اس بنا پر جب کسی شخص کو عامل مقرر فرماتے تھے تو اس سے یہ معاہدہ لے لیتے تھے کہ ترکی گھوڑے پر

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۷، و ابوداؤد کتاب الخراج باب ارزاق العمال۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حذیفہ بن الیمانؓ و کتاب الخراج صفحہ ۶۰۔ [3] مسند جلد ۱ صفحہ ۱۶، و مسلم کتاب اللباس والزینۃ،

سوار نہ ہوگا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائیگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، دروازے پر دربان نہ رکھے گا، اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا، اور جو عمال ان شرائط کی خلاف ورزی کرتے تھے ان کو فوراً معزول کردیتے تھے، ایک دفعہ راستے مین جارہے تھے دفعۃً آواز آئی اے عمر! کیا یہ معاہدے تمھین نجات دلاسکتے ہین؟ حالانکہ تمھارا عامل عیاض بن غنم باریک کپڑے پہنتا ہے اور دربان رکھتاہی، حضرت عمرؓ نے محمدؐ بن مسلمہ کو بھیجا کہ جس حال مین پاؤ اُن کو پکڑ لاؤ، وہ آئے تو دیکھا کہ دروازے پر واقعی دربان ہے اندر گھس گئے تو دیکھا کہ جسم پر باریک قمیص ہے، انھون نے کہا امیر المومنین کی خدمت مین حاضر ہو، بولے بدن پر قبا ڈال لون بولے نہین وہ اسی حال مین حضرت عمرؓ کے سامنے آئے تو انھون نے قمیص اتروالی، اس کے بعد اُن کا ایک کرتہ اور ایک عصا اور بکریون کا ایک ریوڑ منگایا اور کہا کہ کرتا پہنو یہ عصا لو اور یہ بکریان چراؤ، انھون نے کہا اس سے تو موت بہتر ہے، بولے گھبرانے کی بات نہین تمھارے باپ کا نام غنم اسی لیے رکھا گیا تھا کہ وہ بکریان چرایا کرتا تھا۔[1] (عربی مین غنم بکری کو کہتے ہین)

حضرت سعدؓ نے جب کوفہ مین ایک عظیم الشان محل تعمیر کرایا اور حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ اس کی وجہ سے ان تک فریادیونکی آواز نہین پہونچ سکتی تو محمدؐ بن مسلمہ کو بھیجکر اس مین آگ لگوادی۔[2]

مصر مین حضرت خارجہ بن حذافہ نے ایک بالاخانہ تیار کروایا اور حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو حضرت عمرو بن العاص کو لکھ بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ خارجہ نے ایک بالاخانہ تیار کروایا ہے اور اس کے ذریعے اپنے ہمسایون کی پردہ دری کرنا چاہتا ہے، میرا خط جس وقت پہونچے اس کو فوراً منہدم کردو۔[3]

ایک بار حضرت بلالؓ نے شکایت کی کہ امرائے شام پرندے کے گوشت اور میدے کی روٹی کے سوا اور کچھ کھانا ہی نہین جانتے حالانکہ عام لوگون کو یہ کھانا میسر نہین ہوتا، اس پر حضرت عمرؓ نے سخت گرفت کی اور تمام عمال سے اقرار لیا کہ روزانہ فی کس دو روٹی اور زیتون کا تیل تقسیم

---

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۲۲۵ بروایت بیہقی [2] کتاب الخراج صفحہ ۶۶ [3] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۴ [4] حسن المحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۹۰

کرنا ہوگا، اور مال غنیمت کی تقسیم بھی مساویانہ طور پر ہوگی[1]،

ان کو اس پر اس قدر اصرار تھا کہ حضرت عتبہ بن فرقد نے ان کے پاس کھانے کی کوئی عمدہ چیز ہدیۃً بھیجی تو انھون نے پوچھا کیا کل مسلمان یہی کھاتے ہین بولے نہین اسیوقت ان کو لکھا کہ یہ تمھاری یا تمھارے باپ کی کمائی نہین جو خود کھاؤ وہی تمام مسلمانون کو کھلاؤ[2]،

اس دار و گیر کا یہ نتیجہ تھا کہ عمال نہایت سادہ اور متقشفانہ زندگی بسر کرتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت عمرؓ نے ایک عامل کو طلب فرمایا وہ آئے تو ساتھ مین صرف ایک توشہ دان، ایک عصا اور ایک پیالہ تھا، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو بولے کہ تمھارے پاس بس اسی قدر اثاثہ ہے، بولے اس سے زیادہ اور کیا ہوگا؟ عصا پر توشہ دان ٹانگ لیتا ہون اور پیالے مین کھا لیتا ہون[3]،

حضرت حذیفہ بن الیمان مدائن کے عامل مقرر ہو کر آئے تو لوگون نے کہا جو جی چاہے طلب فرمایئے، بولے صرف اپنا کھانا اور اپنے گدھے کا چارہ چاہتا ہون وہان سے پلٹے تو جس حالت مین گئے تھے اس مین مطلق فرق نہ آیا تھا، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو لپٹ گئے کہ تم میرے بھائی اور مین تمھارا بھائی ہون[4]،

حضرت عمرؓ شام مین آئے اور حضرت ابو عبیدہؓ کا زہد و تقشف دیکھا تو فرمایا ابو عبیدہ تمھارے سوا ہم مین سے ہر ایک کو دنیا نے بدل دیا[5]،

(۶) جب کوئی عامل مقرر ہوتا اس کے تمام مال و اسباب کی فہرست تیار کرائی جاتی تھی اور اس کی مالی حالت مین اس سے زیادہ جس قدر اضافہ ہوتا تھا وہ تقسیم کرا لیا جاتا تھا چنانچہ اس قاعدے کی رو سے بہ کثرت عمال کے مال کی تقسیم کی گئی، حضرت عمرو بن العاص گورنر مصر کو

---

[1] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۶۸ [2] فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۲۴۲ و مسلم کتاب اللباس والزینۃ [3] استیعاب تذکرہ حضرت سعید ابن عامرؓ [4] اسد الغابہ تذکرہ حذیفہ بن الیمانؓ [5] اسد الغابہ تذکرہ ابو عبیدہ بن جراح،

لکھا کہ اب تمھارے پاس بہ کثرت اسباب، غلام، برتن اور مویشی ہو گئے ہیں، حالانکہ مین نے جس وقت تمھین مصر کا گورنر مقرر کیا تھا تمھارے پاس یہ سامان موجود نہ تھے، انھون نے عذر کیا کہ مصر زراعت اور تجارت دونون سے پیداوار ہوتی ہے اس لئے ہمارے پاس بہت سی رقم پس انداز ہو جاتی ہے لیکن حضرت عمرؓ نے ان کی دولت تقسیم ہی کروالی[1]،

حضرت ابوہریرہؓ بحرین سے واپس آئے تو اپنے ساتھ بارہ ہزار روپیہ لائے، حضرت عمرؓ نے یہ کل رقم لیلی، اور کہا کہ تم نے خدا کا مال چرایا ہے[2]،

ایک بار ایک شخص نے ایک قصیدے مین بہت سے عمال کے نام گنائے اور لکھا کہ ان لوگون کے مال و دولت کا حساب ہونا چاہیئے حضرت عمرؓ نے سب کی دولت تقسیم کروالی یہانتک کہ ان کے پاس صرف ایک جوتہ رہنے دیا اور ایک خود لے لیا[3]،

طبری اور یعقوبی نے اس قسم کے متعدد واقعات نقل کئے ہین اور یعقوبی نے ان عمال کے نام بھی ایک جگہ جمع کر دیئے ہین جن کے مال تقسیم کرائے گئے، اسد الغابہ تذکرۂ محمدؐ بن مسلمہ ہین بھی اجمالاً اس قدر لکھا ہے،

وھو الذی ارسلہ عمر الی عمالہ لیاخذ شطر اموالھم لثقتہ بہ

حضرت عمرؓ نے انہی کو اس لئے بھیجا تھا کہ عمال کا آدھا مال تقسیم کرلائین، کیونکہ ان کے نزدیک وہ بہت زیادہ قابل اعتماد تھے،

(۷) عمال کی شکایتون کی تحقیقات کے لئے حضرت محمدؐ بن مسلمہ کو مامور فرمایا جب کسی عامل کی شکایت پیش ہوتی تھی تو وہی تحقیقات کے لئے مامور کئے جاتے تھے ایک بار کوفہ والون نے حضرت سعدؓ کی شکایت کی کہ وہ ٹھیک طور پر نماز نہین پڑھتے تو حضرت عمرؓ نے پہلے خود طلب فرما کر ان کا

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۲۶، [2] فتوح البلدان صفحہ ۹۰ [3] فتوح البلدان صفحہ ۳۹۲،

اظہار لیا اس کے بعد ان کے ساتھ حضرت محمد بن مسلمہ کو بھیجا اور انھون نے جاکر ایک ایک مسجد مین اس کی تحقیقات کی[1]،

(۸) اس پر بھی تسکین نہین ہوئی تو تمام عمال کو حکم دیا کہ حج کے زمانہ مین حاضر ہون تاکہ مجمع عام مین ان کی شکایتین پیش ہوسکین، چنانچہ معمولی سے معمولی شکایتین پیش ہوتی تھین اور ان پر گرفت کی جاتی تھی ایک بار حضرت عمرؓ نے مجمع عام مین ایک خطبہ دیا جس مین فرمایا،

انی لم ابعث عمالی لیضربوا ابشارکم ولا لیاخذوا اموالکم فمن فعل بہ ذالک فلیرفعہ الی اقصہ منہ،

مین نے عمال کو اس لئے نہین بھیجا ہے کہ تمھارے منھ پر طمانچے مارین نہ اس لئے کہ تمھارا مال چھین لین جس شخص کے ساتھ ایسا کیا گیا ہے اس کو اپنا معاملہ میرے سامنے پیش کرنا چاہیے تاکہ مین اس سے قصاص لون،

اس پر حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا کہ اگر کوئی عامل رعایا کو تادیبًا سزا دے تب بھی آپ اس سے قصاص لینگے، بولے "ہان" اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ مین میری جان ہے کیون نہ قصاص لونگا" مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ سے خود قصاص لیا گیا ہے[2]،

یہ محض الفاظ ہی الفاظ نہ تھے بلکہ عین حج کے مجمع مین اس پر عمل بھی ہوا، ایک بار انھون نے حسب معمول تمام عمال کو طلب کیا اور ایک خطبہ مین کہا کہ جس شخص کو عمال سے کوئی شکایت ہو وہ کھڑا ہو کر پیش کرے، ایک شخص اٹھا اور کہا کہ آپکے عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہین، حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا تم بھی سو کوڑے مارنا چاہتے ہو، اٹھو، حضرت عمرو بن العاص نے کہا کہ یہ امر عمال پر گران ہوگا اور آئندہ کیلئے ایک نظیر قایم ہو جائے گی، لیکن حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ نہین ہوسکتا خود

---

[1] صحیح بخاری باب وجوب القراۃ للامام والماموم۔ بخاری مین محمد بن مسلمہ کا نام مذکور نہین ہے مگر فتح الباری مین ان کا نام لیا ہے۔ [2] ابوداؤد کتاب الحدود باب القود بغیر حدید،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا کہ بالآخر حضرت عمرو بن العاصؓ نے مستغیث کو اس شرط پر راضی کیا کہ فی تازیانہ دو اشرفیاں لے کر اپنے حق سے باز آئے،[1]

(۹) اس کے علاوہ عمال کے حالات دریافت کرنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کیے، جب عمال کے پاس سے کوئی شخص آتا تو اس سے اس کا حال دریافت کرتے، ایک بار حضرت جریرؓ حضرت سعید بن ابی وقاصؓ کے یہان سے آئے تو حضرت عمرؓ نے انکا حال پوچھا، انھون نے نہایت انشا پردازانہ الفاظ مین ان کی تعریف کی،[2]

عمال جب واپس آتے تو حضرت عمرؓ آگے بڑھکر کسی جگہ چھپ جاتے اور خفیہ طور پر انکا معاینہ کرتے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ مدائن سے واپس آئے تو حضرت عمرؓ آگے بڑھکر راہ مین چھپ گئے، اور جب ان کی قدیم حالت مین کوئی تغیر نہین پایا تو ان سے بے اختیار لپٹ گئے، حضرت حذیفہؓ اعلم بالمنافقین تھے یعنی ان کو تمام منافقین کے نام معلوم تھے اس لئے حضرت عمرؓ ان سے اپنے عمال کی نسبت بعض باتین دریافت فرمایا کرتے تھے،

ایک بار انھون نے فرمایا کہ میرے عمال مین کوئی منافق بھی ہے؟ بولے ہان! ایک ہو مگر نام نہ بتاؤن گا بالآخر حضرت عمرؓ نے اس کا خود پتہ لگا لیا اور اس کو معزول کر دیا،[3]

عمال کی معزولی

حضرت عمرؓ ہمیشہ ملکی عہدے ان لوگون کو دیتے تھے جو ایک طرف تو اس خدمت کے انجام دینے کی قابلیت رکھتے تھے، دوسری طرف ان کا دامن اخلاق بالکل بیداغ ہوتا تھا اس لیے ان کو جس عامل مین ان اوصاف کی کچھ بھی کمی نظر آتی تھی اس کو فوراً معزول کر دیتے تھے،

ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے میر منشی نے حضرت عمرؓ کے نام ایک خط لکھا جس کی ابتدا اعرابی طریقے کے موافق ان الفاظ مین کی من ابو موسیٰ چونکہ عربی قاعدے کی رو سے من ابی موسیٰ

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۶ [2] استیعاب تذکرہ جریر بن عبد اللہ [3] اسد الغابہ تذکرہ حذیفہ بن الیمانؓ،

لکھنا چاہیے تھا اس لیے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ جس وقت میرا خط پہونچے اپنے میر منشی کو ایک کوڑا مارو اور علیحدہ کر دو[1]،

حضرت عمارؓ کو والی مقرر کیا تو ایک شخص نے کہا کہ ان کو یہ بھی معلوم نہین کہ آپ نے ان کو کہاں کا عامل مقرر فرمایا ہے، حضرت عمرؓ نے ان سے اس قسم کے چند سوالات کئے تو معلوم ہوا کہ واقعی یہ خیال صحیح تھا اس لئے ان کو معزول کر دیا[2]، اس کے بعد حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا تقرر فرمایا لیکن کوفہ والون نے ان کی شکایت کی کہ ان کا غلام تجارت کرتا ہے تو ان کو بھی وہان سے ہٹا دیا[3]،

حضرت نعمان بن عدی کو میسان کا عامل بنا کر بھیجا تو انھون نے بی بی کو بھی ساتھ لیجانا چاہا لیکن اس نے انکار کر دیا وہان پہونچے تو بی بی کے نام ایک خط مین حسب ذیل اشعار لکھ بھیجے،

فمن مبلغ حسناء ان حلیلها	میسان یسقی فی زجاج وحنتم
میری طرف سے اس پیکر حسن کو کون پیغام پہونچائیگا،	کہ اُسکا شوہر میسان مین شیشے اور خم کے خم لنڈھا رہا ہے
اذا شئت غنتنی دھاقین قریۃ	وصناجۃ تحذو علی کل میسم
جب مین چاہتا ہون تو دیہاتی لوگ میرے لیے گیت گاتے ہین	اور ستار ہر قسم کے سر بجاتا ہے،
اذا کنت ندمانی فبالاکبر اسقنی	ولا تسقنی بالاصغر المتثلم
اور تو میری ہمنشین ہو تو بڑے پیالے سے پلا	نہ کہ چھوٹے اور ٹوٹے ہوئے پیالے سے
لعل امیر المومنین یسوءہ	تنادمنا فی الجوسق المتھدم
شاید امیر المومنین کو	ہماری مصاحبت ناگوار ہو

حضرت عمرؓ کو اس خط و کتابت کا حال معلوم ہوا تو ان کو لکھا کہ مین نے تمھارا آخری شعر سنا، درحقیقت مجھے اس قسم کی صحبت ناگوار ہے، اس کے بعد ان کو معزول کر دیا، وہ آئے تو کہا

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۵۴ [2] طبری صفحہ ۲۶۷۷ [3] طبری صفحہ ۲۶۷۸

کہ خدا کی قسم یہ کچھ نہ تھا صرف چند اشعار میری زبان پر جاری ہو گئے تھے ورنہ مین نے کبھی شراب نہین پی،
حضرت عمرؓ نے کہا میرا بھی یہی خیال ہے، لیکن باایہمہ اب تم کبھی میرے عامل نہین ہو سکتے[1]،

جو عمال غلامون کی عیادت نہین کرتے تھے یا ان تک کمزور لوگون کا گذر نہین ہو سکتا تھا،
وہ معزول کردئیے جاتے تھے[2]،

تنخواہ | تنخواہ کا کوئی خاص معیار نہ تھا بلکہ حالات کے لحاظ سے تنخواہین مختلف ہوتی تھین مثلاً
حضرت عیاض بن غنمؓ حمص کے والی تھے اور ان کو روزانہ ایک اشرفی اور ایک بکری ملتی تھی[3]، لیکن
حضرت امیر معاویہؓ اسی عہدے پر مامور تھے اور ان کو اس کے صلے مین ہزار دینار ماہوار ملتے تھے[4]، تاہم
جو تنخواہ تھی وہ ہر شخص کے لئے کافی ہوتی تھی،

حضرت عثمانؓ نے اگرچہ اس نظام مین اس قدر تغیر کیا کہ تمام بڑے بڑے عہدے بنو امیہ کو
دیدیے تاہم انھون نے بلاوجہ کسی قدیم عامل کو معزول نہین کیا طبری مین ہے کہ وہ بلا شکایت یا بغیر
استعفار کے کسی عامل کو معزول نہین کرتے تھے[5]، بلکہ شام مین حضرت عمرؓ کے معزول کردہ جو عامل
پہلے سے موجود تھے ان کو اپنے اپنے عہدون پر قایم رہنے دیا[6]، باقی اس نظام مین اور کسی قسم کا رد و بدل
نہین ہوا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت مین اس معاملہ مین دو عظیم الشان انقلاب پیدا
ہوئے ایک تو یہ کہ انھون نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے سوا تمام عمالِ عثمانی کو بیکقلم موقوف کردیا[7]،
دوسرے یہ کہ انھون نے تمام عمال کے طرز عمل کی عام تحقیقات کرائی[8] اور غالباً یہ ایسی ترقی تھی جو خود
حضرت عمرؓ کے دور خلافت مین بھی نہین ہوئی تھی،

[1] اسد الغابہ تذکرہ نعمان بن عدیؓ [2] کتاب الخراج صفحہ ۶۶ [3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عیاض بن غنمؓ
[4] استیعاب تذکرہ حضرت امیر معاویہؓ [5] طبری صفحہ ۲۸۱۴ [6] طبری صفحہ ۲۸۶۷ [7] یعقوبی صفحہ ۲۰۸،
[8] کتاب الخراج صفحہ ۶۶،

صیغۂ عدالت

اسلام میں صیغۂ قضا، اگرچہ عہد نبوت ہی میں قایم ہو گیا تھا لیکن ابتدا میں یہ صیغہ اور صیغون کے ساتھ مخلوط تھا، چنانچہ آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا عامل مقرر فرما کر بھیجا تو اور فرائض کے ساتھ یہ خدمت بھی ان کے متعلق کی[۱] اور اس کے آئین و اصول بنائے، حضرت عمرؓ کے زمانہ تک میں بھی مدتون یہ خلط مبحث رہا لیکن انھون نے اپنے وسط خلافت میں اس صیغہ کو اور صیغون سے الگ کر دیا اور مستقل طور پر قضاۃ مقرر کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کیں[۲]،

اصول و آئین عدالت اس باب میں سب سے مقدم چیز اصول و آئین عدالت کا منضبط کرنا تھا، حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک یہ قاعدہ تھا کہ جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو پہلے قرآن مجید کی طرف پھر حدیث[۳] کی طرف رجوع کرتے تھے اور سب کے اخیر میں مسلمانون سے مشورہ لیتے تھے، اجتہاد اور قیاس کو بالکل دخل نہین دیتے تھے[۴]،

لیکن حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جب تمدن کو زیادہ وسعت ہوئی تو انھون نے قضاۃ کو اجماع اور قیاس سے بھی مدد لینے کی ہدایت کی لیکن قیاس کو سب سے مؤخر رکھا[۵] اس کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام آداب قضارت کے متعلق ایک مفصل فرمان لکھا جو کنز العمال اور دار قطنی میں[۶] بلفظہ منقول ہے، اس فرمان میں قضارت کے متعلق جو احکام مذکور ہیں وہ حسب ذیل ہیں

---

۱ ابوداؤد کتاب القضا ۲ کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۵، ۱۷۶ ۳ دارمی صفحہ ۳۲ و ۳۳ ۴ مسند دارمی صفحہ ۳۴ ۵ کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۴ و دار قطنی صفحہ ۵۱۲،

(۱) قاضی کو تمام لوگون کے ساتھ یکسان برتاؤ کرنا چاہیے،

(۲) بار ثبوت صرف مدعی پر ہے،

(۳) مدعا علیہ کے پاس اگر ثبوت یا شہادت نہین ہے تو اس سے قسم لیجائیگی،

(۴) فریقین ہر حالت مین صلح کر سکتے ہین لیکن جو امر خلاف قانون ہے اس مین صلح نہین ہو سکتی،

(۵) قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصل کرنے کے بعد اس پر نظر ثانی کر سکتا ہے،

(۶) مقدمہ کے پیشی کی ایک تاریخ مقرر ہونی چاہیے،

(۷) اگر مدعا علیہ تاریخ معینہ پر حاضر نہ ہو تو مقدمہ اس کے خلاف فیصل کیا جائیگا،

(۸) ہر مسلمان قابلِ ادائے شہادت ہے، لیکن جو سزایافتہ ہو یا جس کا جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو وہ قابل شہادت نہین،

(۹) اخلاقی حیثیت سے قاضی کو غصہ کرنا اور گھبرانا نہین چاہیے،

آج اس تمدنی زمانے مین بھی عدالت کے اساسی قوانین یہی ہین،

قضاۃ کا انتخاب

قضارت کے متعلق سب سے اہم کام قابل اور متدین حکام کا انتخاب تھا، صحابہ مین جو لوگ علم و فضل مین مسلّم تھے، مثلاً حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبادہ بن الصامتؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعود، ان کے انتخاب کے لئے صرف یہی کافی تھا کہ وہ خود منتخب روزگار تھے لیکن حضرت عمرؓ اور لوگون کو علمی تجربہ اور ذاتی امتحان کے بعد منتخب کرتے تھے چنانچہ حضرت کعب بن سور ازدیؓ جو بصرہ کے قاضی تھے ان کی تقرری کا شان نزول یہ ہے کہ وہ ایک بار حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک عورت آئی اور کہا کہ مینے اپنے شوہر سے بہتر آدمی نہین دیکھا وہ رات بھر نماز پڑھتا ہے اور دن بھر روزے رکھتا ہے" حضرت عمرؓ نے عورت کی تعریف کی اور اس کے لئے استغفار کیا، وہ شرمندہ ہو کر چلی گئی، تو حضرت کعبؓ نے کہا کہ اے امیر المومنین! آپ نے عورت کا انصاف اُس کے شوہر سے نہین دلوایا،

وہ مستغیث ہو کر آئی تھی ،، اب حضرت عمرؓ نے اس کو بلوا بھیجا اور کہا کہ یہ کہتے ہین کہ تم کو یہ شکایت ہے کہ تمھارا شوہر تم سے تعلق نہین رکھتا، اس نے کہا سچ ہے ،، حضرت عمرؓ نے اس کے شوہر کو بلوا بھیجا، اور حضرت کعبؓ سے اصرار کیا کہ تمھین نے اس مقدمہ کو سمجھا ہے اور تمھین اس کا فیصلہ کرو انھون نے فیصلہ کیا تو اس قدر خوش ہوئے کہ ان کو بصرہ کا قاضی مقرر کر دیا[۱]،

قضاۃ کی ذمہ داریون کا احساس حدیث شریف مین آیا ہے،

من ولی القضاء فقد ذبح بغیر سکین — جو شخص قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا (ابوداؤد کتاب القضاء)

اس حدیث کی بنا پر بعض صحابہ جو بہت زیادہ محتاط تھے، وہ سرے سے عہدۂ قضا ہی کو قبول نہین کرتے تھے، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو قاضی مقرر کرنا چاہا تو انھون نے صاف انکار کر دیا[۲]، لیکن جن صحابہ کو اس عہدے کے قبول کرنے سے انکار نہ تھا وہ بھی شدت کے ساتھ اس کی ذمہ داریون کو محسوس کرتے تھے، حضرت ابوالدرداءؓ بیت المقدس کے قاضی تھے، ایک بار انھون نے حضرت سلمانؓ فارسی کو لکھا کہ بیت المقدس مین تشریف لایئے، لیکن انھون نے لکھا کہ زمین کسی کو مقدس نہین بنا سکتی، انسان کو صرف اس کا عمل مقدس بناتا ہے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم طبیب (قاضی) مقرر کئے گئے ہو، اگر تم سے لوگ شفایاب ہون تو کیا کہنا ورنہ اگر جعلی طبیب ہو تو کسی انسان کو مار کر دوزخ مین نہ داخل ہو، حضرت ابوالدرداءؓ پر اس خط کا یہ اثر پڑا کہ مقدمہ فیصل ہونے کے بعد فریقین واپس جانے تھے تو احتیاطاً بلا کر دوبارہ اظہار لیتے[۳] تھے،

عدل و انصاف خلفاء مقدمات کے فیصل کرنے مین کسی قسم کی رعایت کو جائز نہین رکھتے تھے، ایک بار حضرت عمرؓ حضرت زیدؓ بن ثابت کے یہان خود فریق مقدمہ بنکر آئے تو انھون نے ان کو اپنے پاس بٹھانا

---

[۱] اسد الغابہ تذکرۂ حضرت کعب بن سور [۲] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۶۶ [۳] موطائے امام مالک کتاب الاقضیہ باب جامع القضاء،

چاہا لیکن انھون نے کہا کہ یہ پہلا ظلم ہے جو تم نے کیا، مین اپنے فریق کے ساتھ بیٹھون گا۔

ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہ کے یہان ایک مہمان آیا اور انھون نے اس کو کئی دن تک مہمان رکھا لیکن ایک دن جب وہ فریق مقدمہ ہوکران کے سامنے حاضر ہوا، تو بولے اب آپ تشریف لیجایئے ہم فریق کو صرف فریق کے ساتھ ٹھہرا سکتے ہین[۲]،

ایک بار ایک یہودی اور ایک مسلمان کا مقدمہ پیش ہوا، حضرت عمرؓ نے یہودی کے حق مین فیصلہ کیا تو وہ بیساختہ بول اٹھا "آپ نے انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا[۳]"،

رشوت ستانی کی روک ٹوک

حضرت عمرؓ نے صیغۂ عدالت قایم کیا تو رشوت ستانی کے انسداد کے لیے سخت بندشین قایم کین اور عام طور پر تمام حکام کو لکھ بھیجا،

اجعلوا الناس عندکم فی الحق سواء قریبهم کبعیدهم وبعیدهم کقریبهم وایاکم والرشی[۴]

انصاف مین تمام لوگون کو برابر سمجھو، قریب و بعید مین فرق و امتیاز نہ کرو اور رشوت سے بچو،

اس کے ساتھ قضاۃ کی بیش قرار تنخواہین مقرر کین اور قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص معزز اور دولتمند نہ ہو وہ قاضی نہ مقرر کیا جائے اس کی وجہ یہ لکھی کہ دولتمند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے مین کسی کے رعب و داب کا اثر نہ پڑیگا،

علانیہ رشوت خواری کے علاوہ بہت سے مخفی طریقے ہین جن کے ذریعہ سے رشوت دیجا سکتی ہے مثلاً حکام کو اگر تجارت کی اجازت دیجائے تو وہ اس کے ذریعہ سے بہت کچھ ذاتی فوائد حاصل کرسکتے ہین ہدیہ بھی رشوت خواری کا ایک مہذب ذریعہ بن سکتا ہے، اور بنتا ہے، حضرت عمرؓ نے ان تمام طریقون کا سد باب کیا، چنانچہ قاضی شریح کو جب قضاءت کے عہدے پر مامور کیا تو فرمایا

---

[۱] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۴ [۲] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۷، [۳] موطاے امام مالک، کتاب الاقضیہ باب الترغیب فی القضاء بالحق، [۵] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۴،

لاتشتر ولا تبع ولا ترتش[1] نہ کچھ خریدو، نہ کچھ بیچو، اور نہ رشوت لو،

ہدیہ کی طرف ایک واقعہ کے اثر سے ان کی توجہ مبذول ہوئی، ایک شخص معمولاً ہر سال ان کی خدمت مین اونٹ کی ایک ران ہدیۃً بھیجا کرتا تھا، ایک بار وہ فریق مقدمہ ہو کر دربار خلافت مین حاضر ہوا تو کہا کہ امیر المومنین! ہمارے مقدمہ کا ایسا دو ٹوک فیصلہ کیجئے جس طرح اونٹ کے ران کی بوٹیان ایک دوسرے سے جدا کی جاتی ہین، حضرت عمرؓ اس ناجائز اشارے کو سمجھ گئے اور اسی وقت تمام عمال کو لکھ بھیجا کہ ہدیہ نہ قبول کرو کیونکہ وہ رشوت ہے[2]،

ماہرین فن کی شہادت مقدمات مین شہادت کی توثیق و اعتبار کا ایک بڑا ذریعہ یہ ہے کہ ماہرین فن کی شہادت لی جائے یعنے جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا ہے اس کے متعلق اس فن کے ماہرین کا اظہار لیکر فیصلہ کیا جائے، حضرت عمرؓ نے اس اصول پر نہایت کثرت سے عمل کیا، ایک بار حطیہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو کہی اور اس نے دربار خلافت مین مقدمہ دائر کیا، تو حضرت عمرؓ نے پہلے حسان بن ثابتؓ سے مشورہ لیا، اس کے بعد حطیہ کو سزا دی[3]،

ایک بار ایک بیوہ عورت نے عدت کے دن گذار کے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا، لیکن وہ پہلے سے حاملہ تھی، اس لئے دوسرے شوہر کے پاس ساڑھے چار مہینے کے بعد اس کے بچہ پیدا ہوا، حضرت عمرؓ کی خدمت مین معاملہ پیش ہوا تو انھون نے زمانہ جاہلیت کی پرانی عورتون کا اظہار لیا اور انھون نے اس کی ایک ایسی معقول وجہ بیان کی جس سے عورت بے قصور ثابت ہوئی اسلئے حضرت عمرؓ نے بچہ کو پہلے شوہر کی طرف منسوب کیا اور دونون میان بی بی سے کہا "اس مین تمھارا کوئی قصور نہ تھا" ایک اور مقدمہ پیش ہوا جس مین دو شخص ایک بچے کے باپ ہونے کے مدعی تھے، اس کی نسبت حضرت عمرؓ نے ایک قیافہ شناس کا اظہار لیا[4]،

---

[1] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۰، [2] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۰، [3] اسد الغابہ تذکرہ زبرقان بن بدر [4] موطائے امام مالک کتاب الاقضیہ باب الشہادات

تحریری فیصلے اس زمانہ کے تمدن کے لحاظ سے اگرچہ مقدمات کا فیصلہ نہایت سادہ طور پر کیا جاتا تھا اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تمام مقدمات کے فیصلے لکھے جاتے تھے تاہم تفحص و جستجو سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے اہم مقدمات کے فیصلے لکھے جاتے تھے جو آیندہ چل کر فریق مقدمہ کے کام آتے تھے چنانچہ ایک دفعہ حضرت رباب بن حذیفہ نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کے بطن سے تین اولاد پیدا ہوئی ان کے مرنے کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے جو ان کے عصبہ تھے ان تمام بچوں کو شام بھیجدیا اور وہ وہاں جاکر مر گئے، ان کے بعد وراثت کے متعلق نزاع ہوئی تو حضرت عمرؓ نے عصبہ کو وراثت دلوائی اور ایک تحریر لکھوا دی جس میں تین شخص یعنے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت زید بن ثابتؓ اور ایک اور شخص کے دستخط بطور شاہد کے ثبت تھے، چنانچہ ایک موقع پر جب ان لوگوں میں نزاع ہوئی تو عبدالملک نے اسی تحریر کے مطابق فیصلہ کیا،[1]

حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے مقابلہ میں صفایائے نبوی کی نسبت جو فیصلہ کیا تھا وہ بھی ایک شخص کے پاس لکھا ہوا محفوظ تھا،[2]

اخلاق کا اثر مقدمات پر مقدمات کی کثرت و قلت کو ایک بہت بڑا اخلاقی معیار قرار دیا جاسکتا ہے، جس ملک جس قوم اور جس خاندان کی اخلاقی حالت نہایت پست ہو جاتی ہے اس میں ذرا ذرا سی بات پر نزاع ہوتی ہے، مقدمات اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ہر معاملہ کی نسبت لوگ جھوٹی سچی شہادت دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، چنانچہ ایک بار جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون لوگ بہتر ہیں تو آپ نے فرمایا،

قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یجی قوم یتبدر شھادة احدھم یمینہ و یمینہ شھادتہ (مسلم کتاب...)

سب سے بہتر زمانہ میرا ہے، پھر صحابہ کا، پھر تابعین کا، اسکے بعد ایک ایسی قوم پیدا ہوگی جو شہادت سے پہلے قسم کھائیگی،

---

[1] ابوداود کتاب الفرائض باب فی الولاء۔ [2] ابوداود کتاب الخراج والامارة باب فی صفایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور قسم سے پہلے شہادت دیگی،

لیکن صحابہ کرام کے زمانے تک جھوٹی شہادت ایک ایسا جرم خیال کی جاتی تھی کہ لوگ بچون کو اس سے بچنے کی ہدایت کرتے تھے، اسی حدیث مین ہے،

قال ابراھیم کانوا ینھوننا ونحن غلمان عن العھد والشھادات

ابراہیم کہتے ہین کہ بچپن مین لوگ ہم کو شہادت اور عہد سے منع کرتے تھے،

ایکبار عراق کا ایک شخص حضرت عمرؓ کی خدمت مین حاضر ہوا اور کہا کہ مین ایک ایسے معاملہ کے لئے آیا ہون جس کا نہ تو سر ہے، نہ دم، ہمارے ملک مین جھوٹی شہادتون کا رواج ہو چلا ہے، حضرت عمرؓ نے نہایت تعجب سے کہا کہ ہان ایسا ہے[1]"

مقدمات کی قلت کا یہ حال تھا کہ حضرت سلمان بن ربیعہ باہلی جو کوفہ کے قاضی تھے انکی نسبت ابووائل کا بیان ہے کہ مین مستقل چالیس دن تک ان کے پاس آتا جاتا رہا لیکن ان کے یہان کسی فریق مقدمہ کو نہیں دیکھا[2]،

[1] موطائے امام مالک کتاب الاقضیہ باب الشہادت [2] اسد الغابہ تذکرہ سلمان بن ربیعہ باہلی،

صیغۂ محاصل و خراج

فتوحات کا سلسلہ اگرچہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانۂ خلافت مین شروع ہو گیا تھا لیکن خراج کا باقاعدہ نظام حضرت عمرؓ کے عہد خلافت مین قایم ہوا چنانچہ سب سے پہلے عراق کی فتح کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی تو بہت سے صحابہ نے کہا کہ مال غنیمت کی طرح زمین اور جائداد مین بھی مجاہدین پر تقسیم کر دی جائین لیکن حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ اگر زمین بھی تقسیم کر دی گئی تو آیندہ نسل کے لئے کیا رہ جائیگا؟ سرحد کی حفاظت کیونکر ہو سکیگی؟ تیمیون اور بیواون کی پرورش کا کیا انتظام ہوگا؟ اس غرض سے انھون نے تمام قدما مہاجرین کو مشورہ کے لئے جمع کیا اور ان لوگون مین حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عثمانؓ، اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے مخالف گروہ کی تائید کی، بالآخر حضرت عمرؓ نے ایک عام اجلاس کیا جس مین شرفائے انصار سے دس، اوس سے پانچ، اور خزرج سے پانچ بزرگ شریک ہوئے، حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر ایک نہایت پُر زور تقریر کی اور سب نے ان کی رائے سے اتفاق کر لیا[۱]،

اس مرحلہ کے طے ہو جانے کے بعد حضرت عمرؓ نے بند و بست کی طرف توجہ کی اور صحابہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس خدمت کے لئے کون موزون ہے؟ تمام صحابہ نے حضرت عثمان بن حنیفؓ کا نام لیا اور کہا کہ وہ اس سے بھی اہم خدمات کے انجام دینے کی قابلیت رکھتے ہین[۲]. حضرت عمرؓ نے پانچ درہم اور ایک جراب آٹا روزانہ کے حساب سے تنخواہ مقرر کی، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کو ان کا

[۱] کتاب الخراج صفحہ ۱۴، [۲] استیعاب تذکرہ حضرت عثمان بن حنیف،

شریک کار مقرر فرمایا[1] اور حکم دیا کہ ٹیلون، جنگلون، گڈھون، اور ان زمینون کی جن کی آب پاشی ناممکن ہے پیمایش نہ کی جائے اور ناقابل برداشت جمع نہ تشخیص کی جائے، اس اصول کے مطابق ان بزرگون نے پیمایش کا کام ختم کیا تو کل رقبہ طول مین تین سو چھتر[2] میل اور عرض مین ۲۵۰ میل یعنی کل تینتیس[3] ہزار میل مکسر ٹھہرا، اس مین پہاڑ، صحرا اور نہرون کو چھوڑ کر قابل زراعت زمین تین کرور ساٹھ لاکھ جریب نکلی، خاندان شاہی کی جاگیر، آتش کدون کے اوقاف، لاوارثون، مفرورون اور باغیون کی جائداد، دریابرآورد، جنگل اور ان زمینون کو جو سڑکون کی تیاری اور ڈاک کے مصارف کے لیے مخصوص تھین حضرت عمرؓ نے خالصہ قرار دیا[2] باقی تمام زمینین مالکان قدیم کے قبضے مین دے دی گئین، اور ان پر حسب ذیل مالگذاری مقرر کی گئی،

گیہون	فی جریب یعنے پون بیگہ پختہ	دو درہم سالانہ
جو	”	ایک درہم سالانہ
نیشکر	”	چھ درہم سالانہ
روئی	”	پانچ درہم سالانہ
انگور	فی جریب یعنے پون بیگہ پختہ	دس درہم سالانہ
نخلستان	”	”
تل	”	آٹھ درہم سالانہ
ترکاری	”	تین درہم سالانہ

جمع تشخیص ہو گئی تو دونون بزرگون کو بلا کر پوچھا کہ تم نے جمع سخت تو تشخیص نہین کی؟ انھون نے کہا، "ابھی تو اس مین اضافہ کی اور بھی گنجایش ہے،، بولے" پھر غور کر لو جمع ناقابل برداشت

[1] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۷۴، [2] فتوح البلدان صفحہ ۲۷۱،

تو تشخیص نہین کی گئی،، انھون نے کہا "نہین" آپ فرمایا کہ اگر زندہ رہا تو اپنے بعد عراق کی بیواؤن کو کسی دوسرے کا محتاج نہ ہونے دونگا،

خراج کی تشخیص مین سب سے زیادہ عادلانہ طریقہ یہ اختیار کیا کہ ذمی رعایا سے اس مین مشورہ لیا، چنانچہ انھون نے عراق کا بندوبست کرنا چاہا تو مشورہ کے لئے وہان سے دو چودھری طلب کئے جن کے ساتھ ایک ترجمان بھی تھا، اسی طرح مصر کے عامل کو لکھا کہ خراج کے معاملے مین مقوقس سے رائے لو، زیادہ واقفیت کے لئے ایک واقف کار قبطی کو مدینہ مین طلب فرمایا اور اس کا اظہار لیا۔[1]

عراق کے سوا حضرت عمرؓ نے اور کسی صوبے کی پیمایش نہین کرائی، البتہ قدیم طریقۂ بندوبست مین جہان جہان غلطی دیکھی اس کی اصلاح کر دی، مثلاً مصر سے رومی خراج کے علاوہ غلے کی ایک مقدار کثیر وصول کرتے تھے جو سلطنت کے ہر صوبے مین فوج کی رسد کے لئے روانہ کیجاتی تھی اور خراج مین محسوب نہین ہوتی تھی، حضرت عمرؓ نے یہ دونون جابرانہ طریقے موقوف کر دیئے،

زمینداری اور ملکیت کے متعلق انھون نے سب سے بڑی اصلاح یہ کی کہ زمینداری کے متعلق قدیم جابرانہ قانون کو بالکل مٹا دیا، مثلاً جب رومیون نے شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام اراضیات اصلی باشندون کے قبضہ سے نکال کر ارکین دربار کو دیدین، کچھ خالصہ قرار دیا اور کچھ گرجون پر وقف کر دین، لیکن حضرت عمرؓ نے اس قاعدہ کو مٹا کر یہ قاعدہ بنا دیا کہ مسلمان کسی حالت مین ان زمینون پر قابض نہین ہو سکتے، یعنے اگر قیمت دے کر بھی خریدنا چاہین تو نہین خرید سکتے، یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا، چنانچہ لیث بن سعد نے مصر مین کچھ زمین خریدی تو بڑے بڑے پیشوایانِ مذہبی مثلاً امام مالکؒ، نافع بن یزید وغیرہ نے ان پر سخت اعتراض کیا، حضرت عمرؓ نے صرف اسی پر اکتفا نہین کیا بلکہ تمام فوجی افسرون کے نام حکم بھیج دیا کہ لوگو

[1] بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمانؓ [2] مقریزی ج ا ص ۷۴، ۷۵، [3] مقریزی ص ۲۹۵

کے روزینے مقرر کر دیئے گئے ہین، اس لئے کوئی شخص زراعت نہ کرنے پائے، چنانچہ شریک غطفی نامی ایک شخص نے مصر مین کچھ زراعت کر لی تو حضرت عمرؓ نے بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ "تجھکو ایسی سزا دونگا جو دوسرون کے لئے عبرت انگیز ہوگی"[1]

ایک دفعہ عبد اللہ بن الحر العنسی نے شام مین کھیتی کی اور حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو اس کی کل جائداد برباد کروادی[2]،

بندوبست کے ساتھ حضرت عمرؓ نے زرعی زراعت کی طرف خود توجہ کی اور لوگون کو توجہ دلائی ایک مرتبہ ایک شخص سے پوچھا تمھارا وظیفہ کیا ہے؟ اس نے کہا ڈھائی ہزار، فرمایا قبل اس کے کہ قریش کے لونڈے سر برآرا ے حکومت ہون کھیتی کرلو ورنہ ان کے بعد وظیفہ کوئی چیز نہ رہجائیگا[3]، عام حکم دیدیا کہ جو افتادہ زمینین ہین، ان کو جو شخص آباد کر لیگا اس کی ملک ہو جائینگی لیکن اگر کوئی شخص تین برس کے اندر آباد نہ کرے تو اس کے قبضہ سے نکل جائینگی،

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو ایک قطعہ بطور جاگیر کے دیا تھا لیکن انھون نے اس کو آباد نہین کیا تو حضرت عمرؓ نے اس کو ان کے قبضے سے نکال لیا[4]، اس طرح ان کے زمانے مین زرعی پیداوار مین اس قدر اضافہ ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک صدقۂ فطر مین صرف جو، کھجور، اور منقیٰ وغیرہ دیا جاتا تھا، لیکن جب ان کے عہد خلافت مین گیہون کی پیداوار مین غیر معمولی اضافہ ہوا تو انھون نے ان چیزون کے عوض نصف صاع گیہون مقرر کر دیا[5]،

وصولی خراج کا طریقہ وصولی خراج مین حضرت عمرؓ نے سب سے زیادہ آسانی یہ پیدا کی کہ خود رعایا کو اختیار دیا کہ وہ وصولی خراج کے لئے بہترین اشخاص منتخب کر کے دربار خلافت مین روانہ کرے

---

[1] حسن المحاضرہ جلد اصفحہ ۶۰، [2] اصابہ تذکرہ عبد اللہ بن الحر العنسی، [3] ادب المفرد باب الاجل مؤلا اہلہ [4] وفاء الوفا صفحہ ۱۹۰، [5] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب کم یودی فی صدقۃ الفطر،

چنانچہ کوفہ والون نے عثمان بن فرقد کو، شام والون نے معن بن یزید کو، بصرہ والون نے حجاج بن علاط کو، منتخب کرکے بھیجا اور حضرت عمرؓ نے ان کو عامل خراج مقرر کردیا[1]، خراج وصول ہوکر آیا تھا تو دس ثقہ آدمی کوفہ سے، اور اسی قدر بصرہ سے طلب کرتے تھے اور ان کا حلفیہ اظہار لیتے تھے کہ مالگذاری کسی ذمی یا مسلمان پر ظلم کرکے تو نہین لی گئی ہے[2]،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی وصولی خراج مین نہایت نرمی اختیار کی، چنانچہ ایک بار کسی عامل کو وصولی خراج کے لیے مقرر فرمایا تو یہ وصیتین کین،

لاتضربن رجلا سوطا فی جبایة درهم	کسی شخص کو، مالگذاری کے وصول کرنے مین کوڑا نہ
ولا تبیعن لهم رزقا ولا کسوة شتاء ولا	مارو اور نہ انکی روزی، ان کے گرمی اور جاڑے کے کپڑے
صیف ولا دابة تعملون علیها ولا تقیمن	اور بار برداری کے جانور نہ لو اور کسی کو کھڑا
رجلا قائما فی طلب درهم	نہ کرو،

اس نے کہا تو اے امیرالمومنین! یہ کہیئے کہ مین یون ہی خالی ہاتھ واپس آؤن" فرمایا یہ بھی سہی، ہم کو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ فاضل مال سے مالگذاری وصول کرین[3]،

جزیہ جزیہ بھی خراج کی طرح نہایت نرمی کے ساتھ وصول کیا جاتا تھا جو لوگ اپاہج اور بیکار ہوجاتے تھے ان کا جزیہ معاف کردیا جاتا تھا اور ان کو بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا چنانچہ یہ قاعدہ حضرت ابوبکرؓ ہی کے زمانہ مین مقرر ہوگیا تھا اور حضرت عمرؓ نے بھی اس کو قایم رکھا، ذمیون کو کسی قسم کی اذیت دیکر جزیہ وصول کرنے کی اجازت نہ تھی ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ دھوپ مین کھڑا کرکے کچھ لوگون کے سر پر زیتون کا تیل ڈالا جارہا ہے، وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ جزیہ ادا نہ کرنے کے جرم مین یہ سزا دی جارہی ہے، فرمایا ان کو چھوڑ دو رسول اللہ صلی اللہ

[1] کتاب الخراج صفحہ ۷۸ [2] کتاب الخراج صفحہ ۶۵ [3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ،

علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو لوگ دنیا مین بندون کو تکلیف دیتے ہین خدا قیامت مین ان کو عذاب دیگا[۱]

عشر غیر قومون سے ایک اور تجارتی ٹیکس لیا جاتا تھا، جس کا نام عشر تھا، یہ اسلام کی کوئی جدید ایجاد نہ تھی بلکہ جاہلیت ہی کے زمانے مین اس کا رواج تھا، اور حضرت عمرؓ نے اسی کو قائم رکھا[۲]

اس کے وصول کرنے کا طریقہ نہایت آسان تھا، کسی کے اسباب کی تلاشی نہین لی جا سکتی تھی، دو سو درہم سے کم قیمت مال پر کچھ نہین لیا جاتا تھا، شام کے نبطی چونکہ گیہون کی تجارت کرتے تھے اس لئے حضرت عمرؓ ان سے نصف عشر لیتے تھے کہ مدینہ مین اس کی درآمد زیادہ ہو[۳]،

زکوٰۃ و عشور زکوٰۃ کے وصول کرنے مین بھی ہر قسم کی آسانیان ملحوظ رکھی جاتی تھین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمال کو حکم دیا تھا کہ زکوٰۃ مین بہترین مال نہ لیا جائے، خلفائے راشدینؓ بھی نہایت شدت کے ساتھ اس حکم کی پابندی کرتے تھے، ایک بار حضرت عمرؓ نے اموال صدقہ مین ایک بڑے تھن والی بکری دیکھی تو فرمایا کہ "اس کے مالک نے اس کو بخوشی نہ دیا ہوگا، اس طرح مسلمانون کو نہ بدکاؤ"[۴]،

دیوان، دفتر، بیت المال جزیہ، خراج، عشور اور زکوٰۃ سے جو رقم وصول ہوتی تھی حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک علی السویہ تمام مسلمانون پر تقسیم ہو جاتی تھی لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے مین جب باقاعدہ نظام سلطنت قایم ہوا تو اس کے لئے دیوان، دفتر، اور بیت المال قائم کیا گیا، خراج کا دفتر جیسا کہ قدیم زمانہ مین فارسی، شامی اور قبطی زبان مین تھا حضرت عمرؓ کے زمانے مین بھی قائم رہا کیونکہ ابھی تک اہل عرب نے اس فن مین اسقدر ترقی نہین کی تھی کہ یہ دفتر عربی زبان مین منتقل ہو سکتا،

---

[۱] موطائے امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب عشور اہل الذمہ [۲] موطائے امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب عشور اہل الذمہ [۳] موطائے امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب عشور اہل الذمہ [۴] موطائے امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب النہی عن التضییق علی الناس فی الصدقہ،

بیت المال کے رجسٹر نہایت صحت اور تفصیل کے ساتھ مرتب کئے جاتے تھے، چنانچہ صدقہ و زکوٰۃ کے مویشی آتے تھے توان کے رنگ، حلیہ، اور سن تک لکھے جاتے تھے[۱]، بیت المال مین جو رقم جمع ہوتی تھی اس کا ایک بڑا حصہ مسلمانون کے وظیفے مین صرف ہو جاتا تھا جن کے سالانہ وظائف علی قدر مراتب حسب ذیل تھے،

شرکائے غزوۂ بدر	پانچ ہزار درہم سالانہ
مہاجرین حبش اور شرکائے غزوۂ اُحد	چار ہزار درہم سالانہ
مہاجرین قبل از فتح مکہ	تین ہزار درہم 〃
جو لوگ فتح مکہ مین اسلام لائے	دو ہزار درہم 〃
جو لوگ جنگ قادسیہ اور یرموک مین شریک تھے	دو ہزار درہم 〃
اہل یمن	چار ہزار درہم 〃
قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین	تین سو درہم 〃
بلا امتیاز مراتب	دو سو درہم 〃

ان لوگون کے اہل و عیال بلکہ غلامون کے وظائف بھی مقرر تھے، چنانچہ مہاجرین وانصار کی بیویون کا وظیفہ دو سو سے چار سو درہم تک اور اہل بدر کے اولاد ذکور کا وظیفہ دو دو ہزار درہم مقرر تھا، ان مصارف کے بعد صوبجات اور اضلاع کے بیت المال مین جو رقم بچ جاتی تھی وہ مدینہ منورہ کے بیت المال مین بھیجدی جاتی تھی[۲]، جن لوگون کو وظیفے ملتے تھے ان کے نام مع ولدیت درج رجسٹر ہوتے تھے[۳] اور ان کی ترتیب کے لئے بڑے بڑے قابل لوگ مثلاً حضرت عقیل بن ابی طالب، مخرمہ بن نوفل اور جبیر بن مطعم وغیرہ مامور تھے،

---

[۱] اسد الغابہ تذکرہ حضرت فاروق رضی ۔ [۲] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۳۲۷ بحوالہ ابن سعد ۔ [۳] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۳۱،

پبلک ورک

یا

نظارت نافعہ

اصطلاحی حیثیت سے اگرچہ اس صیغہ مین صرف نہرین، سرکاری عمارتین، پل، بند، شفاخانے اور کنوئین وغیرہ داخل ہین، لیکن ہم نے اس مین صحابۂ کرام کے اوقاف وصدقاتِ جاریہ کو بھی شامل کرلیا ہے، کیونکہ اوقاف وصدقات کا مقصد بھی رفاہ عام کے سوا کچھ نہین ہوتا۔

کنوئین | رفاہ عام کی چیزون مین اگرچہ کنوئین اب نہایت معمولی درجے کی چیز خیال کیے جاتے ہین، لیکن عرب مین وہ نہایت گران قیمت چیز سمجھے جاتے تھے، اسی بناپر حدیث مین آیا ہے کہ "سب سے اچھا صدقہ پانی ہے"، اسلام مین رفاہ عام کے کامون کی ابتدا سب سے پہلے اسی صدقہ جاریہ سے ہوئی، چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو مدینہ مین آب شیرین کی نہایت قلت محسوس ہوئی، آب شیرین کا صرف ایک کنوان تھا جس کا نام بیررومہ تھا اس لئے آپنے تمام مسلمانون کی طرف خطاب کرکے کہا کہ اپنے لئے اور تمام مسلمانون کے لئے اس کو کون خریدتا ہے، ؟ حضرت عثمانؓ کو یہ سعادت نصیب ہوئی اور انھون نے اس کو اپنے صلب مال سے خرید کر تمام مسلمانون پر وقف کردیا۔

لہ نسائی کتاب الاحباس۔

حضرت عثمانؓ نے اور بھی متعدد کنوئین، مثلاً بیر سائب، بیر عامر، بیر اریس، کھدوائے اور مسلمانون پر وقف کئے۔[1]

اس کے بعد اور صحابہ نے بھی متعدد کنوئین کھدوائے، حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوئے اور پوچھا کہ ان کے لئے کون سا صدقہ بہتر ہوگا؟ ارشاد ہوا "پانی" چنانچہ انھون نے مان کی یادگار مین ایک کنوان کھدوا دیا،[2] مدینہ مین ایک اور کنوان جس کا نام بیر ملک تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے وقف تھا،[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب صحابۂ کرام کے سر پر خلافت الٰہی کا تاج رکھا گیا تو اس صدقہ جاریہ کی طرف اور بھی توجہ ہوئی اگرچہ ہم کو یہ معلوم نہین کہ اس زمانے مین کتنے کنوئین کھودے گئے تاہم بعض واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفاء کو اس کا نہایت اہتمام تھا معجم البلدان ذکر تبوک مین ہے کہ وہان ایک کچا کنوان تھا جو ہمیشہ گر گر پڑتا تھا، حضرت عمرؓ کے حکم سے ابن عریقض نامی ایک یہودی نے اس کو پختہ کرا دیا۔

چوکیان اور سرائین

عرب کے لوگ اکثر سفر کیا کرتے تھے، بالخصوص سال مین ایک بار تمام عرب کو حج کا احرام باندھنا پڑتا تھا، باایں ہمہ راستہ مین مسافرون کے آرام و آسایش کا بہت کم سامان تھا لیکن خلفاء کے عہد مین مسافرون کے آرام و آسایش کے تمام سامان مہیا ہوگئے چنانچہ جو لوگ راستے مین مسافرون کو پانی پلایا کرتے تھے، انھون نے حضرت عمرؓ سے اجازت طلب کی اور مکہ اور مدینہ کے درمیان سرائین بنوانا چاہین، حضرت عمرؓ نے اس شرط پر اجازت دی کہ مسافر پانی اور سایہ کے سب سے زیادہ مستحق ہونگے۔[4]

شاہ ولی اللہ صاحب کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسی سلسلہ مین متعدد کنوئین بھی کھدوائے اور جو کنوئین پٹ گئے تھے ان کو صاف کروایا۔[5]

---

[1] وفاء الوفاء ص ۴۴ [2] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی فضل سقی الماء لیکن نسائی کتاب الاحباس مین ہے کہ انھون نے بطور صدقہ کے متعدد باغ وقف کیے تھے [3] وفاء الوفاء ص ۵۸ [4] فتوح البلدان ص ۶۰ [5] ازالۃ الخفاء

انھون نے مکہ اور مدینہ کے درمیان ایسے اشخاص بھی مقرر کیۓ جو گم گشتگان قافلہ کو سیراب راستون سے لیجاکر منزل مقصود تک پہونچا آتے تھے[۱]۔

مہمان خانے اول اول حضرت عمرؓ نے مسافرون کے لئے کوفہ مین ایک مہمان خانہ قایم کیا، فتوح البلدان مین ہے،

امر عمر ان یتخذ لمن یرد من الآفاق دارا فکانوا ینزلونها[۲]

حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ جو لوگ اطراف ملک سے مسافرانہ وارد ہوتے ہین ان کے لیے ایک مہمان خانہ قایم کیا جاۓ، چنانچہ جو مسافر آتے تھے اسی مہمان خانے مین اوترتے تھے،

اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے کوفہ مین ایک اور مہمان خانہ قایم کیا جس کی وجہ یہ ہوئی کہ باہر سے جو لوگ تجارت کا غلہ لیکر آتے تھے وہ عموماً پرائیوٹ مکانون مین قیام کرتے تھے اس غرض سے بعض فیاض طبع لوگون نے یہ انتظام کیا تھا کہ بازار مین منادی کروا دیتے تھے کہ جس کے قیام کا بندوبست نہ ہو وہ ہمارے مکان مین قیام کرسکتا ہے حضرت عثمانؓ کو خبر ہوئی تو انھون نے ان لوگون کے لئے ایک مہمان خانہ قایم کر دیا[۳]، اسی طرح مصر مین بھی حضرت عثمان بن قیس نے ایک مہمان خانہ قایم کیا[۴]،

حوض اور نہرین صحابہؓ کرام نے رفاہ عام کی غرض سے جابجا مکہ اور مدینہ مین بہ کثرت حوض اور چشمے تیار کرائے، حضرت عثمانؓ نے حضرت عبد اللہ بن عامرؓ کو بصرہ کا عامل مقرر فرمایا تو انھون نے عرفات مین بہت سے حوض بنوائے اور متعدد نہرین جاری کین[۵]، حمی فید کے پاس حضرت عثمانؓ نے ایک نہر کھدوائی جس کا نام بین النخل تھا[۶]، حضرت علیؓ نے بھی متعدد نہرین وقف عام کی تھین، چنانچہ مقام ینبع مین ان کے ذاتی ملک مین بہت سی چھوٹی چھوٹی نہرین تھین، انھون نے سب کو

---

[۱] مقریزی جلد اول صفحہ ۱۶۲ [۲] فتوح البلدان صفحہ ۲۸۶ [۳] طبری صفحہ ۲۸۴۳ [۴] حسن المحاضرۃ جلد ۱ صفحہ ۹۲ [۵] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبد اللہ بن عامرؓ [۶] خلاصۃ الوفا ص، ۲۵،

وقف عام کر دیا[1]۔ اسی طرح اور دو نہرون کو انھون نے فقرائے مدینہ پر وقف کر دیا تھا، چنانچہ ایک بار حضرت امام حسینؓ پر قرض ہو گیا تو حضرت امیر معاویہؓ نے ایک نہر کے بدلے دو لاکھ دینار دینا چاہے، مگر انھون نے کہا کہ مین اپنے باپ کا وقف فروخت کرنا نہین چاہتا[2]،

حضرت امیر معاویہؓ کو نہرون کے جاری کرنے کا خاص اہتمام تھا، خلاصۃ الوفا رمین ہے،

کان بالمدینۃ الشریفۃ وما حولہا عیون کثیرۃ وکان لمعاویۃ اہتمام بہذا الباب[3] — مدینہ شریف اور اس کے متصل بکثرت نہرین تھین، اور حضرت امیر معاویہؓ کو اس باب مین خاص اہتمام تھا،

حضرت امیر معاویہؓ نے جو نہرین جاری کرائین ان مین نہر کظامہ، نہر ازرق[4]، نہر شہدا[5] وغیرہ کا نام وفار الوفار اور خلاصۃ الوفار مین مذکور ہے، حضرت امیر معاویہؓ نے پہاڑون کی بعض گھاٹیون کے گرد بند بندھوا کر ان کو بھی تالاب کی صورت مین بدل دیا تھا، جس مین پانی جمع ہوتا تھا[6]،

خلفا، کے علاوہ اور صحابہ نے بھی پانی کے چشمے وقف عام کئے تھے، مثلاً حضرت طلحہؓ نے ایک چشمہ خرید کر راہیون پر وقف کر دیا تھا[7]،

نہر سعد — مکہ اور مدینہ کے علاوہ صحابۂ کرام نے مختلف شہرون مین نہرین جاری کین، انبار الون کو مدت سے ایک نہر کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی چنانچہ اس کے لئے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت مین ان لوگون نے حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ سے درخواست کی تو انھون نے حضرت سعد بن عمروؓ بن حرام کو اس کام پر مامور کیا، انھون نے بڑے اہتمام سے کام جاری کیا لیکن کچھ دور پہونچ کر بیچ مین ایک پہاڑ آگیا، اس لئے کام وہین تک پہونچ کر رک گیا، بعد کو حجاج نے اس کی تکمیل کی لیکن الفضل للمتقدم کی بنا پر یہ نہر حضرت سعد بن عمروؓ ہی کے نام سے مشہور ہوئی[8]،

---

[1] وفار الوفا ص ۳۹۳ [2] معجم ذکر عین ابی نیزر [3] خلاصۃ الوفا صفحہ ۲۳۷ [4] وفار الوفار صفحہ ۱۱۴ [5] خلاصۃ الوفار صفحہ ۳۷۰ [6] خلاصۃ الوفار صفحہ ۲۴۷ [7] وفار الوفار صفحہ ۱۲۳ [8] وفار الوفار صفحہ ۳۰ [9] فتوح البلدان صفحہ ۲۸۳

نہر ابی موسیٰ | بصرہ والوں کو آب شیرین کی سخت تکلیف تھی، ایک بار ان کا ایک وفد حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور وفد کے ایک ممبر یعنی احنف بن قیس نے نہایت پر اثر تقریر میں حضرت عمرؓ کو اس طرف توجہ دلائی، حضرت عمرؓ نے اسی وقت حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام ایک تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ والوں کے لئے ایک نہر کھدوا دی جائے، چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اس نہر کو دجلہ سے نکالکر نہر ابلہ سے ملا دیا، آخر میں اس کا کچھ حصہ پٹ گیا لیکن حضرت عبد اللہ بن عامر بن کریز نے جو حضرت عثمانؓ کی جانب سے بصرہ کے گورنر تھے اس کی مرمت و اصلاح کروا دی[1]،

نہر معقل | یہ نہر بھی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کے حکم سے بصرہ میں کھدوائی، چونکہ اس کی تیاری کا کام حضرت معقلؓ کے سپرد کیا گیا تھا اس لئے انہی کے نام سے مشہور ہو گئی، حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں زیاد نے دوبارہ اس نہر کو کھدوایا اور تبرکاً حضرت معقلؓ ہی سے اس کا افتتاح کروایا افتتاح کرنے کے بعد ایک آدمی کو ہزار درہم دیئے اور کہا کہ "دجلہ کے کنارے گھوم اور اگر ایک شخص بھی اس نہر کو زیاد کی نہر کہتا ہوا ملے تو اس کو یہ رقم دیدو"، لیکن بچے بچے کی زبان سے معقل کا نام سنکر اس نے کہا ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء[2]

نہر امیر المومنین | ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو حضرت عمرؓ نے تمام صوبوں سے غلہ منگوایا، لیکن شام و مصر سے چونکہ خشکی کا راستہ بہت دور تھا، اسلیے غلہ کی روانگی میں کسی قدر دیر ہوئی، ان وقتوں کی بنا پر حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو طلب کیا اور کہا کہ "اگر دریائے نیل سمندر سے ملا دیا جائے تو عرب میں قحط و گرانی کا کبھی اندیشہ نہ ہو ورنہ خشکی کی راہ سے غلہ کا آنا دقت سے خالی نہیں" حضرت عمرو بن العاصؓ نے پلٹ کر فوراً کام شروع کرادیا اور ایک سال میں یہ نہر بنکر تیار ہو گئی، یہ تفصیل حسن المحاضرہ میں ہے[3]، لیکن طبری میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے تمام امراء و عمال

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۶۵ [2] فتوح البلدان صفحہ ۳۶۶ [3] حسن المحاضرہ سیوطی جلد ا صفحہ ۷۸،

کے نام غلہ کے لئے تحریری حکم بھیجا تو خود حضرت عمرو بن العاصؓ نے جواب مین لکھا کہ پہلے بحر شام بحر عرب مین گرتا تھا لیکن رومیون اور قبطیون نے اس کو بند کردیا، اگر آپ چاہتے ہین کہ مصر کی طرح مدینہ مین بھی غلہ کا نرخ ارزان ہو تو مین اس غرض سے نہر تیار کرا کے اس پر پل بند ہوا دون" مصر والون نے اگرچہ اپنے ذاتی مصالح کی بنا پر بہت کچھ واویلا کیا لیکن حضرت عمرؓ نے اس معاملہ مین کسی کی نہ سنی، چنانچہ جب یہ نہر بنکر تیار ہوئی تو عرب ہمیشہ کے لے قحط کی مصیبت سے نجات پا گیا،[۱]

حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے مین بھی بعض نہرین تیار ہوئین مثلاً انھون نے عبید اللہ بن زیاد کو خراسان کا گورنر مقرر کرکے بھیجا تو اس نے جبال بخارا کو کاٹ کر ایک نہر نکالی[۲] انہی کے زمانے مین حکم بن عمرو نے ایک نہر جاری کی جس کا افتتاح نہ ہو سکا،[۳]

زرعی نہرین | حضرت عمرؓ کے زمانے مین زرعی ترقی کا جو مستقل انتظام ہوا اس کے سلسلہ مین انھون نے نہایت اہتمام کے ساتھ آب پاشی کے لئے نہرین کھدوائین چنانچہ خاص مصر مین ایک لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ سال بھر اس کام مین لگے رہتے تھے اور ان کے تمام مصارف بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے،[۴]

حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے مین اس صیغہ کو اور بھی زیادہ ترقی ہوئی ان کے زمانے مین صرف مدینہ اور اس کے آس پاس جو زرعی نہرین تھین ان کے ذریعہ سے ڈیڑھ لاکھ وسق خرما اور ایک لاکھ وسق گیہون پیدا ہوتا تھا،[۵]

بند | مکہ مین جو چار مشہور سیلاب مختلف زمانون مین آئے ان مین ایک سیلاب جو ام نہشل کے نام سے مشہور ہے، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت مین آیا اور مسجد حرام تک پہونچ گیا حضرت عمرؓ نے نیچے اوپر دو بند بندھوائے جس نے مسجد حرام کو سیلاب کی زد سے محفوظ رکھا،[۶]

---

[۱] طبری صفحہ ۲۵۷۷ [۲] طبری صفحہ ۱۶۹ واقعات ۵۳ھ [۳] طبری صفحہ ۱۵۲ واقعات ۵۰ھ [۴] حسن المحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۶۳ [۵] خلاصۃ الوفاء صفحہ ۲۳، [۶] فتوح البلدان صفحہ ۶۰

مدینہ میں ایک چشمہ تھا جس کا نام نہر ور تھا۔ حضرت عثمان رضؓ کے زمانے میں اس میں طغیانی آئی اور تمام مدینہ ڈوب گیا اس لئے انھوں نے اس سے بچنے کے لئے ایک بند بندھوایا۱؎۔

پل اور سڑک خلفاء کے زمانے میں مفتوحہ قوموں سے جو معاہدہ صلح ہوتا تھا اس میں تمام شرائط کے ساتھ یہ شرط بھی کرلی جاتی تھی کہ سڑکوں اور پلوں کا بنانا ان کے متعلق ہوگا، چنانچہ کتاب الخراج میں ایک معاہدہ کا یہ فقرہ نقل کیا ہے،

وبناء القناطر علی الانھار من اموالھم۲؎ — نہروں پر ان کو اپنے صرف سے پل باندھنا ہوگا،

تاریخ طبری واقعات ۱۶؁ھ میں ایک معاہدہ کے حسب ذیل فقرے نقل کئے ہیں،

فکان الفلاحون للطرق والجسور، والاسواق والحرث والدلالۃ۳؎ — کاشتکاروں کا یہ فرض قرار دیا گیا کہ سڑکیں بنائیں پل باندھیں بازار لگائیں کھیتی کریں اور مسلمانوں کو راستہ بتائیں،

سرکاری عمارتیں سرکاری عمارتوں کی ابتدا حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوئی اور سرکاری کاموں کے لئے جس قدر عمارتوں کی ضرورت ہوتی ہے غالباً کل وجود میں آگئیں،

دار الامارۃ صوبجات اور اضلاع کے حکام کے لئے دار الامارۃ تعمیر کئے گئے جو گویا اس زمانے کے گورنمنٹ ہاوس تھے حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں غالباً سب سے پہلے بصرہ کا دار الامارۃ تیار ہوا چنانچہ جب عتبہ بن غزوان نے فوجی ضرورت سے بصرہ کو آباد کیا تو اس کے ساتھ مقام دہنا میں جس کو اب رحبہ بنی ہاشم کہتے ہیں سادہ طور پر ایک مسجد، ایک جیلخانہ اور ایک دار الامارۃ بھی تعمیر کروایا، بصرہ اول اول گویا چھپروں کا مجموعہ تھا، لیکن بعد کو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کچے

۱؎ فتوح البلدان صفحہ ۱۱ ۲؎ کتاب الخراج صفحہ ۸۰ ۳؎ طبری صفحہ ۲۴۷۰ ۴؎ لیکن علامہ سیوطی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ خود بیت المال کے مصارف سے بھی پل وغیرہ بنوائے جاتے تھے چنانچہ حسن المحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۶۳ میں لکھتے ہیں۔
کانت فریضۃ مصر لحفر خلجھا واقامۃ جسورھا وبناء قناطرھا وقطع جزائرھا مائۃ الف وعشرین الفا معھم الطور والمساحی والآلۃ یعتقبون ذلک لا یدعون ذلک شتاء ولا صیفا۔

مکانات بنوائے تو دارالامارۃ کو بھی کچی اینٹ سے تعمیر کروایا اور چھت گھاس سے پٹوائی حضرت امیر معاویہؓ نے زیاد کو بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا تو اس نے مسجد مین بہت کچھ اضافہ کیا اور دارالامارۃ کو ہٹا کر مسجد کے سامنے قبلہ رخ کر دیا اور اس کی عمارت پہلے سے بھی زیادہ مستحکم بنوائی[1]،

اس کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کوفہ کو آباد کیا تو اس کے ساتھ دارالامارۃ بھی تعمیر کرایا زیاد نے اس کی عمارت بھی دوبارہ مستحکم طور پر بنوائی[2]،

مکہ مین ایک نہایت قدیم یادگار تھی جس کو دارالندوہ کہتے تھے یہ عمارت قریش کا گویا دارالامارۃ تھی جس مین وہ تمام اہم قومی معاملات کا فیصلہ کرتے تھے، اخیر مین حضرت امیر معاویہؓ نے اس کو خرید کر دارالامارۃ بنا دیا[3]،

| جیل خانے | حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت مین متعدد جیل خانے بنوائے اول اول مکہ معظمہ

مین صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خرید کر کے جیلخانہ بنوایا[4] پھر اور اضلاع مین بھی جیلخانے بنوائے، بصرہ کا جیلخانہ عتبہ بن غزوان نے تعمیر کروایا تھا جو بالکل دارالامارۃ کے متصل تھا، کوفہ کا جیلخانہ بانس یا نرسل سے بنا تھا[5]،

| غلہ خانے | معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے تمام سرکاری ضروریات کے لئے الگ الگ مکانات

تعمیر کروائے تھے ہم کو تاریخون مین دارالدقیق اور دارالرقیق کا اکثر نام ملتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیدیان جنگ کے رہنے کے لئے کوئی مستقل مکان تعمیر کیا گیا تھا اسی طرح سرکاری آٹا کسی مستقل عمارت مین رکھا جاتا تھا عام الرمادۃ مین مدینہ کی بندرگاہ جار پر جو غلہ آتا تھا اس کے رکھنے کے لئے حضرت عمرؓ نے دو بڑے بڑے محل بنوائے تھے[6]،

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۵۵ [2] فتوح البلدان صفحہ ۲۸۸ [3] فتوح البلدان صفحہ ۵۹ [4] مقریزی جلد دوم صفحہ ۱۸۷ [5] فتوح البلدان صفحہ ۲۷۸ [6] یعقوبی صفحہ ۱۷۷،

بیت المال اگرچہ ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت مین بیت المال قایم ہو چکا تھا لیکن درحقیقت حضرت عمرؓ نے اس کے لیے مستقل اور شاندار عمارتین تعمیر کروائین چنانچہ کوفہ کا بیت المال ایک عظیم الشان محل کی صورت مین تعمیر ہوا تھا جس کے لئے شاہان فارس کی عمارت سے اینٹین منگائی گئی تھین اور جس کو روزبہ ایک مشہور مجوسی معمار نے تیار کیا تھا[1]۔

بازار صحابۂ کرام کے عہد خلافت مین اگرچہ عرب کے تمام قدیم بازار مثلاً عکاظ، ذوالمجنہ وغیرہ قایم تھے تاہم خود صحابۂ کرام نے بھی متعدد بازار قایم کئے چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت مین کوفہ آباد ہوا تو ایک کھلی ہوئی جگہ بازار کے لیے مخصوص کر لی گئی[2]۔

مصر فتح ہوا تو حضرت عمرو بن العاص نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ ہم مسجد جامع کے متصل آپ کے لئے ایک مکان تعمیر کرنا چاہتے ہین" انھون نے لکھا کہ "مین تو حجاز مین ہون اور میرے لئے مصر مین مکان تعمیر ہوگا؟ اس جگہ ایک بازار قایم کر دو چنانچہ وہ بازار قایم کیا گیا اور اس مین غلام فروخت کئے جاتے تھے[3]۔

حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن عامرؓ کو بصرہ کا عامل مقرر فرمایا تو انھون نے بہت سے مکانات خرید کر منہدم کر وا دیئے اور اس جگہ ایک بازار قایم کیا[4]۔

شفاخانے اگرچہ ہم کو اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ حفظان صحت کا نہایت خیال رکھتے تھے، چنانچہ ایک بار بصرہ کے باشندون نے شکایت کی کہ ہمارا گانون وبائی امراض مین مبتلا رہتا ہے، تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس کو چھوڑ دو' ان لوگون نے کہا "وہ ہمارا وطن ہے" حضرت عمرؓ نے عرب کے مشہور طبیب حارث بن کلدہ سے کہا کہ اب کیا تدبیر ہے؟ اس نے کہا کہ "زمین مرطوب ہے اور

---

[1] طبری صفحہ ۲۴۸۹ [2] طبری صفحہ ۲۴۹۱ [3] حسن المحاضرہ جلد اوّل صفحہ ۵۹

[4] اسد الغابہ تذکرۂ حضرت عبداللہ بن عامرؓ

وہان پسّو اور مچھر بہت لگتے ہین جو وبار کا سبب ہین اس لیے ان لوگون کو قرب وجوار مین نکل جانا چاہیے، گھی اور کراث کھانا چاہیے، خوشبو لگانا چاہیے، ننگے پانؤن نہ چلنا چاہیے، دن کو سونا نہ چاہیے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان کو ان تدبیرون پر عمل کرنے کا حکم دیا[1]، اور اگرچہ ہم کو اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد مین بکثرت اطبار موجود تھے اور ان سے وہ کام لیتے تھے[2] چنانچہ حضرت معیقیب دوسیؓ کو جذام ہوا تو ان کے علاج کے لئے انھون نے مختلف اطبار بلوائے[3] لیکن باینہمہ جہان تک ہم کو معلوم ہے حضرت عمرؓ اور دوسرے خلفار نے شفاخانے کے لئے کوئی عمارت تعمیر نہین کروائی۔

چھاؤنیان اور قلعے | صحابہ کرام کے عہد مین چونکہ فتوحات کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا اس لئے بکثرت فوجی چھاؤنیان اور بکثرت قلعے تعمیر ہوئے عام دستور یہ تھا کہ جب کوئی غیر محفوظ یا ساحلی مقام فتح ہوتا تھا تو وہان بقدر ضرورت فوج متعین کردی جاتی تھی جس سے ہر قسم کی شورش و بغاوت کا سدباب ہوجاتا تھا[4] لیکن ان عارضی انتظامات کے علاوہ مستقل فوجی چھاؤنیان قایم کی گئین اور تمام ساحلی مقامات قلعون سے مستحکم کئے گئے چنانچہ حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ مین شام کا سفر کیا تو تمام سرحدی مقامات کا دورہ کرکے فوجی چھاؤنیان قایم کروائین، ساحلی مقامات کا مستقل انتظام کیا اور حضرت عبداللہ بن قیس کو اس کا افسر کل مقرر فرمایا[5]، ۱۹ھ مین جب یزید بن سفیان کا انتقال ہوا تو اس کے بھائی معاویہ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی کہ سواحل شام کے استحکام کی زیادہ ضرورت ہے، حضرت عمرؓ نے فوراً حکم بھیجا کہ تمام قلعون کی مرمت کی جائے اور ان مین فوجین رکھی جائین، جتنے دریائی مناظر ہین ان مین پہرہ دینے والے متعین کئے جائین اور ہمیشہ آگ روشن رکھنے کا سامان کیا جائے، حضرت عمرؓ نے مصر وغیرہ مین بھی اس قسم کی بکثرت چھاؤنیان قایم کین، حضرت عثمانؓ نے اس کو اور ترقی دی اور متعدد قلعے اور چھاؤنیان بنوائین، ایک گانؤن جس کا نام

[1] خلاصۃ الوفار صفحہ ۲۰۷ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت معیقیب دوسی [3] فتوح البلدان صفحہ ۱۳۴ [5] طبری صفحہ ۲۵۲۳

جسر منبج تھا موسم گرما مین فوج کے قیام کے لئے آباد کرایا[1] اور جو لوگ ساحلی قلعون مین اقامت گزین ہونا پسند کرتے تھے ان کو جاگیرین عطا کین[2]، حضرت امیر معاویہؓ کو بحریات کا بہت زیادہ خیال تھا چنانچہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت مین طرابلس فتح ہوا تو حضرت امیر معاویہؓ نے ایک بڑا قلعہ بنوایا جس کا نام حصن سفیان رکھا، اس قلعہ کے تعمیر ہونے سے ہر قسم کے بحری حملہ کا اندیشہ جاتا رہا[3]،

لاذقیہ، جبلہ، اور انطرطوس کو حضرت ابو عبیدہؓ نے فتح کیا تو قدیم دستور کے موافق حفاظت کے لئے کچھ فوجین متعین کر دین لیکن حضرت امیر معاویہؓ نے تمام ساحلی استحکامات کے ساتھ یہان بھی قلعے تعمیر کرائے[4]

جزیرہ روڈس فتح ہوا تو حضرت امیر معاویہؓ نے یہان بھی ایک قلعہ تعمیر کروایا[5]،

حضرت امیر معاویہؓ نے بحری استحکامات کے علاوہ خاص اہل مدینہ کے لئے بھی ایک قلعہ بنوایا جس کا نام قصر خل تھا[6]،

مقبرہ | حضرت عمرؓ نے جبل مقطم پر جو مصر مین واقع ہے مسلمانون اور عیسائیون کا الگ الگ مقبرہ تعمیر کروایا، چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت عبداللہ بن حارث زبیدیؓ حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی، حضرت عقبہ بن عامرؓ اسی مقبرے مین مدفون ہوئے[7]،

حمام | مصر مین اگرچہ بہ کثرت حمام تھے، لیکن وہ نہایت گندہ و نجس رہتے تھے، اس لئے حضرت عمرو بن العاصؓ نے ایک چھوٹا سا حمام تعمیر کروایا جس کو رومی حمام الفار یعنی چوہونکا حمام کہتے تھے[8]،

وصیت | نزع، کا عالم بھی عجیب کشمکش کا عالم ہوتا ہے ایک طرف تو آل و اولاد کی، ماں باپ کی، بھائی بند کی محبت دامن پکڑتی ہے دوسری طرف عالم قدس کی کشش گریبان گیر ہوتی ہے اس لئے

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۱۵۷، [2] فتوح البلدان صفحہ ۱۳۸ [3] فتوح البلدان صفحہ ۱۳۳ [4] فتوح البلدان صفحہ ۱۴۰

[5] فتوح البلدان صفحہ ۲۴۴ [6] وفاء الوفا صفحہ ۱۲۶ [7] معجم البلدان ذکر مقطم [8] حسن المحاضرہ جلد اول صفحہ ۵۵

دین و دنیا کی محبت کے موازنہ کے لئے اس سے بہتر زمانہ نہیں مل سکتا، اگر انسان دنیا کا شیدائی ہے،
تو وہ اپنا تمام مال و دولت صرف اعزہ واقارب کو تفویض کر دیتا ہے اور اگر وہ اپنا رشتہ خدا کے
ساتھ جوڑنا چاہتا ہے تو اپنی جائداد کا معظم ترین حصہ خدا کی راہ مین صرف کرتا ہے اور آل و اولاد کو
صرف اسی قدر دیتا ہے جس قدر ان کا حصہ اللہ تعالیٰ نے متعین کر دیا ہے، صحابۂ کرام اللہ تعالیٰ
کے صالح بندے تھے اس لئے وہ اس عالم مین جو کچھ دینے تھے خدا ہی کو دیتے تھے. آل و اولاد کا
صرف اسیقدر خیال رکھتے تھے جتنا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا، حضرت سعد بن ابی وقاص مرض الموت
مین بیمار ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لئے تشریف لائے تو عرض کی کہ یارسول اللہ!
میرے پاس دولت بہت ہے اور وارثا مین صرف ایک لڑکی ہے چاہتا ہون کہ دو ثلث مال صدقہ
کر دون، آپ نے اجازت نہین دی، بولے تو نصف" آپ نے فرمایا "نہین ثلث بہت ہے"[1]
حضرت سعد بن مالک بیمار ہوے اور آپ عیادت کے لئے تشریف لائے تو انھون نے
کہا مین خدا کی راہ مین اپنا کل مال دیتا ہون" فرمایا، بچون کے لئے کیا چھوڑتے ہو؟ بولے خدا کے
فضل سے وہ آسودہ حال ہین" آپ نے فرمایا "نہین، صرف دسوین حصہ کی وصیت کرو" انھون نے
بہت اصرار کیا تو آپ نے ثلث کی اجازت دی[2]،

اوقاف | غربت وافلاس، تنگدستی اور فاقہ مستی سب کچھ تھی. لیکن ان مین کوئی چیز صحابہ کو
انفاق فی سبیل اللہ سے باز نہین رکھ سکتی تھی، صدقہ وخیرات تو تمام صحابہ کے اعمال صالحہ
کا نمایان جزو تھا، اسی بنا پر قرآن مجید نے ان کی یہ مشترک خصوصیت بیان فرمائی ہے،

ومما رزقنٰھم ینفقون، — اور ہمارے دیئے ہوئے مین سے کچھ صرف کرتے ہین،

لیکن ان مین متعدد بزرگ ایسے تھے جو خدا کی راہ مین کچھ دینا نہین چاہتے تھے، بلکہ سب کچھ دینا

---

[1] ابوداؤد کتاب الوصایا باب ماجاء فیما یجوز للموصی فی مالہ [2] ترمذی کتاب الجنائز باب ماجاء فی الوصیۃ بالثلث والربع،

چاہتے تھے، مثلاً حضرت عمرؓ نے ایک بار خیبر میں ایک نہایت عمدہ قطعہ زمین پایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور کہا کہ میں نے ایک نہایت عمدہ جائداد پائی ہے اس کی نسبت کیا حکم ہے؟ ارشاد ہوا کہ اس کو خدا کی راہ میں وقف کردو، چنانچہ انھوں نے اسکو وقف کردیا،[۱] لیکن اس کے علاوہ انھوں نے اور بھی متعدد جائدادیں وقف کین جن کی تفصیل حسب ذیل ہے

ثمغ[۲] — ایک نخلستان تھا، جو اسلام کی تاریخ میں پہلا وقف تھا،

صرمہ ابن اکوع — باغ کے ساتھ باغبان بھی وقف تھا،

سو درخت — نسائی میں ہے کہ انھوں نے ان کو سو غلاموں کے بدلے خرید تھا

سو درخت — خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائے تھے،

حضرت عمرؓ نے اس وقف کے متعلق ایک وقف نامہ بھی لکھا تھا جس میں حضرت حفصہؓ کو متولی قرار دیا[۳] تھا،

حضرت سعد بن عبادہ کی والدہ نے انتقال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میری والدہ نے انتقال کیا اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو ثواب حاصل ہوگا؟ آپ نے فرمایا "ہاں" بولے تو ایک باغ ان کے نام پر وقف کرتا ہوں اور آپ کو گواہ بناتا ہوں[۴]

حضرت کعب بن مالک کی توبہ قبول ہوئی تو انھوں نے اس مسرت میں اپنی تمام جائداد وقف کرنا چاہی لیکن آپ کے اصرار سے خیبر کا حصہ اپنے لئے محفوظ رکھا،[۵]

جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی

من ذالذی یقرض اللہ قرضاً حسناً — وہ کون ہے جو خدا کو قرض حسنہ دیتا ہے،

۱؎ بخاری کتاب الوصایا باب الوقف ۲؎ بخاری کتاب الوصایا ۳؎ ابوداؤد کتاب الوصایا باب فی الرجل یوقف الوقف ۴؎ ابوداؤد کتاب الوصایا باب فیمن مات من غیر وصیۃ یتصدق عنہ و بخاری کتاب الوصایا ۵؎ ابوداؤد کتاب الایمان والنذور باب فیمن نذر ان یتصدق بمالہ،

تو حضرت ابو الدحداحؓ اپنے اہل وعیال کے ساتھ اپنے باغ میں مقیم تھے فوراً بی بی کے پاس آئے اور کہا کہ "ام دحداح باغ سے نکلو میں نے باغ خدا کو قرض دیدیا" یہ کہکر اُس کو مساکین وفقراء پر وقف کر دیا[1]

شہرون کی آبادی | صحابہ کرام نے جو جدید شہر آباد کرائے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے،

بصرہ۔ | خریبہ ایک غیر آباد مقام تھا جہان اکل وشرب کا کافی سامان موجود تھا وہان حضرت عتبہ بن غزوان آئے تو اس کو فوجی ضروریات کے لیے موزون خیال کیا اور حضرت عمرؓ سے اس کے آباد کرنے کی اجازت طلب کی انھون نے زمین کے نقشہ اور موقع ومحل سے اطلاع دی تو حضرت عمرؓ نے بھی اس کو پسند فرمایا اور ان کو اس کے آباد کرنے کی اجازت دی،

دوسری روایت مین ہے کہ حضرت عمرؓ نے عتبہ کو خود آٹھ سو آدمیون کے ساتھ روانہ کیا بہرحال عتبہ نے نرسل کے مکانات بنوائے اور ایک مسجد تعمیر کروائی، سرکاری کامون کے لیے قیدخانہ دار الامارۃ، اور دفتر بھی نرسل ہی کے تعمیر کردئے ایک مدت تک یہ حال رہا کہ جب لوگ جہاد کیلئے روانہ ہوتے تھے تو نرسل کو گرا کر ڈھیر لگا دیتے تھے پھر جب لوٹتے تھے تو اس کو مکان کی صورت مین ترتیب دے لیتے تھے، اس کے بعد لوگون نے الگ الگ مکانات بنوائے اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے مسجد اور دار الامارۃ کو کچی اینٹ سے تعمیر کروایا امیر معاویہؓ کے زمانے مین زیاد نے مسجد مین بہت کچھ اصلاح اور اضافہ کیا[2]

کوفہ | مدائن فتح ہوا تو وہان مسلمان آباد ہو گئے، اور مسجدین تعمیر کرلین لیکن آب وہوا ناموافق آئی تو حضرت سعد بن وقاصؓ نے حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی انھون نے لکھا کہ لوگ دوسری جگہ آباد کرائے جائین، کوفہ کی زمین جس کو اہل عرب خد العذراء یعنی عارض محبوب کہتے تھے اس غرض کے لیے انتخاب کی گئی، اور چالیس ہزار آدمیون کے رہنے کے لیے مکانات بنوائے گئے جن مین

[1] استیعاب تذکرہ حضرت ابو الدحداحؓ [2] فتوح البلدان از صفحہ ۳۴۵ تا ۳۵۸

یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے عمارتین اول اول نرسل کی بنی تھین لیکن ایک بار آتش زنی ہوئی تو حضرت عمرؓ کی اجازت سے اینٹ اور گارے کی عمارتین تیار ہوئین،

مسجد جامع کے علاوہ ہر قبیلے کے لئے الگ الگ مسجدین تعمیر ہوئین،

حضرت مغیرہ بنؓ شعبہ اور زیاد کے زمانے مین بھی کوفہ کی آبادی مین بعض تغیرات کئے گئے[1]

فسطاط اسکندریہ فتح ہوا تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے وہان مسلمانون کو آباد کرنا چاہا لیکن چونکہ اسکندریہ کے بیچ مین دریاے نیل حائل تھا جس کو حضرت عمرؓ ناپسند فرماتے تھے، اس لئے انھون نے اجازت نہین دی،

حضرت عمرو بن العاصؓ اسکندریہ کی فتح کے لئے روانہ ہوے تھے تو خیمہ کو خالی چھوڑ گئے تھے جو اسی طرح کھڑا رہا وہ پلٹ کر اسی خیمہ مین اترے اور وہین شہر کی بنیاد ڈالی اسی مناسبت کے لحاظ سے اس کا نام فسطاط پڑ گیا جس کے معنے خیمے کے ہین۔

قبائل مین باہم جگہ کے انتخاب مین نزاع واقع ہوئی تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے معاویہ بن خدیج، شریک بن سمی، عمرو بن مخزم اور جبرئیل بن ناشرہ معافری کو متعین کیا کہ ہر قبیلے کو مناسب مقامات پر آباد کرین[2] تمام قبائل نے دریا اور قلعے کے سامنے مویشیون کیلئے کچھ خالی زمین چھوڑ دی تھین لیکن امیر معاویہؓ کے عہد مین وہان بھی مکانات تعمیر ہو گئے[3]

موصل یہ شہر اگرچہ پہلے سے آباد تھا، لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے مین حضرت ہرثمہ بن عرفجہؓ نے ایک قلعہ، عیسائیون کے چند گرجے اور ان گرجون کے متصل کے چند مکان اور یہودیون کے ایک محلے کو ملا کر ایک مستقل شہر آباد کیا اور وہان ایک مسجد جامع بھی تعمیر کروائی[4]

[1] کوفہ کی آبادی کا حال معجم البلدان، فتوح البلدان اور طبری مین بہ تفصیل مذکور ہے [2] معجم ذکر فسطاط [3] حسن المحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۵۰ [4] فتوح البلدان صفحہ ۳۴۰،

جیزہ | حضرت عمرو بن العاصؓ اسکندریہ سے واپس آئے تو اس خیال سے کہ دشمن کہین دریا کی راہ سے چڑھ نہ آئے اس مقام پر تھوڑی سی فوج متعین کردی جس مین قبائل حمیر، ہمدان، آل رعین، ازد بن حجر، اور حبشہ کے لوگ شامل تھے لیکن جب امن وامان قائم ہوگیا تو انھون نے ان قبائل کو بلاکر فسطاط مین آباد کرنا چاہا مگر ان لوگون نے انکار کردیا، حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی تو انھون نے کہا کہ اچھا ان کے لئے ایک قلعہ بنا دیا جائے، ان لوگون نے اس کو بھی ناپسند کیا، اور کہا کہ "ہمارا قلعہ خود ہماری تلوار ہے" انہی لوگون کی مجموعی آبادی سے جیزہ نے ایک مختصر شہر کی صورت اختیار کرلی، پہلے ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے الگ آباد ہوا تھا، اس لیے بیچ بیچ مین زمین خالی تھی لیکن حضرت عثمانؓ کے زمانے مین جب کثرت سے اہل عرب یہان آئے تو ہر قبیلہ نے اپنے قبیلے کے آدمیون کو اپنی طرف کھینچا اس وجہ سے یہ خالی مقامات بھی آباد ہوگئے[1]

اردبیل | حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے مین حضرت اشعث بن قیسؓ والی آذربیجان نے اس شہر کو آباد کیا اور بہت سے عرب لاکر یہان بسائے اور ایک مسجد بھی تعمیر کی[2]،

مرعش | حضرت امیر معاویہؓ نے فوج کے لئے اس شہر کو آباد کرایا اور یزید کے زمانے تک آباد رہا، یزید کی موت کے بعد رومیون نے پیہم غارت گری شروع کی تو یہان کے باشندے اُجڑ کر دوسرے دوسرے مقامات پر آباد ہوگئے[3]،

قیروان | حضرت امیر معاویہؓ کے عہد مین سب سے بڑا شہر جو آباد ہوا وہ یہی تھا اس کی آبادی کی تاریخ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے معاویہ بن خدیج کندی کو معزول کرکے عقبہ بن نافع فہری کو افریقہ کا گورنر مقرر فرمایا تو انھون نے ایک فوج گران کے ساتھ حملہ کرکے افریقہ کے تمام بڑے بڑے شہر فتح کرلئے اور یہان سے لیکر افریقہ تک اسلام پھیل گیا، اس موقع پر حضرت عقبہؓ نے

---

[1] معجم ذکر جیزہ و حسن المحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۵۹، [2] فتوح البلدان صفحہ ۳۳۳، [3] فتوح البلدان صفحہ ۱۹۶،

اپنے تمام رفقاء کو جمع کر کے کہا کہ یہ لوگ مسلمان تو ہو جاتے ہیں . لیکن جب مسلمان یہاں سے واپس جاتے ہیں تو پھر مرتد ہو جاتے ہیں، اس لئے میری رائے یہ ہے کہ میں یہاں مسلمانوں کا ایک شہر آباد کر دوں" لوگوں نے ان کی رائے کو پسند کیا تو انھوں نے سب سے پہلے دارالامارۃ کی بنیاد ڈالی اور لوگوں نے اس کے گرد مکانات بنوائے، انھوں نے ایک جامع مسجد بھی تعمیر کروائی اور اس کے علاوہ اور مسجدیں بھی تعمیر ہوئیں[1]۔

حضرت امیر معاویہؓ نے اور بھی بعض شہر آباد کرائے مثلاً جزیرہ قبرس فتح ہوا تو وہاں مسجدیں تعمیر کرائیں، عرب کو لاکر بسایا اور ایک شہر آباد کیا جس کو یزید نے ویران کر دیا[2]۔

---

[1] معجم البلدان ذکر قیروان [2] فتوح البلدان ص ۱۶۰

تعزیر و حدود

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک مین اگرچہ بعض صحابہ پولیس کی خدمت پر مامور تھے تاہم اُس وقت تک پولیس کا کوئی محکمہ قایم نہین ہوا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے اس پر صرف اس قدر اضافہ کیا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو پہرہ داری کی خدمت پر مامور فرما دیا، اور بعض جرایم کی سزائین متعین کر دین، مثلاً حد خمر کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل نہایت مختلف تھا، ابو داؤد کی ایک روایت مین ہے کہ صحابۂ کرام آپ کی خدمت مین ایک شرابی کو پکڑ کر لائے، تو آپ نے تمام صحابہ کو حکم دیا کہ مارتے جاؤ، سب نے جوتے ڈنڈے اور کھجور کی شاخون سے مارنا شروع کیا، اخیر مین آپنے اس کے منھ مین خاک جھونک دی،[1]

لیکن ابو داؤد کی ایک دوسری روایت مین ہے کہ ایک شرابی جھومتا ہوا جا رہا تھا صحابۂ کرام نے اس کو آپ کی خدمت مین حاضر کرنا چاہا، وہ حضرت عباسؓ کے دروازے کے سامنے آیا تو ان سے لپٹ گیا، اور بھاگ نکلا، آپ کو خبر ہوئی تو ہنس پڑے اور کوئی سزا نہین دی،[2]

صحیح مسلم کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے ایک شرابی کو کھجور کی چھڑی سے ۴۰ ضرب[3] کی سزا دی، اور حضرت ابوبکرؓ نے اپنے دور خلافت مین اسی کو لازمی کر دیا، اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانے تک اسی پر

---

[1] ابو داؤد کتاب الحدود باب اذا تتابع فی شرب الخمر [2] ابو داؤد کتاب الحدود باب الحد فی الخمر [3] مسلم کتاب الحدود باب حد الخمر،

عمل درآمد ہوتا رہا۔[۱]

حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت مین بعض جدید جرائم بھی پیدا ہوئے، مثلاً حضرت خالد بن ولیدؓ نے ان کو لکھا کہ حوالی مدینہ مین ایک شخص . . . . مین مبتلا ہے، چونکہ اہل عرب کے لئے یہ ایک جدید جرم تھا، اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے تمام صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جلانے کی رائے دی اور تمام صحابہ نے اس پر[۲] اتفاق کیا،

تعزیر و حدود کے متعلق حضرت ابوبکرؓ کے زمانے مین اس سے زیادہ کچھ نہین ہوا، لیکن حضرت عمرؓ نے پولیس کا ایک مستقل محکمہ قایم کیا، اور اس صیغہ مین متعدد چیزین ایجاد فرمائین، مثلاً،

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک جیلخانے کی کوئی عمارت تعمیر نہین ہوئی تھی، لیکن حضرت عمرؓ نے جیلخانے بنوائے، اول اول مکہ معظمہ مین حضرت صفوان بن امیہؓ کا مکان چار ہزار درہم پر خرید ا اور اس کو جیلخانہ بنوایا،[۳] پھر اور اضلاع مین جیلخانے بنوائے، چنانچہ کوفہ کا جیلخانہ نرسل سے بنا تھا، معن بن زائدہ نے بیت المال سے کچھ روپیہ کا غبن کیا تو ان کو اسی جیلخانہ مین[۴] قید کیا گیا،

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک کسی کو سولی کی سزا نہین دی گئی تھی، لیکن حضرت عمرؓ نے بعض اشخاص کو سولی کی سزا دی، چنانچہ حضرت ام ورقہ بنت نوفلؓ کو ان کے غلامون نے قتل کر ڈالا، تو حضرت عمرؓ نے ان کو سولی کا حکم دیا، اور یہ پہلی سولی تھی جو مدینہ مین دی گئی،[۵] ایک ذمی نے بجبر ایک مسلمان عورت کی آبروریزی کی،

---

[۱] ابوداود کتاب الحدود باب اذا تتابع فی شرب الخمر، لیکن بخاری کتاب الحدود مین جو روایت ہے، وہ اس کے بالکل مخالف ہے، اس روایت کے الفاظ یہ ہین، کنا نوتی بالشارب علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامرۃ ابی بکر وصدر من خلافۃ عمر فنقوم الیہ بایدینا ونعالنا۔ [۲] الترغیب والترہیب جلد ۲ صفحہ ۱۱، الترہیب من اللواط بسند جید [۳] مقریزی جلد ۲ صفحہ ۱۸۷ [۴] فتوح البلدان صفحہ ۴۶۸ [۵] ابوداود کتاب الصلوۃ باب امامۃ النساء،

تو اس کو بھی سولی کی سزا دی اور فرمایا کہ ہم نے اس پر کوئی معاہدہ نہین کیا ہے[1]،

(۳) مجرمین کی گرفتاری کے لئے اعلان واشتہار دیا، چنانچہ جن غلامون نے حضرت ام ورقہؓ کو شہید کیا تھا وہ اعلان واشتہار ہی کے ذریعہ سے گرفتار ہو کر آئے تھے،

(۴) تعزیر وحدود کے لئے اشخاص متعین کئے جو مجرمین کو سزا دیتے تھے، اصابہ مین ہے کہ انھون نے حضرت عبد اللہ بن ملیکہ کو اقامت حدود کی خدمت پر مامور کیا تھا[2]،

(۵) جلاوطنی کی سزا اگرچہ اسلام مین کوئی جدید سزا نہ تھی، تاہم حضرت عمرؓ کے عہد مین اس پر اس کثرت سے عمل ہوا کہ گویا وہ ان کی اولیات مین قرار پائی،

لیکن ایک بار جب انھون نے ایک شخص کو جلاوطن کیا اور وہ شام مین جاکر عیسائی ہو گیا، تو اس وقت سے جلاوطنی کی سزا موقوف کر دی،

(۶) بعض سزائین سخت کر دین، مثلاً حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت مین شراب پینے کی سزا ۴۰ درے تھی، ان کے زمانے مین شراب نوشی کی کثرت ہوئی تو انھون نے صحابۂ کرام کے مشورے سے اسی درے کر دئے[3]،

(۷) احتساب کے متعلق جو کام ہین، مثلاً کوئی شخص بیع وشرا مین خدع وفریب نہ کرے، شراب علانیہ بکنے نہ پائے، کوئی شخص سڑک پر مکان وغیرہ نہ بنوانے پائے، ان کی طرف خاص طور پر توجہ کی، اگرچہ پتہ نہین چلتا کہ انھون نے احتساب کا کوئی مستقل صیغہ قایم کیا تھا، تاہم یہ صحیح طور پر معلوم ہے کہ انھون نے اس کام کے لئے افسر متعین کئے تھے، موطاے امام مالک مین ہے کہ انھون نے حضرت عبد اللہ بن عتبہؓ کو بازار کی نگرانی کے لئے مقرر فرمایا تھا، اور حضرت سائب بن

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۱۰۹، [2] اصابہ تذکرۂ عبید اللہ بن عبد اللہ بن ابی ملیکہؓ [3] بخاری کتاب المحاربین مین ہے ان عمر بن الخطابؓ غرب ثم لم تزل تلک السنۃ [4] مسلم کتاب الحدود باب حد الخمر،

یزیدؓ کو ان کا مددگار بنایا[1] تھا، ان کے علاوہ اور بھی متعدد اہلکار تھے، جو ناجائز تجارت کی رُک ٹوک کرتے تھے[2]،

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور خلافت مین یہ محکمہ اسی حالت مین قایم رہا، لیکن حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ مین زیاد نے اس صیغہ کو نہایت ترقی دی، اس نے چار ہزار آدمی پولیس مین بھرتی کئے، جن کے افسر عبد اللہ بن حصن تھے، پانچسو آدمی خاص طور پر مسجد کا پہرا دیتے تھے اور وہان سے کبھی نہین ٹلتے تھے، اس انتظام کا مقصد کچھ ہی کیون نہو، تاہم اس کی وجہ سے ملک کے امن و امان مین اس قدر ترقی ہوئی کہ کوئی شخص اگر راستہ مین کوئی گری پڑی چیز پا جاتا تھا، تو لاکر براہ راست اس کے مالک کے حوالے کرتا تھا، زیاد خود کہتا تھا کہ "اگر کوفہ اور خراسان کے درمیان ایک رسی بھی گم ہو جائے تو مجھکو اس کے لینے والے کے نام کی خبر ہو جائیگی" ایک دن اس نے ایک گھر مین گھنٹے کی آواز سنی، پوچھا تو معلوم ہوا کہ لوگ پہرہ دے رہے ہین، بولا اس کی ضرورت نہین، اگر کوئی مال چوری جائیگا تو مین اس کا ضامن ہون،،

اس کے زمانے مین عشا کی نماز کے بعد اگر کوئی شخص گھر سے نکلتا تھا تو قتل کر دیا جاتا تھا[3]، حضرت امیر معاویہؓ نے اس محکمہ مین ایک جدید ایجاد یہ کی کہ مشتبہ چال چلن کے لوگون کی جانچ پڑتال کروائی، اور ان کے نام لکھوائے، چنانچہ انھون نے دمشق مین حضرت ابو الدرداؓ کے نام حکم بھیجا تھا کہ وہان کے بدمعاشون کے نام لکھ بھیجو[4]،

صحابۂ کرام کے عہد خلافت مین پولیس کے محکمہ مین عہد بعہد جو ترقیان ہوئین یہ اس کی سادہ تاریخ ہے، اب ہم کو اس پر اخلاقی اور مذہبی حیثیت سے نگاہ ڈالنی چاہیے کیونکہ صحابۂ کرام کے دور خلافت

---

[1] موطاے امام مالک کتاب البیوع، [2] موطاے امام محمدؒ باب الشرکۃ فی البیوع [3] طبری صفحہ واقعات ۴۵ھ [4] ادب المفرد باب الظن،

کا طغراے امتیاز صرف سیاست نہین، بلکہ اخلاق و مذہب ہے،

پولیس کا محکمہ اخلاقی اور مذہبی روح کی سب سے بڑی قربانگاہ ہے لیکن صحابۂ کرام نے اپنے دور خلافت مین اس کو اخلاقی اور مذہبی روح کی سب سے بڑی نمایشگاہ بنا دیا تھا اور جہان کہین سیاست اور اخلاق مین باہم تصادم ہوتا تھا وہان اخلاق کو سیاست پر مقدم رکھتے تھے، ایک بار ایک مجرم نے حضرت عمرؓ کے سامنے اقرار کیا کہ اس نے اپنی بی بی کے ساتھ ایک شخص کو ملوث پایا، اس لئے دونون کو قتل کر دیا، حضرت عمرؓ نے اپنے عامل کو لکھا کہ قصاص لیا جائے، لیکن مخفی طور پر ہدایت کی کہ دیت لیکر مجرم کو چھوڑ دیا جائے[1]،

اللہ تعالی نے قرآن مجید مین خاص طور پر تجسس کی ممانعت فرمائی ہے،

لاتجسوا ولایغتب بعضکم بعضاً	عیوب کی جستجو مین نہ رہو، اور تم مین ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے،

بالخصوص امراء و عمال کے لئے تو حدیث شریف مین خاص طور پر تجسس کی ممانعت آئی ہے،

قال ان الامیر اذا ابتغی الریبة فی الناس افسدھم،[2]	امیر اگر لوگون کی برائیان ڈھونڈھیگا تو ان کو خراب کر دے گا،

ہمارے زمانے مین اگر اسپر عمل کیا جائے تو دفعۃً پولیس کا نظام درہم برہم ہو جائے لیکن صحابۂ کرام کے عہد مین حدود اللہ سے آگے کیونکر قدم بڑھایا جا سکتا تھا؟ اس لئے انھون نے پولیس کے فرائض بھی انجام دیئے اور اس آیت پر بھی عمل کیا،

ایک بار لوگ حضرت عبد اللہؓ بن مسعود کی خدمت مین ایک شرابی کو پکڑ لائے، اور کہا کہ اس کی ڈاڑھی سے شراب ٹپک رہی ہے بولے ہم کو تجسس کی ممانعت کیگئی ہے ہم صرف

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ ہانی بن حرام [2] ابو داود کتاب الادب باب فی النہی عن التجسس،

ظاہری باتون پر دار وگیر کرتے ہین[۱]،

حضرت ابو محجن ثقفیؓ شراب کے سخت عادی تھے، ایک بار حضرت عمرؓ کی خدمت مین آئے اور ان کو محسوس ہوا کہ انھون نے شراب پی ہے، لوگون سے کہا ان کا مونھ تو سونگھو، لیکن سب نے کہا یہ تجسس ہے، آپ کو اس کی ممانعت کی گئی ہے، حضرت عمرؓ فوراً رک گئے[۲]

ایک بار حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے ساتھ رات کو پہرہ دینے نکلے، ایک جگہ چراغ کی روشنی نظر آئی، پاس جاکر دیکھا کہ ایک گھر کا دروازہ بند ہے، اور اندر لوگ شور وشغب کر رہے ہین، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے فرمایا کہ "یہ لوگ شراب پی رہے ہین، تمھاری کیا رائے ہے؟" بولے "اللہ تعالی نے ہم کو تجسس کی ممانعت فرمائی ہے اس لئے وہان سے فوراً واپس آئے[۳]"

ایک بار حضرت عقبہ بن عامرؓ کے پرائیوٹ سکرٹری نے ان سے کہا کہ میری پڑوسی شراب پیتے ہین، مین نے ان کو منع کیا، لیکن نہین مانتے، اب مین پولیس کو بلاتا ہون" بولے جانے بھی دو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جو لوگ عیوب پر پردہ ڈالتے ہین وہ گویا زندہ درگور لڑکی کو جلا لیتے ہین[۴]،

پولیس بجبر جرائم کا اقرار کرواتی ہے، لیکن صحابۂ کرام کے سامنے لوگ خود جرائم کا اقرار کرتے تھے، اور وہ ان سے انکار کرواتے تھے، ایک بار ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت مین آکر کہا کہ "مین نے چوری کی ہے" انھون نے پہلی بار ڈانٹا دوسری بار اس نے پھر اقرار کیا، تو بولے تم نے خود اپنے اوپر کامل شہادت دیدی، ایک بار ایک عورت نے حضرت عمرؓ کے سامنے چار بار زنا کا اقرار کیا تو بولے اگر وہ انکار کردیتی تو ہم اس پر حد نہ جاری کرتے[۵]"

---

[۱] ابوداود کتاب الادب باب فی النہی عن التجسس [۲] اصابہ تذکرہ ابومحجن ثقفی [۳] اصابہ تذکرہ ربیعہ بن امیہ [۴] ابوداود کتاب الادب باب فی الستر علی المسلم [۵] کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف صفحہ ۱۰۳،

پولیس کا محکمہ عفو و درگذر کا مذبح ہے، لیکن صحابہ کرام اکثر مجرمین سے عفو و درگذر فرماتے تھے، حضرت عمرؓ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ نہایت سخت تھے، لیکن ایک بار حضرت حاطبؓ کے غلامون نے کسی کی اونٹنی چرائی اور اس کو ذبح کر ڈالا، حضرت عمرؓ کی خدمت مین مقدمہ پیش ہو تو انھون نے پہلے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، پھر فرمایا "یہ بھوکون مرجائین گے، اس لئے اس کا تاوان دلوا دیتا ہون" اونٹنی کے مالک سے پوچھا کہ اس کی قیمت کیا تھی؟ وہ اس نے کہا چار سو درہم ملتے تھے، مگر مین نہین فروخت کرتا تھا، حضرت عمرؓ نے آٹھ سو درہم دلوا کر غلامون کو رہا کر دیا[1]،

یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام اگر ذرا سا بھی حیلہ پا جاتے تھے، تو سزا نہین دیتے تھے، بیت المال اگرچہ خلیفہ وقت کی ذمہ داری اور حفاظت مین رہتا ہے تاہم چونکہ وہ مسلمانون کا مشترکہ خزانہ ہے اس لئے اس مین بہرحال یہ احتمال قایم رہتا ہے کہ اگر اس مین کسی نے تصرف کیا ہوگا تو اپنا حق سمجھ کر کیا ہوگا، اس بنا پر جب کوفہ کے بیت المال مین چوری ہوئی تو حضرت عمرؓ نے مجرم کا ہاتھ نہین کاٹا[2]، غلام اور آقا کے مال مین بھی یہی اشتباہ قایم رہتا ہے، اس لئے جب ان کے سامنے ایک شخص نے اپنے غلام کو پیش کیا کہ اس نے میری بی بی کا آئینہ چرایا ہے جس کی قیمت ۶۰ درہم تھی تو حضرت عمرؓ نے اس کو یہ کہکر رہا کر دیا کہ تمھارا غلام تھا اور تمھارا ہی مال چرایا[3]،

عام الرمادہ مین جب تمام عرب سخت قحط مین مبتلا تھا، تو عام حکم دیا تھا کہ کسی چور کے ہاتھ نہ کاٹے جائین، لیکن باوجود اس عفو و درگذر کے جب جرم ثابت ہو جاتا تھا اور تمام حیلون کی رگ کٹ جاتی تھی، تو کوئی چیز صحابۂ کرام کو اقامت حدود سے باز نہین رکھ سکتی تھی، ان معاملات مین انسان فطرۃً ذاتی تعلقات سے متاثر ہوتا ہے، لیکن صحابۂ کرام کی اخلاقی طاقت نے

---

[1] موطاے امام مالک کتاب الاقضیہ باب القضاء فی الضواری والحریسۃ [2] کتاب الخراج للقاضی ابو یوسف صفحہ ۱۰۴، [3] موطاے امام مالک کتاب الحدود باب ما لا قطع فیہ،

اللہ تعالی کی راہ سے اس سنگ گران کو بالکل ہٹا دیا تھا،

ولید حضرت عثمانؓ کے بھائی اور کوفہ کے گورنر تھے، انھون نے ایک بار شراب پی اور تحقیقات کرنے پر جرم ثابت ہوا تو حضرت علی کرم اللہ وجہ کو حکم دیا کہ ان کو اسّی کوڑے لگائیں[1]

حضرت قدامہ بن مظعونؓ بڑے رتبے کے صحابی اور حضرت عمرؓ کے سالے تھے، انھون نے شراب پی تو حضرت عمرؓ نے ان پر حد جاری کرنی چاہی، تمام صحابہ نے اس کی مخالفت کی تو انھون نے فرمایا،

لان یلقی اللہ تحت السیاط احب	اگر وہ کوڑون کے نیچے مر جائین تو یہ مجھے گوارا ہے؛
الی ان القاہ وھو فی عنقی ایتو نی	لیکن یہ گوارا نہین کہ مین خدا سے ملون اور اس کی
بسوط تام،	ذمہ داری میری گردن پر ہو، لاؤ مضبوط کوڑا،[2]

یہود نے اقامت حدود مین رذیل و شریف کے درمیان سخت ناگوار تفریق قائم کر رکھی تھی لیکن صحابۂ کرام نے اس مین ہمیشہ عزیز و ذلیل کو برابر سمجھا، صحابۂ کرام مین سب سے زیادہ معزز خود خلیفۂ وقت تھا، لیکن اگر اس سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا تھا تو رعایا کا ہر فرد اس کی پیٹھ پر کوڑا مار سکتا تھا، ایک بار حضرت ابوبکرؓ نے اعلان فرمایا کہ مین صدقے کے اونٹ تقسیم کرونگا، سب لوگ آئین مگر ہمارے پاس کوئی بلا اجازت نہ آئے،، لیکن ایک بدو ہاتھ مین مہار لئے ہوے آیا اور بلا اجازت ان کے پاس چلا گیا، انھون نے اسی مہار سے اسے مارا، جب اونٹ کی تقسیم سے فارغ ہوئے، تو اس کو بلایا اور کہا کہ "اسی مہار سے اپنا قصاص لو، حضرت عمرؓ نے کہا یہ سنت نہ قایم کیجئے،، بولے قیامت مین خدا کو کیا جواب دونگا[3]"

---

[1] بخاری کتاب المناقب فضائل عثمانؓ، اگرچہ نفس حدیث مین شراب نوشی کی تصریح نہین ہے، لیکن حواشی مین تصریح ہے،

[2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت قدامہ بن مظعونؓ [3] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۲۷،

ایک بار حضرت عمرؓ امور خلافت مین مشغول تھے، ایک شخص فریاد لیکر آیا، انھون نے غصے مین اس کو کوڑا اٹھایا، وہ ناراض ہوکر چلا تو خود بلا کر اس کے سامنے اپنا کوڑا ڈالدیا اور کہا کہ "مجھ سے قصاص لے"[1]

خلیفہ کے بعد امرا و عمال کا درجہ تھا، ان کی نسبت حضرت عمرؓ نے عام اعلان فرمادیا تھا،

انی لم ابعث عمالی لیضربوا ابشارکم ولا لیاخذوا اموالکم فمن فعل به ذلک فلیرفعه الی اقصه منه[2]

مین نے اپنے عمال کو اس لئے نہین بھیجا ہے کہ وہ لوگون کو مارین پیٹین، یا بجبر ان کا مال لے لین، اگر کسی کے ساتھ ایسا کیا جائے تو وہ مجھ سے استغاثہ کرے مین اسکا قصاص لونگا،

یہ صرف اعلان نہ تھا، بلکہ اس پر عمل بھی ہوتا تھا، چنانچہ جب یہ اعلان ہوا تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ اے امیر المومنین آپ کے عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہین، " فرمایا تم بھی سو کوڑے مارنا چاہتے ہو، اٹھو اور مارو، حضرت عمرو بن العاصؓ پر یہ واقعہ نہایت گران گذرا اور بولے کہ اگر یہ طریقہ جاری ہوا تو عمال کو سخت ناگوار ہوگا اور آیندہ کے لئے عام شاہراہ ہوجائیگی، لیکن انھون نے کہا کہ "اس سے کیونکر اغماض کیا جاسکتا ہے، جبکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو لوگون کے سامنے قصاص کے لئے پیش کرتے تھے، بالآخر حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس کو دو سو دنیار دیکر راضی کیا،[3]

غیر قومین جب حلقۂ اسلام مین داخل ہوتی تھین تو عدم تعود کی بناپر ان کو اس مساوات پر سخت تعجب اور تعجب کے ساتھ ناگواری ہوتی تھی، جبلہ بن ایہم غسانی شام کا ایک رئیس تھا جو مسلمان ہوگیا تھا، اس نے ایک بار کسی شخص کی آنکھ پر تھپڑ مارا، حضرت عمرؓ نے اس سے قصاص لینا چاہا تو اس نے کہا "کیا اس کی آنکھ اور میری آنکھ برابر ہے؟ مین اس ملک مین رہنا پسند نہ کرون گا جہان مجھکو بھی کوئی دہاسکتا ہے" چنانچہ مرتد ہوکر روم کی طرف بھاگ نکلا،[4]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ [2] ابو داود کتاب الحدود باب القود بغیر حدید [3] کتاب الخراج للقاضی ابو یوسف صفحہ ۶۶ [4] فتوح البلدان، صفحہ ۱۴۲،

ذمی رعایا کے حقوق

تعصب کی انتہا تو یہ ہے کہ غیر قومون کے ساتھ سرے سے تعلقات ہی نہ رکھے جائین لیکن تعصب کی اس سے بھی زیادہ بدنما اور تکلیف دہ شکل یہ ہے کہ غیر قومون کے ساتھ تعلقات تو قایم کئے جائین لیکن ان تعلقات کو نہایت ذلیل اور بیہودہ طریقے پر قایم رکھا جائے،

صحابۂ کرام کے عہد تک تاریخ نے صرف یہی ہمہ قسم کی مثال قایم کی تھی، لیکن صحابۂ کرام نے غیر قومون کے ساتھ ہر قسم کے مذہبی، تمدنی اور سیاسی تعلقات قایم کئے اور ان کو اس بے تعصبی کے ساتھ نباہا کہ دنیا کی تاریخ مین اس کی نظیر نہین ملتی،

مذہبی تعلقات مذہبی حیثیت سے قرآن مجید نے اگرچہ صحابۂ کرام کو اور مذاہب کی کتابون سے بے نیاز کر دیا تھا، تاہم متعدد صحابہ تھے جنھون نے قرآن مجید کی طرح توراۃ اور انجیل کو پڑھا تھا، چنانچہ علامہ ذہبی حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رض کے حال مین لکھتے ہین،

وکان اصاب جملۃ من کتب اھل الکتاب	انھون نے اہل کتاب کی تمام کتابین حاصل کی تھین اور
وادمن النظر فیھا ورای فیھا عجائب وکان	بالاتصال ان کا مطالعہ کرتا تھا اور ان مین ان کو عجائبات نظر آئے
فاضلا عالما قرءالقرآن والکتب المتقدمۃ[1]	تھے وہ عالم فاضل تھے اور قرآن کو اور اگلی کتابونکو پڑھا تھا

مسند دارمی مین ہے کہ حضرت عمر رض توراۃ کا ایک نسخہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین لائے اور کھولکر پڑھنے لگے[2]، اسد الغابہ مین ہے کہ توراۃ کا یہ نسخہ ان کے ایک یہودی دوست نے، جو

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رض [2] مسند دارمی صفحہ ۶۲،

بنو قریظہ کا تھا اپنے ہاتھ سے لکھکر دیا تھا[1]،

صیح بخاری مین ہے کہ اہل کتاب عبرانی مین توراۃ کو پڑھتے تھے اور صحابۂ کرام کے سامنے عربی مین اس کی تفسیر کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب، بلکہ یہ کہو کہ ہم خدا پر، اور اس کی کتاب پر، جو ہم پر اور نیز اس کتاب پر جو ہم پر نازل ہوئی ایمان لائے[2]،

حضرت زید بن ثابتؓ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عبرانی زبان سیکھی تھی، اور اس مین خط وکتابت کرتے تھے[3]،

اسلام مین مذہبی حیثیت سے یہ حکم ہے کہ اگر جنازہ سامنے سے گذرے تو کھڑا ہو جانا چاہئے، بعض لوگون کا خیال تھا کہ یہ حکم صرف مسلمانون کیساتھ مخصوص ہے لیکن ایک بار قادسیہ مین ایک ذمی کا جنازہ گذرا تو حضرت سہل بنؓ حنیف اور قیس بنؓ سعد فوراً کھڑے ہوگئے، ایک شخص نے ٹوکا کہ "یہ تو ذمی کا جنازہ ہے" بولے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی یہی واقعہ پیش آیا تو آپ نے فرمایا آخر وہ بھی تو ایک جان ہے[4]،

ان تمام مثالون سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام نے مذہبی حیثیت سے غیر قومون کے ساتھ کسی قسم کا تعصب جائز نہین رکھا،

تمدنی تعلقات تمدنی حیثیت سے صحابۂ کرام کے زمانے مین اگرچہ مسلمانون اور غیر قومون مین کوئی فرق وامتیاز موجود نہ تھا صحابۂ کرام یہودیون سے قرض لیتے تھے ان سے بیع وشرا کرتے تھے اور ان سے ہر قسم کے معاملات رکھتے تھے لیکن ان تعلقات سے بالاتر ایک چیز حسن معاشرت ہے،

---

[1] اسد الغابہ تذکرۂ حضرت عبداللہ بن ثابت انصاریؓ [2] بخاری باب ما یجوز من تفسیر التوراۃ وکتب اللہ بالعربیہ کتاب الرد علی الجہمیہ [3] بخاری کتاب الاحکام باب ترجمۃ الحکام [4] بخاری کتاب الجنائز باب القیام لجنازۃ اہل الشرک وبخاری کتاب الجنائز،

جو تمدن کی روح ہے اور صرف اسی سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ تعلقات خلوص پر مبنی تھے یا خود غرضانہ نفاق پر، لیکن واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر مذہبی عقائد و اعمال کو الگ کر دیا جائے تو صحابہؓ کرام کے غیر متعصبانہ طرزِ عمل نے مسلمانون اور غیر قومون کو ہر حیثیت سے ایک کر دیا تھا

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے پڑوس مین ایک یہودی رہتا تھا ایک بار انھون نے ایک بکری ذبح کی تو گھر والون سے پوچھا کہ تم نے ہمارے یہودی ہمسایہ کے پاس گوشت ہدیۃً بھیجا یا نہین ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھکو جبرئیل نے ہمسایون کے ساتھ سلوک کرنے کی اس شدت سے وصیت کی کہ مین نے سمجھا کہ اس کو شریک وراثت بنا دینگے،[1]

ایک بار ایک یہودیہ عورت حضرت عائشہؓ کے پاس آئی اور کوئی چیز مانگی انھون نے بخشی دی اور اس نے اس کے بدلے ان کو دعا دی،[2]

سیاسی تعلقات | غیر قومون کے ساتھ سیاسی تعلقات کی ابتدا ءخود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک مین ہوئی چنانچہ جب خیبر فتح ہوا تو آپ نے ایک معاہدہ صلح کیا جس کے ذریعہ سے زراعت کا معاملہ بٹائی پر طے ہو گیا، اس معاہدہ کے رو سے جب فصل تیار ہوئی تو آپ نے حضرت عبد اللہ بن رواحہ کو بھیجا کہ پیداوار تقسیم کرا لائین، انھون نے پیداوار کے دو حصے لگائے اور کہا کہ اگر تم چاہو تو یہ تمھارا ہے، ورنہ میرا، لیکن یہود اس سے زیادہ طالب رعایت تھے اس لئے انھون نے عورتون کے زیور جمع کئے اور ان کو بطور رشوت کے دینا چاہا، ایک متدین مذہبی شخص کی یہ سب سے بڑی توہین تھی. لیکن بایںہمہ انھون نے کہا کہ اے گروہ یہود! تم میرے نزدیک مبغوض ترین مخلوق ہو لیکن یہ بغض مجھکو ظلم اور ناانصافی پر آمادہ نہین کرسکتا باقی یہ رشوت تو وہ حرام ہے اور ہم حرام مال نہین کھا سکتے، یہودیون پر اس کا یہ اثر پڑا کہ بیساختہ چیخ اٹھے کہ آسمان

---

[1] ابو داؤد کتاب الادب باب فی حق الجوار [2] نسائی کتاب الجنائز باب التعوذ من عذاب القبر،

ذہن اسی عدل و انصاف کے بل پر قایم ہین[۱]، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیون سے ایک معاہدہ صلح کیا جس کے آخری الفاظ یہ تھے،

علی ان لا یھدم لھم بیعۃ ولا یخرج لھم قس ولا یفتنوا عن دینھم مالم یحدثوا حدثا او یاکلوا الربا[۲]

اس شرط پر کہ ان کا کوئی گرجا نہ گرایا جائیگا، انکے پادری کی جلاوطن نہ کیا جائیگا، ان کو ان کے مذہب سے برگشتہ نہ کیا جائیگا جب تک کہ وہ کوئی فتنہ انگیزی نہ کرین یا سود نہ کھائین

کتاب الخراج مین اس کے آخری الفاظ یہ ہین،

علی اموالھم وانفسھم وارضھم وملتھم وغائبھم وشاھدھم وعشیرتھم وبیعھم وکل ما تحت ایدیھم من قلیل او کثیر لا یغیر اسقف من اسقفتہ ولا راھب من رھبانیتہ ولا کاھن من کھانتہ[۳]

یہ معاہدہ ان کے مال، جان، زمین، مذہب، حاضر، غائب قبیلہ، گرجا غرض ہر تھوڑی بہت چیز کی حفاظت پر جو ان کے قبضہ مین ہے، شامل ہے، کسی پادری کو کسی راہب کو کسی کاہن کو اس کے عہدے سے الگ نہ کیا جائے گا،

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہد خلافت مین اس معاہدہ کی تجدید کی، اور اس کے ایک ایک حرف کو قایم رکھا،

ان کے زمانے مین حیرہ کے عیسائیون کے ساتھ حضرت خالدؓ نے ایک اور معاہدہ کیا جس مین سب سے زیادہ قابل لحاظ شرط یہ تھی،

ایما شیخ ضعف عن العمل او اصابتہ آفۃ من الآفات او کان غنیا فافتقر وصار

جو بوڑھا شخص بیکار ہو جائیگا یا اس کا جسم ماؤف ہو جائیگا یا کوئی متمول شخص اسقدر محتاج ہو جائیگا کہ اس کے ہم مذہب

---

[۱] موطائے امام مالک کتاب المساقاۃ و ابوداؤد کتاب البیوع باب ماجاء فی المساقاۃ [۲] ابوداؤد کتاب الخراج باب فی اخذ الجزیہ [۳] صفحہ ۱۴۱،

اهل دینه یتصدقون علیه طرحت جزیته وعیل من بیت مال المسلمین وعیاله[1]	لوگ اوسپر صدقہ کرنے لگین گے تو اس کا جزیہ معاف کردیا جائیگا اور اس کی اور اس کے اہل وعیال کی کفالت بیت المال سے کیجائیگی،

حضرت خالدؓ نے اسی سلسلہ مین اور بھی متعدد معاہدے کئے اور ان معاہدون کو حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے قایم رکھا، ان معاہدون مین اگرچہ باہم اختلاف ہے لیکن سب مین قدر مشترک یہ ہے،

لایھدم لھم بیعة ولا کنیسة وعلی ان یضربوا نواقیسھم فی ای ساعة شاؤا من لیل او نھار الا فی اوقات الصلوٰة وعلی ان یخرجوا الصلبان فی ایام عیدھم[2]	ان لوگون کے گرجے نہ گرائے جائینگے اور وہ رات دن مین بجز اوقات نماز کے ہر وقت ناقوس بجا سکینگے، اور اپنے تہوار کے دن صلیب نکالینگے،

حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانے مین بہ کثرت معاہدے ہوے، ان مین سب سے زیادہ مفصل، سب سے زیادہ جامع، اور سب سے زیادہ فیاضانہ وہ معاہدہ ہے جو حضرت ابوعبیدہؓ نے شام کے عیسائیون کے ساتھ کیا اُس معاہدے کے الفاظ یہ ہین،

واشترط علیھم حین دخلھا علی ان تترک کنائسھم وبیعھم علی ان لایحدثوا ابناء بیعة ولا کنیسة وعلی ان علیھم ارشاد الضال وبناء القناطر علی الانھار من اموالھم وان یضیفوا من مر بھم من	جب وہ شام مین داخل ہوئے تو یہ شرط کرلی کہ ان کے گرجون سے کچھ تعرض نہ کرینگے بشرطیکہ نئے گرجے نہ تعمیر کرین، بھولے بھٹکے مسلمانون کو راستہ دکھائین، اپنے مال سے نہرون پر پل باندھین، جو مسلمان ان کے پاس سے ہوکر گذرین تین دن تک ان کی مہمانی کرین، کسی مسلمان کو

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۵ [2] کتاب الخراج صفحہ ۱۸۶،

المسلمین ثلاثة ایام وعلی ان لا یشتموا
مسلما ولا یضربوه ولا یرفعوا فی نادی
اهل الاسلام صلیبا ولا یخرجوا خنزیرا
من منازلهم الی افنیة المسلمین وان یو
قدوا النیران للغزاة فی سبیل الله ولا یدلوا
للمسلمین علی عورة ولا یضربوا نواقیسهم
قبل اذان المسلمین ولا فی اوقات اذانهم ولا
یخرجوا الرایات فی ایام عیدهم ولا
یلبسوا السلاح یوم عیدهم ولا یتخذوه فی بیوتهم

نہ گالی دین، نہ مارین، نہ مسلمانون کی مجلس مین
صلیب اور نہ مسلمانون کے احاطہ مین سور
نکالین، مجاہدین کے لئے راستون مین آگ
جلائین، مسلمانون کی جاسوسی نہ کرین، اذان
سے پہلے اور اذان کے اوقات مین ناقوس نہ
بجائین اپنے تہوارون کے دن جھنڈے نہ
نکالین. ہتیار نہ لگائین اور اس کو اپنے
گھرون مین بھی نہ رکھین،

ان لوگون نے تمام شرطین منظور کرلین، صرف یہ درخواست کی کہ سال مین ایک بار بغیر جھنڈیون کے صلیب نکالنے کی اجازت دی جائے، حضرت ابو عبیدہؓ نے ان کی یہ درخواست منظور کی،

قاضی ابو یوسف نے لکھاہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ نے یہ نرمی اور یہ فیاضی اس لئے اختیار کی تھی کہ ان لوگون کو صلح کی ترغیب ہو، چنانچہ اس معاہدے کے بعد جب رومیون سے جنگ ہوئی اور فتح کے بعد اطراف وحوالی کے تمام عیسائیون نے صلح کرلی تو ان لوگون نے ایک شرط یہ پیش کی کہ جو رومی مسلمانون کی جنگ کے لئے آئے تھے اور اب وہ عیسائیون کے پناہ گزین ہین ان کو امن دیا جائے کہ اپنے اہل وعیال اور مال واسباب کے ساتھ واپس چلے جائین اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے، حضرت ابو عبیدہؓ نے یہ شرط بھی منظور کرلی،[1]

[1] یہ معاہدہ اور یہ پوری تفصیل کتاب الخراج صفحہ ۸۰ و ۸۱ مین ہے،

اب ہم کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ ان معاہدون کی پابندی کی گئی یا نہین ؟ اور کی گئی تو کیونکر ؟

اسلام مین معاہدے کی پابندی فرض ہے، اور اس مین کسی مذہب کی تخصیص نہین بلکہ خود معاہدہ کی اخلاقی عظمت کا یہی اقتضا ہے، اس بنا پر صحابہ کرام نے ذمیون کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا اس کا پورا کرنا انکا مذہبی فرض تھا چنانچہ شام کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو جو فرمان لکھا اس مین یہ الفاظ تھے،

وامنع المسلمين من ظلمهم والاضرار بهم	مسلمانون کو ان کے ظلم و نقصان سے روکو اور
واكل اموالهم ووف لهم بشرطهم الذی	ان کے مال کھانے سے منع کرو، اور ان کو جو حقوق
شرطت لهم فی جميع ما اعطيتهم[۱]	تمنے جن شرائط پر دیئے مین ان کو پورا کرو،

وفات کے وقت جو وصیت کی اس مین یہ الفاظ فرمائے،

واوصيه بذمة الله وذمة رسوله ان	اور مین اپنے جانشین کو خدا اور خدا کے رسولؐ کے ذمہ
يوفی لهم بعهدهم وان يقاتل من	کی وصیت کرتا ہون کہ ذمیون کے معاہدے کو پورا کرے انکے
ورائهم وان لا يكلفوا فوق طاقتهم[۲]	انکی حمایت مین لڑے اور ان کو تکلیف مالا یطاق نہ دے،

ذمیون کے معاہدے کی پابندی کا جس قدر خیال رکھا جاتا تھا اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار ایک عیسائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیان دے رہا تھا حضرت عرفہؓ نے سُنا تو اس کے منھ پر ایک طمانچہ مارا، اس نے حضرت عمرو بن العاصؓ کی خدمت مین استغاثہ کیا تو انھون نے عرفہ کو بلا کر کہا کہ ہم نے ان سے معاہدہ کیا ہے، حضرت عرفہؓ نے کہا (نعوذ باللہ) کیا ہم نے ان سے یہ معاہدہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علانیہ گالیان دین، ہم نے صرف یہ معاہدہ کیا ہے کہ وہ اپنے گرجون مین جو چاہین کہین، حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا یہ سچ ہے[۳]

[۱] کتاب الخراج صفحہ ۸۰ [۲] بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمانؓ [۳] اسد الغابۃ تذکرہ حضرت عرفہؓ بن حارث الکندی،

خود ذمیون کو اس پابندی معاہدہ کا اعتراف تھا، ایک بار حضرت عمرؓ کی خدمتمین ذمیون کا ایک وفد آیا تو انھون نے پوچھا کہ غالباً مسلمان تم لوگون کو ستاتے ہون گے؟ سب نے ہمزبان ہو کر کہا،

ما نعلم الا وفاء وحسن ملکۃ
ہم پابندی عہد اور شریفانہ اخلاق کے سوا کچھ نہین جانتے

لیکن صرف اسی قدر کافی نہین، یہ جو کچھ ہے، قول ہے ہم عملاً دکھانا چاہتے ہین کہ ذمیون کو جو حقوق دیئے گئے ان کو عملاً پورا کیا گیا،

جان کی حفاظت رعایا کے تمام حقوق مین سب سے مقدم چیز جان ہے اور صحابہ کرام کے دور خلافت مین مسلمانون اور ذمیون کی جانین یکسان عزیز تھین، ایک بار حضرت عمرؓ کے زمانے مین ایک یہودی قتل کر دیا گیا تو انھون نے اس کو نہایت اہم واقعہ خیال کیا اور کہا کہ میرے دور خلافت مین انسانون کا خون ہوگا مین خدا کی قسم دلاتا ہون کہ جس کو اس کا حال معلوم ہو مجھے بتائے۔ حضرت بکر بن شداخؓ نے کہا کہ "اس کا قاتل مین ہون" بولے "اللہ اکبر، تم سے اس کا قصاص لیا جائیگا اپنی برأت ثابت کر سکتے ہو تو کرو" انھون نے کہا "فلان شخص شریک جہاد ہوا اور مجھکو اپنے گھر کا محافظ بنا گیا مین اس غرض سے اس کے دروازے پر ایک روز آیا تو اس یہودی کو اس کے گھر مین یہ اشعار پڑھتے ہوئے سُنا،

واشعث غرہ الاسلام منی ایک پراگندہ مو شخص جس کو اسلام نے مجھ سے غافل کر رکھا ہے	خلوت بعرسہ لیل التمام اسکی بی بی کے ساتھ مین شب بھر خلوت مین بسر کی
ابیت علی ترائبہا ویمشی مین اس کی بی بی کے سینے پر شب بسر کرتا ہون	علی قود الاعنۃ والحزام اور وہ گھوڑے کی باگ کھینچے کھینچے پھر رہا ہے

اب حضرت عمرؓ نے ان کو رہا کر دیا،

ایک بار قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو قتل کر دیا، حضرت

ے طبری صفحہ ۲۵۶۰ ے اسد الغابہ تذکرہ حضرت بکر بن شداخؓ،

عمرؓ نے قاتل کو مقتول کے ورثار کے حوالے کر دیا اور انھون نے اس کو قتل کر دیا،

حضرت عمرؓ کی شہادت کی نسبت شبہ تھا کہ یہ ایرانیون کی سازش کا نتیجہ ہے اس خیال سے حضرت عبیداللہ بن عمرؓ نے ہرمزان کو قتل کر دیا، حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انھون نے اس کے قصاص مین ان کو قتل کرنا چاہا لیکن حضرت عمرو بن العاص نے کہا کہ یہ قتل اس وقت ہوا جب کوئی خلیفہ نہین مقرر ہوا تھا، اس لیئے وہ بچ گئے، حضرت علیؓ کا دور خلافت آیا تو انھون نے بھی ان سے قصاص لینا چاہا لیکن وہ بھاگ گئے،

ایک بار ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت مین یہ معاملہ پیش ہوا تو انھون نے اس کے قتل کا حکم دیا لیکن مقتول کے بھائی آئے اور کہا کہ "ہم نے معاف کر دیا" اس پر فرمایا کہ "تمھین کسی کی دھمکی دیکر تو معاف کرنے پر مجبور نہین کیا گیا"[1]

ذمیون کی دیت بھی بالکل مسلمانون کے برابر مقرر کی گئی تھی، دار قطنی مین ہے،

ان ابابکر وعمر کانا یجعلان دیۃ الیھودی والنصرانی اذا کانا معاھدین دیۃ الحر المسلم[2]	حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ذمی یہودی اور عیسائی کی دیت آزاد مسلمان کے برابر قرار دیتے تھے،

اب اس سے زیادہ ذمیون کی جان کا کیا احترام ہو سکتا ہے؟

مال وجائداد کی حفاظت | مال وجائداد کی حفاظت اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ ممالک مفتوحہ کی زمینین غیر قومون کے ہاتھ مین رہنے دی گئین، اور ان کا خریدنا بھی مسلمانون کے لیئے ناجائز قرار دیا گیا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس مین اس قدر مبالغہ کیا کہ اہل عرب کو زراعت سے بالکل روکدیا اور تمام فوجی افسرون کے نام احکام بھیجدیئے کہ لوگون کے روزینے مقرر کر دیئے گئے ہین اس لیئے کوئی زراعت نہ کرنے پائے، مصر مین شریک غطفی نامی ایک شخص نے اس حکم کی خلاف ورزی کی

[1] نصب الرایہ مطبوعہ دہلی صفحہ ۲۵۹ و ۲۶۰ [2] دار قطنی کتاب الحدود صفحہ ۳۴۳،

تو حضرت عمرؓ نے اس سے سخت مواخذہ کیا اور کہا کہ "مین تجھکو ایسی سزا دون گا کہ دوسرون کو عبرت ہو"[۱]

عدالت مین جائداد وغیرہ کے متعلق جو مقدمات دائر ہوتے تھے ان مین مسلمانون کے مقابل مین بے تکلف غیر قومون کو ڈگری دیجاتی تھی ایک بار حضرت عمرؓ کی خدمت مین ایک یہودی اور ایک مسلمان کا مقدمہ پیش ہوا تو حضرت عمرؓ نے یہودی ہی کے حق مین فیصلہ کیا[۲]

مذہبی آزادی

غیر قومون کو جو مذہبی آزادی حاصل تھی اس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار حضرت عمرؓ نے اپنے عیسائی غلام استنق کو دعوت اسلام دی اور اس نے انکار کیا تو فرمایا لااکراہ فی الدین یعنے مذہب مین کوئی زبردستی نہین ہے[۳]

حضرت امیر معاویہؓ کے نام سے تمام شام لرزتا تھا لیکن جب انھون نے دمشق کی مسجد مین کینسہ یوحنا کو شامل کرنا چاہا اور عیسائیون نے اس پر ناراضمندی ظاہر کی تو ان کو مجبوراً اس کو چھوڑ دینا پڑا[۴]

حضرت عمرؓ نے شام کے عیسائیون کے ساتھ جو یہ شرط کی تھی کہ لایحدثوا بناء بیعۃ ولاکنیسۃ اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ مسلمانون کی آبادی مین نئے گرجے نہ بنائے جائین، خود عیسائیون کو اپنی آبادی مین گرجا بنانے کی ممانعت نہ تھی چنانچہ جب فسطاط مصر مین عیسائیون نے ایک نیا گرجا بنایا اور فوج نے اس کی مخالفت کی تو حضرت سلمہ بن مخلدؓ نے یہ استدلال کیا کہ یہ تمھاری آبادی سے باہر ہے اور اس پر تمام فوج نے سکوت اختیار کیا[۵]

ہارون رشید کے زمانۂ خلافت مین مصر کے گورنر عامر بن عمر نے جب عیسائیون کو گرجون کے بنانے کی عام اجازت دینا چاہی تو لیث بن سعد اور عبید اللہ بن لہیعہ سے مشورہ لیا، ان بزرگون نے اس کی رائے سے اتفاق کیا اور یہ استدلال پیش کیا کہ مصر کے تمام گرجے صحابہ اور تابعین

---

[۱] حسن المحاضرہ صفحہ ۳ و [۲] موطا کتاب الاقضیہ باب الترغیب فی القضاء بالحق [۳] کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۹۸

[۴] فتوح البلدان صفحہ ۱۳۱ [۵] حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۵،

ہی کے زمانے کے بنے ہوئے ہین،[1]

جزیہ کے وصولی مین رعایت ونرمی

ان تمام حقوق کے مقابل مین مسلمانون کو جزیہ کی ایک خفیف سی رقم ملتی تھی جو فوجی حفاظت کا معاوضہ تھی، لیکن صحابہ کرام اس معاوضہ کو بھی نہایت لطف ومراعات کے ساتھ وصول کرتے تھے، چنانچہ جو لوگ نادار اور اپاہج ہو جاتے تھے انکا جزیہ سرے سے معاف ہو جاتا تھا، اور ان کو بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت مین حضرت خالدؓ نے حیرہ کے عیسائیون کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا اس مین یہ شرط داخل تھی اور حضرت عمرؓ نے اس کو اپنے زمانے مین عملاً قائم رکھا، چنانچہ ایک بار ان کو چند جذامی عیسائی نظر آئے تو بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر کردیا،[2]

ایک روز کسی بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر کردیا، اس کے جزیہ کی رقم معاف کردی اور عام حکم دیدیا کہ اس قسم کے تمام لوگون کا جزیہ معاف کردیا جائے،[3]

جن لوگون سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا ان پر بھی کسی قسم کی سختی روا نہین رکھی جاتی تھی، ایک بار حضرت ہشام بن حکیمؓ نے حمص مین دیکھا کہ کچھ قیدی دھوپ مین کھڑے کئے گئے ہین، بولے یہ کیا ظلم ہے، مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے،

ان اللہ یعذب الذین یعذبون الناس فی الدنیا[4] — خدا ان لوگون کو عذاب دیگا جو دنیا مین لوگونکو عذاب دیتے ہین،

حضرت عمرؓ شام کے سفر سے واپس آرہے تھے، راستے مین دیکھا کہ کچھ لوگ دھوپ مین کھڑے کئے گئے ہین اور ان کے سر پر زیتون کا تیل ڈالا جارہا ہے، وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ ناداری کی وجہ سے جزیہ نہین دیتے، فرمایا چھوڑدو مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے،

لا تعذبوا الناس فان الذین یعذبون — لوگون کو تکلیف نہ دو کیونکہ جو لوگ لوگونکو تکلیف دیتے ہین

[1] ولاۃ مصر صفحہ ۲۳۔ [2] فتوح البلدان صفحہ ۱۳۰۔ [3] کتاب الخراج صفحہ ۷۲۔ [4] ابوداؤد کتاب الخراج باب التشدید فی الجزیۃ

الناس فی الدنیا یعذبھم اللہ یوم القیامۃ[1] خدا ان کو قیامت مین تکلیف دیتا ہے،

ملکی حقوق رعایا کو سب سے بڑا حق جو حاصل ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کو ملکی انتظامات مین شریک کیا جائے اور صحابۂ کرام کے زمانے مین غیر قومون کو یہ حق حاصل تھا یعنے جن معاملات کا تعلق غیر قومون کے ساتھ ہوتا تھا ان مین ان کی راے مقدم خیال کی جاتی تھی، چنانچہ عراق کا بندوبست ہوا تو حضرت عمرؓ نے وہان سے چودھری طلب کئے اور ان سے مالگذاری کے متعلق راے لی،[2]

غیر قومون مین بہت سے لوگون کو ملکی عہدے دیئے گئے اور ذمہ داری کی خدمتین ان کے متعلق کی گئین، ایک بار بہت سے عیسائی قیدی آئے تو حضرت عمرؓ نے بعض کو مکتب مین داخل کر دیا اور بعض کے متعلق ایک ملکی کام کیا،[3] اصابہ مین ہے کہ ابو زبید نامی ایک عیسائی کو انھون نے عامل بھی مقرر فرمایا تھا، حضرت عثمانؓ نے بھی ایک عیسائی کو تعلیم دیکر اپنا میر منشی بنایا تھا،[4] حضرت امیر معاویہؓ کے دربار مین سب سے زیادہ با اقتدار اور با اثر شخص ابن آثال نصرانی تھا جو ان کا طبیب بھی تھا مترجم بھی تھا، اور حمص کا کلکٹر بھی تھا،[5]

آزادی تجارت صحابۂ کرام کے فیاضانہ طرز عمل نے کبھی غیر قومون کی تجارتی آزادی مین خلل نہین ڈالا، بلکہ اس کو اور ترقی دی، چنانچہ شام کے نبطی جو روغن زیتون اور گیہون کی تجارت کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کے عشر کو نصف کر دیا تاکہ مدینہ مین کثرت سے غلہ آئے، مصر کے قبطی بھی مال تجارت لیکر آتے تھے لیکن ان سے پورا عشر لیا جاتا تھا،[6]

سازش اور بغاوت کی حالتون مین ان کے ساتھ سلوک غیر قومین تو بالکل بیگانہ ہوتی ہین، سازش اور بغاوت کی حالتین مذہب سے ہم مذہب سلطنت خود اپنی قوم سے کوئی مراعات نہین کر سکتی، لیکن صحابۂ کرام نے اس

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۷۱، [2] کتاب الخراج صفحہ ۲۱ [3] فتوح البلدان صفحہ ۱۴۹ [4] فتوح البلدان صفحہ

[5] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۷۵ و استیعاب [6] موطاے امام مالک کتاب الزکوۃ باب عشور اہل الذمہ،

حالت مین بھی ذمیون کے ساتھ نہایت نرم برتاؤ کیا، شام کی انتہائی سرحد پر ایک شہر عربسوس تھا جہان کے عیسائیون سے معاہدہ صلح ہو گیا تھا لیکن یہ لوگ در پردہ رومیون سے سازش رکھتے تھے، اور مسلمانون کی خبرین ان تک پہونچایا کرتے تھے، حضرت عمیر بن سعدؓ نے جو وہان کے والی تھے، حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی تو انھون نے لکھ بھیجا کہ ان کے تمام مال ومتاع کا شمار کر کے ہر چیز کا دوگنا معاوضہ دیدیا جائے اور اس کے بعد وہ جلاوطن کر دیئے جائین اگر وہ اسپر راضی نہ ہون تو ایک سال کی مہلت کے بعد جلاوطن کئے جائین، چنانچہ ایک سال کے بعد وہ لوگ جلاوطن کر دیئے گئے[1]،

ان مراعات کا ذمیون پر اثر | ذمیون پر ان تمام لطف ومراعات کا یہ اثر ہوا کہ وہ خود مسلمانون کے دست وبازو بن گئے، قاضی ابو یوسف صاحب کتاب الخراج مین لکھتے ہین،

فلما رای اھل الذمۃ وفاء المسلمین لھم وحسن السیرۃ فیھم صاروا اشداء علی عدو المسلمین وعونا للمسلمین علی اعدائھم،

جب ذمیون نے مسلمانون کی وفاداری اور ان کے نیک سلوک کو دیکھا تو مسلمانون کے دشمنون کے سب سے بڑے دشمن اور ان کے مقابل مین مسلمانون کے حامی ومددگار بنگئے،

رومی اگرچہ خود عیسائیون کے ہم مذہب تھے لیکن جب رومیون نے مسلمانون کے مقابلے مین ایک عظیم الشان فیصلہ کن جنگ کی تیاریان کین تو ان ہی ذمی عیسائیون نے ہر جگہ سے جاسوس بھیجے کہ رومیون کی خبر لائین، حضرت ابو عبیدہؓ نے ہر شہر پر جو حکام متقرر کئے تھے ان کے پاس ہر شہر کے عیسائی رئیس آئے، اور اس جنگی تیاری کی خبر دی حضرت ابو عبیدہؓ کو تمام حکام نے اس کی اطلاع دی تو انھون نے لکھ بھیجا کہ ذمیون سے جس قدر جزیہ اور خراج وصول کیا گیا ہے سب واپس کر دیا جائے کیونکہ معاہدے کی رو سے ہمپر ان کی حفاظت واجب ہو گی اور ہم اسوقت اس کی

[1] فتوح البلدان صفحہ ۱۶۳،

طاقت نہین رکھتے' ان حکام نے جب یہ رقمین واپس دین تو یہ لوگ سخت متاثر ہوے اور بے اختیار بول اٹھے کہ "خدا تم کو واپس لائے، اگر خود رومی ہوتے تو اس حالت مین ہم کو کچھ واپس نہ دیتے، بلکہ ہمارے پاس جو کچھ ہوتا لے لیتے"، مسلمانون کی فتح ہوگئی تو عیسائیون نے خود واپس شدہ رقم حضرت ابوعبیدہؓ کے پانوٴن پر ڈالدی[1] کہ دوبارہ اس ابر کرم کے سایے کے نیچے آجائین '

اس موقع کے علاوہ ہر موقع پر ذمیون کا طرز عمل نہایت مخلصانہ اور وفادارانہ رہا، حضرت عمرؓ شام مین آئے تو اذرعات کے عیسائی ہاتھ مین تلوار لئے ہوئے پھول برساتے ہوئے اور باجا بجاتے ہوے ان کے استقبال کے لئے نکلے، حضرت عمرؓ نے روکنا چاہا لیکن حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا کہ "یہ ان کا دستور ہے اگر روک ٹوک کی گئی تو سمجھینگے کہ معاہدہ ٹوٹ گیا"[2]، شام کے ایک عیسائی رئیس نے ان کی دعوت کرنا چاہی اور کہا کہ "اگر حضور چند اکابر صحابہ کے ساتھ غریب خانہ پر تشریف لائین تو میری عزت افزائی ہوگی"، لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "ان گرجون مین جن مین یہ تصویرین ہین ہم قدم نہین رکھ سکتے"[3]

عیسائیون اور یہودیون کی جلاوطنیان | مخالفین نے ذمیون کے متعلق صحابۂ کرام پر جو اعتراضات کیے ہین ان مین یہودیون اور عیسائیون کی جلاوطنی کا مسئلہ خاص طور پر قابل بحث ہے،

یہود خیبر | سب سے پہلے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت مین یہود خیبر کی جلاوطنی عمل مین آئی، لیکن اس کی کیفیت یہ ہے کہ خیبر جب فتح ہوا تو اسی وقت وہان کے یہودیون سے کہہ دیا گیا تھا کہ جب مناسب ہوگا تم کو جلاوطن کر دیا جائیگا ایک حدیث بھی پہلے سے موجود تھی،

لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب — جزیرۂ عرب مین ایک ساتھ دو مذہب نہین رہ سکتے،

باینہمہ حضرت عمرؓ نے ان کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہین کیا، لیکن یہ لوگ ابتدا ہی سے مسلمانون

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۰ [2] فتوح البلدان صفحہ ۱۴۷ [3] ادب المفرد باب دعوۃ الذمی،

مخفی حملہ کرنے کے عادی تھے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے مین جب انصار کی ایک جماعت وہان گئی تو یہود نے موقع پاکر ایک انصاری کو مخفی طور پر قتل کر دیا تاہم چونکہ ان لوگون کے پاس کوئی شہادت نہ تھی اور ان کو یہود کے حلف پر بھی اطمینان نہ تھا اس لئے یہود بالکل بری ہو گئے اور خود آپ نے صدقے کے اونٹون سے ان کی دیت دلوائی،[1]

حضرت عمرؓ کے زمانے مین انھون نے اور بھی شرارتین شروع کین، ایک انصاری شام سے چند غلامون کو لا رہے تھے، راہ مین خیبر مین قیام کیا تو یہودیون نے شہ دیکر ان غلامون سے ان کو قتل کروا ڈالا اور ان کو زاد راہ دیکر شام کی طرف واپس کر دیا، چنانچہ حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو ان کو جلاوطن کر دیا،[2] یہ روایت اسد الغابہ مین ہے لیکن مسند ابن حنبل مین ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت مقداد بن اسودؓ کی جائدادین خیبر مین تھین اس غرض سے یہ لوگ آئے اور اپنی اپنی جائداد کی دیکھ بھال کے لئے منتشر ہو گئے، رات کے وقت حضرت عبد اللہ بن عمرؓ پر حالت خواب مین حملہ ہوا اور انکا ہاتھ توڑ دیا گیا، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ "یہ یہود کا کام ہے" اس کے بعد ایک خطبہ دیا جس مین فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہود سے مصالحت کی تھی تو کہہ دیا تھا کہ ہم جب چاہین گے تم کو نکال دینگے" اب انھون نے عبد اللہ بن عمرؓ پر حملہ کیا ہے اور انکا ہاتھ توڑ ڈالا ہے اس کے پہلے بھی انھون نے انصار پر حملہ کیا تھا، تم مین سے خیبر مین جس کا جس کا مال ہو لیلے مین یہود خیبر کو جلاوطن کر دونگا،[3] فتوح البلدان مین ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب ان کو جلاوطن کرنا چاہا تو پہلے بیچ دینان وانی حدیث کی کافی تحقیقات کر لی، اور ان کو اس کی صحت کا کامل یقین ہو گیا تب ان کو جلاوطن کیا،[4]

نصارائے نجران | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیون سے جو معاہدہ کیا تھا اس مین

---

[1] بخاری کتاب الدیات باب القسامہ [2] اسد الغابہ تذکرہ مظہر بن رافع [3] مسند جلد ۱ صفحہ ۱۵ [4] فتوح البلدان صفحہ ۳۴

ایک شرط یہ تھی کہ سود نہ کھائینگے لیکن حضرت عمرؓ کے عہد میں اس شرط کی خلاف ورزی کی گئی[۱]، اس کے ساتھ انھون نے درپردہ جنگ کی تیاریان بھی شروع کین اور بہت سے گھوڑے اور ہتھیار بھی جمع کیے اس لیے حضرت عمرؓ نے ان کو جلاوطن کر دیا[۲]، طبری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ دونون نے ان کی جلاوطنی کی وصیت کی تھی[۳]،

انصار لے عربسوس | ان لوگون نے رومیون سے درپردہ سازش کی، حضرت عمیرؓ بن سعد نے جو وہان کے حاکم تھے، حضرت عمرؓ کو اطلاع دی تو انھون نے ان کو جلاوطن کروادیا[۴]،

ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ جو جلاوطنیان عمل میں آئین ان کا سبب مذہبی تعصب نہ تھا بلکہ اس قسم کے پولیٹکل اسباب جمع ہوگئے تھے کہ کوئی سلطنت اس کے سوا دوسرا طرز عمل اختیار ہی نہین کرسکتی تھی، البتہ یہ دیکھنا چاہئے کہ اس قسم کے موقعون پر دوسری سلطنتین کیا کرتین اور صحابہ کرام نے کیا کیا؟

حضرت عمرؓ نے نجران کے عیسائیون کو جلاوطن کیا تو یہ حکم دیا کہ جو لوگ جلاوطن کیے جائین ان کی زمین کی پیمایش کرلی جائے تاکہ اسی کے مثل ان کو معاوضہ دیا جائے اور ان کو اختیار دیا جائے کہ جہان چاہین چلے جائین[۵]، وہ لوگ جلاوطن ہوکر عراق عرب کو چلے تو ان کو جو پروانہ لکھا اس مین یہ فیاضانہ الفاظ لکھے،

(۱) یہ لوگ شام یا عراق کے جس رئیس کے پاس جائین اسکا فرض ہوگا کہ وہ زراعت کیلئے انکو زمین دے"

(۲) ہر مسلمان کو چاہئے کہ اگر کوئی ان پر ظلم کرے تو وہ ان کی مدد کرین،

(۳) چوبیس مہینے تک انکا جزیہ معاف کردیا جائے[۶]،

---

[۱] ابوداؤد کتاب الخراج باب فی الجزیہ و فتوح البلدان صفحہ ۱۶۲ [۲] کتاب الخراج صفحہ ۴۲ [۳] طبری صفحہ ۲۱۶۲ [۴] فتوح البلدان صفحہ ۱۶۳ [۵] طبری صفحہ ۲۱۶۲ [۶] کتاب الخراج صفحہ ۴۱،

فدک کے یہودیوں کو جلاوطن کیا تو ان کی زمین وجائداد کی قیمت کا تخمینہ کروایا اور جب قیمت متعین ہوگئی تو بیت المال سے دلوا دی[1]، کیا کوئی دوسری قوم ان پولیٹکل جرائم کے باوجود غیر قوموں کے ساتھ اس قسم کا فیاضانہ برتاؤ کرسکتی ہے؟

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۰۔

غلامون کے حقوق

غلامی کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ ایک بدقسمت شخص میدان جنگ مین گرفتار ہوجاتا ہے، گرفتاری کے بعد مال غنیمت کے ساتھ اس کی تقسیم ہوتی ہے اور وہ ایک خاص شخص کی ملک بنجاتا ہے اس کے بعد اپنے آقا کی شخصی حکومت کے ساتھ اس کو سلطنت کے عام قوانین کے ماتحت زندگی بسر کرنا ہوتی ہے، اس لئے اگر کسی قوم کی نسبت یہ سوال ہو کہ غلامون کے متعلق اسکا کیا طرز عمل تھا؟ تو بہ ترتیب حسب ذیل عنوانات مین یہ سوال کیا جاسکتا ہے،

۱۔ حالت قید مین ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا گیا؟

۲۔ آقانے غلام کو غلام بناکر رکھا یا آزاد کردیا؟

۳۔ غلامون کو کیا کیا ملکی حقوق دیے، اور بادشاہ کا غلامون کے ساتھ کیا طرز عمل رہا؟

صحابۂ کرام کے زمانے مین جو لوگ غلام بنائے گئے ہم ان کے متعلق اسی ترتیب سے بحث کرتے ہین،

اسیران جنگ کا قتل نہ کرنا اسلام سے پہلے مہذب سے مہذب ملکون مین غلامون کو قید کرکے بیدریغ قتل کردیا جاتا تھا، چنانچہ تاریخ قدیم مین اس کی بکثرت مثالین ملتی ہین، لیکن قرآن مجید مین اسیران جنگ کے متعلق تصریحًا یہ حکم ہے،

حتی اذا اثخنتموهم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداءً	جب تم لوگ خوب خونریزی کرچکو تو قیدی بناؤ انکو [illegible] یا احسانًا ان کو آزاد کردو،

یا فدیہ لیکر ان کو چھوڑ دو،

اور صحابۂ کرام نے شدت کے ساتھ اس کی پابندی کی، چنانچہ ایک بار حجاج کے پاس ایک اسیر جنگ آیا، اور اس نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو اس کے قتل کرنے کا حکم دیا، لیکن انھون نے کہا "ہم اس پر مامور نہین ہین"، اس کے بعد قرآن مجید کی مندرجۂ بالا آیت پڑھی، [1]

اسیران جنگ کو کھانا کھلانا اور ان کے آرام و آسائش کا سامان بہم پہونچانا

صحابۂ کرام اسیران جنگ کو اپنے آپ سے بہتر کھانا کھلاتے تھے، اور ان کے آرام و آسائش کے ضروری سامان بہم پہونچاتے تھے، خود قرآن مجید نے صحابۂ کرام کی اس فضیلت کو نمایان کیا ہے،

ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما و اسیرا،

باوجودیکہ ان لوگون کو خود کھانے کی خواہش ہو پھر بھی وہ مسکین کو، یتیم کو، اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہین،

معجم طبرانی مین ہے کہ صحابۂ کرام اسیران جنگ کے ساتھ اس قدر لطف و مراعات کرتے تھے کہ خود کھجور کھا لیتے تھے، مگر ان کو جو کی روٹی کھلاتے تھے،

حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت مین جب مالک بن نویرہ اپنے رفقا کے ساتھ گرفتار ہو تو رات کو ان کو سخت سردی محسوس ہوئی، حضرت خالد بن ولیدؓ کو خبر ہوئی تو عام منادی کرادی، ادفئوا اسراکم [2]

اپنے قیدیون کو گرم کپڑے اوڑھاؤ،

شاہی خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ برتاؤ

اگرچہ صحابۂ کرام تمام قیدیون کے ساتھ نہایت عمدہ برتاؤ کرتے تھے، لیکن شاہی خاندان کے قیدی اور بھی لطف و مراعات کے مستحق ہوتے تھے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے جب جنگ مصر مین بلبیس پر حملہ کیا اور مقوقس شاہ مصر کی بیٹی ارمانوسہ گرفتار ہو کر آئی تو انھون نے حضرت عمرؓ کے حکم سے نہایت عزت و احترام کے ساتھ اس کو مقوقس کے پاس بھیجدیا،

[1] کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف، [2] طبری صفحہ ۱۹۲۵،

اور مزید احتیاط کے لئے اس کے ساتھ ایک سردار کو کر دیا کہ بحفاظت تمام اسکو پہنچا آئے[۱]،

اسیران جنگ کو اعزہ واقارب سے جدا نکرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام حکم یہ تھا کہ قیدی اپنے اعزہ واقارب سے جدا نہ کئے جائین، صحابۂ کرام اس حکم پر نہایت شدت کے ساتھ عمل فرماتے تھے، ایک بار حضرت ابوایوب انصاری رضؓ کسی فوج مین تھے، اسیران جنگ کی تقسیم ہوئی تو بچون کو مان سے علیحدہ کر دیا گیا، بچے رونے لگے تو انھون نے ان کو مان کی آغوش مین ڈالدیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مان سے بچے کو جدا کرے گا خدا قیامت کے دن اس کو اس کے اعزہ واقارب سے جدا کر دے گا[۲]،

لونڈیون کے ساتھ استبراء کے بغیر جماع کرنا

عرب مین یہ وحشیانہ طریقہ جاری تھا کہ جو لونڈیان گرفتار ہوکر آتی تھین ان سے استبراء رحم کے بغیر مباشرت کرنا جائز سمجھتے تھے اور اس مین حاملہ وغیر حاملہ کی کوئی تفریق نہین کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ کو بالکل ناجائز قرار دیا اور ان لونڈیون کو مطلقہ عورتون کے حکم مین شامل کر لیا یعنی جب تک غیر حاملہ لونڈیون پر عدت حیض نہ گذر جائے اور حاملہ لونڈیون کا وضع حمل نہو جائے ان سے اس قسم کا فائدہ اٹھانا جائز نہین ہو سکتا، صحابۂ کرام غزوات مین اس حکم کی شدت کے ساتھ پابندی کرتے تھے، ایک بار حضرت رویفع بن ثابت انصاری رضؓ نے مغرب کے ایک گانؤن پر حملہ کیا، مال غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو فوج کو یہ ہدایت فرمائی،

من اصاب من هذا السبی فلا یطوءها حتی تحیض، | یہ لونڈیان جن لوگون کے حصے مین آئین، جب تک انکو حیض نہ آجائے، وہ ان سے جماع نہ کرین،

دوسری روایت مین ہے کہ انھون نے فرمایا،

ایها الناس انی لا اقول فیکم الا ما سمعت | لوگو! مین تم سے صرف وہی بات کہتا ہون جو مین نے

---

[۱] مقریزی جلد ۱ صفحہ ۱۸۴ [۲] مسند دارمی کتاب الجہاد باب النهی عن التفریق بین الوالدة وولدها،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قام فینا یوم حنین فقال لا یحل لامرئ یؤمن باللہ والیوم الآخر ان یسقی ماءہ زرع غیرہ یعنی اتیان الحبالی من السبایا وان یصیب امرأۃ ثیبا من السبی حتی یستبرئہا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے آپ نے حنین کے دن فرمایا جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ دوسرے کی کھیتی مین آبپاشی کرے یعنی حاملہ اور ثیبہ لونڈیون سے بغیر استبراء رحم جماع کرے،

غلامون کی آزادی

یہ وہ احسانات تھے جو صحابہ کرام حالت قید مین غلامون کے ساتھ کرتے تھے، لیکن ان کا اصلی احسان یہ ہے کہ جو لوگ قید کر کے غلام بنا لئے جاتے تھے، اکثر ان کو بھی مختلف طریقون سے آزاد کر دیتے تھے،

حضرت ام ورقہ بنت نوفلؓ ایک صحابیہ تھین، جنھون نے دو غلام مدبر[2] کئے تھے جنھون نے ان کو شہید کر دیا تھا کہ جلد آزاد ہو جائین[3]،

حضرت عایشہؓ نے ایک لونڈی اور ایک غلام کو آزاد کرنا چاہا مگر چونکہ دونون کا نکاح ہو گیا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے شوہر کو آزاد کرو تا کہ بی بی کو طلاق لینے کا اختیار باقی نہ رہے[4]،

ایک بار وہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ سے ناراض ہو گئین اور ان سے بول چال کی قسم کھائی، عفو تقصیر کے بعد کفارہ یمین مین ۴۰ غلام آزاد کئے[5]،

حضرت عبد الرحمن بن ابی بکرؓ دفعۃً حالت خواب مین مر گئے، حضرت عائشہؓ نے ان کی جانب سے[6]

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۰۸ و ۱۰۹ [2] مدبر ان غلامون کو کہتے ہین جن کی آزادی آقا کی موت کے ساتھ مشروط ہوتی ہے [3] ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ النساء [4] ابو داؤد کتاب الطلاق باب فی المملوکین یعتقان معاً ہل تخیر امرأتہ [5] بخاری کتاب الادب باب الہجرۃ [6] موطائے امام مالک کتاب العتق والولاء باب عتق الحی عن المیت،

بکثرت غلام آزاد کیے، ان کے پاس اسیران قبیلہ بنو تمیم میں سے ایک لونڈی تھی آپ نے فرمایا کہ اس کو آزاد کردو کیونکہ یہ اسماعیل کی اولاد میں سے ہے[1]،

حضرت میمونہؓ کی ایک لونڈی تھی جس کو انھوں نے آزاد کردیا، آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ "خدا تم کو اس کا اجر دیگا، لیکن اگر اپنے ماموں کو دیدیتیں تو اس سے زیادہ ثواب ملتا[2]"

سفینہ حضرت ام سلمہؓ کی ایک لونڈی تھی انھوں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گذاری کے لیے آزاد کردیا[3]،

ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں بیان کیا کہ میری ایک لونڈی دامن کوہ میں بکریاں چرا رہی تھی، بھیڑیا آیا اور ایک بکری کو اٹھالے گیا، اس پر میں نے اس کو طمانچے مارے، یہ واقعہ سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی، اور اس کو بلواکر پوچھا کہ خدا کہاں ہے؟ اس نے کہا "آسمان پر" پھر پوچھا میں کون ہوں؟ بولی "رسول اللہ" ارشاد ہوا کہ اس کو آزاد کردو یہ تو مسلمان ہے[4]،

مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس کو ایک رقم معین کے ادا کرنے کے بعد آزادی کا حق حاصل ہو جاتا ہے، حضرت ام سلمہؓ اپنے غلاموں کو مکاتب بناتی نہیں، لیکن قبل اس کے کہ پورا معاوضہ یعنے بدل کتابت ادا کریں، اس سے کسی قدر رقم لیکر جلد سے جلد آزاد کردیتی تھیں[5]،

ایک صحابی نے انتقال کیا تو وارث کی جستجو ہوئی، معلوم ہوا کہ کوئی نہیں ہے، ان کا صرف ایک آزاد کردہ غلام ہے، آپ نے اسی کو ان کی وراثت دلوادی[6]،

ایک غلام دو صحابیوں کے درمیان مشترک تھا، ایک صحابی نے اپنا حصہ آزاد کردیا، رسول اللہ

---

[1] مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل غفار واسلم وغیرہم [2] ابو داؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی صلۃ الرحم [3] ابو داؤد کتاب العتق باب فی العتق علی شرط [4] ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب تشمیت العاطس فی الصلوٰۃ [5] موطاے امام مالک کتاب العتق والولاء باب القطاعۃ فی الکتابۃ [6] ابو داؤد کتاب الفرائض باب فی میراث ذوی الارحام

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین اس کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا خدا کا کوئی شریک نہین،، اور اس غلام کو آزاد کر دیا[1]

حضرت حکیم بن حزام رضؓ نے زمانہ جاہلیت مین سو غلام آزاد کئے تھے، اسلام لائے تو زمانہ اسلام مین بھی سو غلام آزاد کئے[2]، ان غلامون کی آزادی نہایت شان وشوکت کے ساتھ عمل مین آئی، چنانچہ وہ حج کو ئے تو عرفہ کے دن ان غلامون کے گلے مین چاندی کے طوق ڈالکر لائے جن پر عتقاء اللہ عن حکیم بن حزام لکھا ہوا تھا، یعنی یہ حکیم بن حزام کی جانب سے خدا کی راہ مین آزاد ہین[3]،

حضرت عثمانؓ کی شہادت کا وقت آیا تو ۲۰ غلام آزاد کئے[4]،

حضرت عمرؓ نے انتقال کے وقت جو وصیتین کین ان مین ایک یہ تھی، من ادرک وفاتی من سبی العرب فھو حر من مال اللہ یعنی غلامانِ عرب مین سے جو لوگ میری وفات کا زمانہ پائین وہ خدا کے مال سے آزاد ہین[5]،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک غلام کو آزاد کیا تو غلام کے پاس جو مال تھا اگرچہ وہ اس کے مالک ہو سکتے تھے، لیکن مال بھی اسی کو دیدیا[6]،

حضرت ابو مذکورؓ ایک انصاری صحابی تھے، ان کی جائداد کی کل کائنات ایک غلام سے زیادہ نہ تھی لیکن انھون نے اس کو بھی مدبر کر دیا، لیکن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہین فرمایا اور فروخت کر کے ان کو اس قیمت[7] دلادی،

---

[1] ابو داؤد کتاب العتق باب فیمن اعتق نصیبا لہ من مملوک [2] مسلم کتاب الایمان باب بیان حکم عمل الکافر اذا اسلم بعدہ [3] نزہۃ الابرار تذکرہ حکیم ابن حزام [4] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۷۲، مسند عثمانؓ [5] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۰ [6] سنن ابن ماجہ ابواب العتق باب من اعتق عبدا ولہ مال [7] ابو داؤد کتاب العتق باب فی بیع المدبر ،

ایک اور صحابی کی ملک مین صرف ۶ غلام تھے جن کو انھون نے مرتے وقت آزاد کر دیا، لیکن وصیت کے قاعدے کے موافق آپ نے صرف دو غلامون کی آزادی کو جائز رکھا،

اسیران ہوازن مین سے حضرت عمرؓ کے پاس ایک لونڈی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کیا تو انھون نے بھی حکم دیا کہ یہ لونڈی بھی اپنی آزاد شدہ لوگون کے ساتھ کر دیجائے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام اور آقا کو بھائی بھائی بنا دیا تھا، اس لئے اگر صحابہ غلامون کے ساتھ سختی کے ساتھ پیش آجاتے تھے، تو اس جرم کے کفارے مین ان کو آزاد کر دیتے تھے حضرت ابو مسعود انصاریؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے اسی طرح ایک ایک غلام آزاد کئے تھے،

ایک صحابی آپ کی خدمت مین حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میرے دو غلام ہین، جو نہایت خائن، کذاب اور نافرمان ہین، مین جرائم پر ان کو برا بھلا کہتا ہون اور سزا دیتا ہون، اس معاملہ مین میرا کیا انجام ہوگا؟ ارشاد ہوا ان کی خیانت، کذب، نافرمانی اور تمھاری سزا کا حساب ہوگا، اگر تمھاری سزا ان کے جرایم سے زیادہ ہوگی تو اس زیادتی کا تم سے بدلہ لیا جائیگا، یہ سنکر وہ رونے پیٹنے لگے اور کہا کہ بہتر یہی ہے کہ مین ان کو اپنے پاس سے علیحدہ کر دون، آپ گواہ رہیے کہ وہ آزاد ہین،

ایک بار آپ نے حضرت ابو الہیثم بن التیہان انصاریؓ کو ایک غلام عنایت فرمایا اور ہدایت کی کہ اس کے ساتھ سلوک کرنا، ان کی بی بی نے کہا "تم سے یہ نہ ہو سکے گا، بہتر یہ ہے کہ اس کو آزاد کر دو" انھوں نے اسکو آزاد کر دیا،

[1] ابو داؤد کتاب العتق باب فیمن اعتق عبید الہ لم یبلغہم الثلث [2] ابو داؤد کتاب الصیام باب المتلف یعود المریض بخاری کتاب الجہاد مین ہر کہ دو لونڈیان تھین [3] ابو داؤد کتاب الادب باب فی حق المملوک [4] ترمذی ابواب تفسیر القرآن تفسیر سورۂ انبیاء [5] ترمذی ابواب الزہد،

ایک بار آپ نے حضرت ابوذرؓ کو ایک غلام دیا اور کہا کہ "اس کے ساتھ نیکی کرو" انھون نے یہی نیکی کی کہ اس کو آزاد کر دیا،[1]

حضرت ابوہریرہؓ اسلام لانے کے لئے چلے تو ساتھ مین غلام بھی تھا، وہ موقع پاکر راستے ہی مین بھاگا یا بھٹک گیا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوکر اسلام لائے، تو اسی حالت مین غلام بھی آیا، آپ نے فرمایا "ابوہریرہ! لینا تمھارا یہ غلام ہے" بولے "کہ آپ گواہ رہئے یہ خدا کی راہ مین آزاد ہے"[2]

ایک بار کسی شخص نے اپنے غلام سے کسی کام کو کہا وہ سو گیا، وہ آیا تو اس کے چہرے پر آگ ڈالدی، غلام گھبرا کر اٹھا تو کنوئین مین گر پڑا، حضرت عمرؓ نے اس کے چہرے کی حالت دیکھی تو اس کو آزاد کر دیا،[3]

صرف یہی نہین تھا کہ صحابۂ کرام اپنے مملوکہ لونڈی غلام کو آزاد کرتے تھے، بلکہ یہ اسقدر افضل کام خیال کیا جاتا تھا کہ دوسرون کے غلامون کو صرف آزاد کرنے کے لئے خریدتے تھے، چنانچہ حضرت عائشہؓ نے ایک لونڈی کو اس لئے خریدنا چاہا کہ اس کو آزاد کر دین[4]، ابتدائے اسلام مین حضرت ابوبکرؓ نے بھی سات غلام خرید کر آزاد کئے تھے،

حضرت زبیر بن عوامؓ نے ایک غلام خریدا اور اس کو آزاد کر دیا[5]، ان کے علاوہ کثرت غلامون کی صحابۂ کرام نے آزاد کیا،

میر اسماعیل نے بلوغ المرام کی شرح مین نجم الوہاج سے ایک فہرست نقل کی ہے، جسکی

---

[1] ادب المفرد باب العفو عن الخادم [2] بخاری ابواب الشرکۃ باب اذا قال لعبدہ ہو للہ ونوی لعتق والاشہاد فی العتق [3] ادب المفرد باب حسن الملکۃ [4] ابوداؤد کتاب الفرائض باب فی الولاء [5] موطائے امام مالک کتاب العتق والولاء باب جر العبد الولاء

روسے صحابۂ کرام کے آزاد کردہ غلامون کی تعداد اونتالیس ہزار دو سو سینتیس (٣٩٢٣٧) تک پہونچتی ہے، چنانچہ ان صحابہ کے نام اور ان کے آزاد کردہ غلامون کی تعداد حسب ذیل ہے،

حضرت عائشہؓ	٦٧	حضرت عباسؓ	٧٠
حضرت حکیم بن حزامؓ	١٠٠	حضرت عبداللہ بن عمرؓ	١٠٠٠
ذوالکلاع حمیری	٨٠٠٠	حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ	٣٠٠٠٠

اس کتاب مین حضرت ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلامون کی تعداد نہین بتائی ہے، لیکن لکھا ہے کہ انھون نے بکثرت غلام آزاد کئے[1]،

سیاسی حیثیت سے صحابۂ کرام نے غلامون کو جو حقوق عطا کئے، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے،

عرب کا غلام نہ بنانا اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے پاس قبیلہ بنو تمیم کی ایک لونڈی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ اس کو آزاد کر دو، کیونکہ یہ اسماعیل کی اولاد مین سے ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود آپ اہل عرب کا غلام بنانا پسند نہین فرماتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے عام قانون بنا دیا کہ عرب کا کوئی شخص غلام نہین بنایا جا سکتا، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت مین قبائل مرتدہ کے جو لوگ گرفتار ہوئے تھے ان کو انھون نے اسی بنا پر آزاد کرا دیا[2]، اسلام کے پہلے عرب کے جو لوگ لونڈی یا غلام بنالئے گئے تھے، ان کی نسبت یہ حکم دیا کہ اگر کسی قبیلہ کا کوئی شخص کسی قبیلہ مین غلام بنالیا گیا ہو تو وہ اس کے بدلے مین دو غلام بطور فدیہ کے دیکر آزاد کرا سکتا ہے، اسی طرح ایک لونڈی کے عوض مین دو لونڈی دیکر آزاد کرائی جا سکتی ہے[3]،

غیر قومین اگرچہ غلام بنائی جا سکتی تھین، تاہم حضرت عمرؓ نے ان کو بھی بہت کم غلام بنا[4]

[1] سبل السلام صفحہ ۵۳۳ [2] کتاب العتق [3] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ [4] طبقات ابن سعد تذکرہ ریاح بن حارث،

مصر فتح ہوا تو چھ لاکھ مرد اور عورت مسلمانون کے قبضہ مین آئے، فوج کے اکثر حصہ کا اصرار تھا کہ ان کو لونڈی غلام بنا کر تمام فوج پر تقسیم کر دیا جائے، لیکن حضرت عمرؓ نے جزیہ مقرر کر کے ان کو بالکل آزاد کر دیا، چند گانون کے لوگون نے مسلمانون کے خلاف جنگ کی تھی، وہ گرفتار ہوے تو لونڈی غلام بنا کر مدینہ مین بھیجدیے گئے، لیکن حضرت عمرؓ نے ان کو بھی واپس کر دیا[1]

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام عام حکم بھیجدیا کہ کوئی کاشتکار یا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے[2]

حضرت عمرؓ کے عہد مین زراعت کو جو ترقی ہوئی اور اس کی وجہ سے محاصل و خراج مین جو اضافہ ہوا اس کی اصل وجہ یہی تھی کہ انھون نے اکثر مفتوح قومون کو آزاد رکھا اور وہ آزادی کے ساتھ زراعت کے کاروبار مین مصروف رہین،

غلامون کو مکاتب بنانا غلامون کی آزادی کی ایک صورت یہ ہے کہ ان سے یہ شرط کر لی جائے کہ اتنی مدت مین وہ اس قدر رقم ادا کر کے آزاد ہو سکتے ہین، یہ حکم خود قرآن مجید مین مذکور ہے،

فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا — اگر تم کو غلامون مین بھلائی نظر آئے تو ان سے مکاتبت کر لو،

لیکن حضرت عمرؓ کی خلافت سے پہلے یہ حکم وجوبی نہین سمجھا جاتا تھا، یعنی آقا کو معاہدۂ مکاتبت کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تھا، لیکن حضرت عمرؓ نے عملاً اس حکم کو وجوبی قرار دیا، چنانچہ جب سیرین نے اپنے آقا حضرت انسؓ سے مکاتبت کی درخواست کی اور انھون نے اس کو منظور کرنے سے انکار کر دیا، تو حضرت عمرؓ نے ان کو بلوا کر کوڑے لگوائے اور قرآن مجید کی اس آیت کے رو سے ان کو معاہدہ کتابت کرنے پر مجبور کر دیا[3]،

حضرت عمرؓ ہمیشہ اس قسم کے غلامون کی آزادی مین آسانیان پیدا کرتے رہتے تھے،

---

[1] حسن المحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۷۵ [2] کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۱۲ [3] صحیح بخاری، کتاب المکاتب،

ایک بار ایک مکاتب غلام نے مال جمع کر کے بدل کتابت ادا کرنا چاہا لیکن آقا نے ایک بار اس رقم کے لینے سے انکار کر دیا، اور بالاقساط لینا چاہا، وہ حضرت عمرؓ کی خدمت مین حاضر ہوا تو انھون نے کل رقم لیکر بیت المال مین داخل کر وادی اور کہا تم شام کو آنا مین تمھین آزادی کا فرمان لکھدونگا، اسکے بعد لینے پانہ لینے کا تمھارے آقا کو اختیار ہوگا، آقا کو خبر ہوئی تو اس نے آکر یہ رقم وصول کر لی[1]

ام ولد کے بیع و شرا کی ممانعت آقا سے جس لونڈی کے اولاد پیدا ہو جاتی ہے، اس کو ام ولد کہتے ہین حضرت عمرؓ کے عہد خلافت سے پہلے اس قسم کی لونڈیان عام لونڈیون کے برابر سمجھی جاتی تھین لیکن حضرت عمرؓ نے یہ عام قاعدہ مقرر فرمادیا کہ اس قسم کی لونڈیان نہ فروخت کیجا سکتین نہ ان مین وراثت جاری ہو سکتی، نہ ان کا ہبہ ہو سکتا، بلکہ وہ آقا کی موت کے بعد آزاد ہو جائینگی[2] اس طرح لونڈیون کی آزادی کا نیا راستہ نکل آیا،

اسیران جنگ سے اعزہ و اقارب کو جدا نہ کرنا اگرچہ صحابۂ کرام مذہبًا اور اخلاقًا خود ہی قیدیون کو ان کے اعزہ و اقارب سے جدا کرنا ناجائز سمجھتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے قانونًا و حکمًا اس کی ممانعت فرمادی چنانچہ تمام امرائے فوج کے نام فرمان بھیجے کہ بھائی کو بھائی سے اور لڑکی کو مان سے جدا نہ کیا جائے[3] ایک بار بازار مین شور سنکر، حضرت عمرؓ نے اپنے دربان یرفا کو بھیجا تو معلوم ہوا کہ ایک لونڈی کی مان فروخت کیجارہی ہے، انھون نے تمام مہاجرین و انصار کو جمع کیا اور آیۃ "ولا تقطعوا ارحامکم" کو پڑھکر کہا کہ اس سے بڑھکر کیا قطع رحم ہو سکتا ہے؟ کہ لڑکی کو مان سے جدا کیا جائے، چنانچہ اس کے بعد تمام امرا کے نام فرمان بھیجدیا کہ اس قسم کا قطع رحم جائز نہین[4]

غلامون کے وظیفے بیت المال سے مسلمانون کو جو وظیفہ ملتا تھا، اس مین غلام برابر کے شریک تھے، اذّل اوّل حضرت ابوبکرؓ نے غلامون کو بیت المال مین تمام مسلمانون کا شریک بنایا، ابوداؤد ۲۲۷،

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ ابوسعید المقبری۔ [2] موطائے امام محمدؒ باب بیع امہات الاولاد [3] کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۲۶ و

کتاب الخراج میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے،

کان ابی یقسم للحر والعبد، — میرے باپ غلام اور آزاد کو مال تقسیم فرما دیتے تھے،

حضرت عمرؓ نے جب باضابطہ طور پر تمام مسلمانوں کے وظائف مقرر فرمائے تو آقا کے برابر غلاموں کے وظائف بھی مقرر فرمائے،[1] ان کو اس بات میں اسقدر کد تھی کہ جب ایک عامل نے غلاموں کو وظیفہ نہیں دیا، تو اس کو لکھ بھیجا کہ کسی مسلمان کا اپنے بھائی مسلمان کو حقیر سمجھنا نہایت بری بات ہے،[2] حضرت عمرؓ نے اور مختلف طریقوں سے غلاموں کو مالی اعانتیں دیں، اہل عوالی کے مزدوری پیشہ غلاموں کی مردم شماری کرائی اور ان کے روزینے جاری کئے، حضرت عثمانؓ نے اس کو اور ترقی دی، اور خوراک کے ساتھ کپڑے بھی مقرر فرمائے، حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ ہفتہ کے روز عوالی کو جاتے اور جو غلام ازکار رفتہ نظر آتے ان کے ٹکس معاف کر دیتے،

حضرت عثمانؓ نے عام طور پر یہ ہدایت کی کہ جو لونڈی کوئی پیشہ نہیں جانتی اور جو غلام صغیر السن ہیں ان کو کسی پیشہ کی تکلیف نہ دیجائے ورنہ ناجائز طریقے سے وہ روزینہ پیدا کرینگے، لیکن اس کے ساتھ ان کو عمدہ کھانا دیا جائے،[3]

غلاموں کی تعلیم | سب سے بڑھکر یہ کہ صحابہ کرام نے غلاموں کو تعلیم بھی دلائی، ایک بار چند عیسائی غلام پکڑ کر آئے، تو حضرت عمرؓ نے ان کو مکتب میں داخل کر دیا،[4]

حضرت عثمانؓ نے حمران بن ابان کو خرید کر لکھنا سکھایا، اور اپنا میر منشی بنایا،[5] بخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ مکاتب میں آزاد بچوں کے ساتھ بہت سے غلاموں کے لڑکے بھی تعلیم پاتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت ام سلمہؓ نے اون صاف کرنے کے لئے مکتب سے لڑکے طلب کئے تو کہلا بھیجا

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۵۰ [2] فتوح البلدان صفحہ ۴۶۲ [3] موطاے امام مالک کتاب الجامع باب الامر بالرفق بالمملوک [4] فتوح البلدان صفحہ ۱۲۵ [5] فتوح البلدان صفحہ ۳۰۰،

کہ آزاد بچے نہ بھیجے جائیں[1]،

غلامون کو امان دینے کا حق دینا امان دینے کا حق صرف فاتح قوم کو حاصل ہوتا ہے، لیکن خلفار نے یہ حق خود غلامون کو بھی دیا، چنانچہ ایک بار مسلمانون نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا تو ایک غلام نے محصور فوج کو امان دیدی، تمام مسلمانون نے کہا "اس کا اعتبار نہین ہے" لیکن ان لوگون نے کہا ہم آزاد اور غلام کو نہین جانتے،، اب اس باب مین حضرت عمرؓ سے استصواب کیا گیا تو انھون نے لکھ بھیجا کہ مسلمانون کے غلامون کا معاہدہ خود مسلمانون کا معاہدہ ہے[2]،

غلامون کی عزت وآبرو کی حفاظت خلفار راشدین لونڈیون اور غلامون کی عزت وآبرو کا اسی قدر پاس کرتے تھے، جس قدر ایک آزاد مرد یا آزاد عورت کا کیا جاسکتا ہے، ایک بار ایک غلام نے کسی لونڈی کی ناموس پر ناجائز حملہ کیا۔ اور حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو غلام کو جلاوطن کر دیا[3]،

مساوات ان حقوق کے علاوہ ذاتی طور پر خلفار راشدینؓ غلامون کو عام مسلمانون کے برابر سمجھتے تھے، چنانچہ اس کی بعض مثالین حسن معاشرت کے عنوان مین گذر چکی ہین،

ان تمام مراتب کے پیش نظر ہو جانے کے بعد صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صحابۂ کرام کے زمانے مین شخصی اور ملکی دونون حیثیتون سے غلام غلام نہین رہے تھے، بلکہ مسلمانون کے ایک فرد بن گئے تھے،

---

[1] بخاری کتاب الدیات باب من استعان عبدا او صبیا [2] فتوح البلدان صفحہ ۴۰۹ [3] موطاے امام محمدؒ باب الاستکراہ فی الزنار،

رعایا کی آسایش کا انتظام

حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک یہ معمول تھا کہ خراج وغیرہ کی جو رقم وصول ہوتی تھی، ہر شخص پر تقسیم کر دی جاتی تھی، اور اس میں غلام و آزاد کی کوئی تخصیص نہ تھی، ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے،

کان ابی یقسم للحر والعبد[۱] — میرے باپ غلام اور آزاد دونوں پر مال تقسیم کر دیتے تھے،

لیکن حضرت عمرؓ نے اس کے ساتھ لوگوں کی خوراک بھی مقرر فرمائی، اول اول جب یہ انتظام قایم کرنا چاہا تو دو لاکھ وقت ایک ایک جریب آٹا پکوایا اور ۳۰، ۳۰ آدمیوں کو کھلایا، سب کو کافی ہوا تو ماہوار مرد، عورت، اور غلام سب کے لئے دو جریب آٹا مقرر کیا، اعلان عام کے لیے پیمانہ ہاتھ میں لیکر منبر پر چڑھے، اور فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کے لیے اس قدر ماہوار خوراک مقرر کر دی ہے، جو شخص اس کو گھٹائیگا اس کو خدا سمجھے گا، یہ طریقہ اسقدر مقبول عام ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کو بد دعا دیتا تھا تو کہتا تھا کہ خدا تمھاری جریب موقوف کر دے یعنی تجھین موت دے[۲]،

حضرت عمرؓ نے وظائف میں خاص موقعوں پر قومیت کی تفریق و امتیاز کو بھی بالکل مٹا دیا، چنانچہ ایک بار مقام جابیہ میں گئے، وہاں چند عیسائی جذامیوں کو دیکھا تو حکم دیا کہ بیت المال سے ان کے وظیفے مقرر کر دیئے جائیں[۳]، ایک بار ایک بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا،

---

[۱] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب ما فی قسم الفئی [۲] فتوح البلدان صفحہ ۴۶۵ و ۴۶۶ [۳] فتوح البلدان ص ۱۳۶

تو اس کو خود اپنے گھر لائے، اور جو کچھ ہو سکا دیا، پھر بیت المال کے خزانچی کو لکھ بھیجا کہ اس قسم کے اشخاص کا لحاظ رکھا جائے۔ قرآن مجید میں صدقہ کے جو حصہ دار ہیں ان میں فقرا سے مسلمانوں اور مساکین سے اہل کتاب مراد ہیں[۱]،

ان کے علاوہ جو معزز لوگ کسی وجہ سے مفلوک الحال ہو جاتے تھے ان کے لئے بھی وہ وظیفے مقرر فرما دیتے تھے، چنانچہ ایک موقع پر خود فرمایا،

انما فرضت لقوم اجحفت بہم الفاقۃ وہم سادۃ عشائرہم لما نیوبہم من الحقوق[۲]

میں نے چند فاقہ زدہ لوگوں کے لئے وظیفہ مقرر کر دیا ہے جو اپنے قبیلہ کے سردار تھے، لیکن قومی حقوق کی گرانباری نے ان کو مفلوک الحال بنا دیا،

شیر خوار بچون کے وظیفے

حضرت عمرؓ نے تمام مجاہدین کے بچون کے لئے بھی دس دس درہم وظیفے مقرر فرمائے، پہلے یہ معمول تھا کہ بچے دودھ چھوڑتے تھے تو ان کے وظیفے جاری کئے جاتے تھے، لیکن بعد کو جب معلوم ہوا کہ لوگ حصول وظیفہ کے لئے قبل از وقت بچون کا دودھ چھڑا دیتے ہین تو حضرت عمرؓ نے عام اعلان کر دیا کہ قبل از وقت بچون کا دودھ نہ چھڑاؤ ہم روز ولادت ہی سے بچون کے وظائف مقرر کر دینگے، حضرت عمرؓ کے بعد اور خلفاء نے اس کو اسقدر ترقی دی کہ اس مین وراثت جاری ہوتی تھی، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے وراثت کے طریقے کو موقوف کرنا چاہا، لیکن پھر رک گئے،

حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے زمانہ مین حضرت عمرؓ کا وہی قدیم نظام پھر قایم کر دیا یعنے بچے جب دودھ چھوڑ دیتے تھے، اس وقت سے ان کے وظیفے جاری کرتے تھے، اخیر مین عبدالملک ابن مروان نے اس نیا ضانہ طریقے کو کلیتہً موقوف کر دیا[۳]،

[۱] کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف صفحہ ۷۲، [۲] مسند ابن حنبل جلد ا صفحہ ۵۸، [۳] فتوح البلدان صفحہ ۴۶۴،

لاوارث بچون کے وظیفے | حضرت عمرؓ نے ۱۸ھ مین یہ حکم دیا کہ جو لاوارث بچے شاہراہ وغیرہ پر پڑے ہوے ملین ان کے دودھ پلانے اور دیگر مصارف کا انتظام بیت المال سے کیا جائے، چنانچہ یہ وظیفہ سو درہم سے شروع ہوتا تھا، پھر سال بسال اس مین ترقی ہوتی جاتی تھی، موطاے امام مالک مین ہے کہ قبیلہ بنو سلیم کا ایک شخص اسی قسم کا ایک بچہ اٹھا لایا تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اس کو لیجاؤ، اس کے نفقہ کا بار ہم پر رہیگا،[۱]

قحط کا انتظام | قحط، رعایا کے لئے سب سے بڑی مصیبت ہے، ایک بار حضرت عمرؓ کے زمانے مین قحط پڑا، تو انھون نے اپنے اوپر گھی اور دودھ کو حرام کر لیا، اور رعایا کے آرام و آسایش کے لئے ہر ممکن تدبیر کی، تمام اُمراء و عمال کو لکھ بھیجا کہ اہل مدینہ کی مدد کرین، چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ نے چار ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوے بھیجے،[۲]

حضرت عمرو بن العاصؓ گورنر مصر کو لکھا کہ خراج مین جو غلہ وصول ہو وہ مدینہ کو روانہ کیا جائے، چنانچہ انھون نے روغن زیتون اور ۲۰ جہاز غلہ روانہ کیا جن مین کم وبیش ہر جہاز مین ۳ ہزار اردب غلہ تھا، حضرت عمرؓ متعدد اکابر صحابہ کے ساتھ بذات خود ملاخطہ کے لئے بندرگاہ پر گئے جس کا نام جار تھا، وہان پہونچکر ان غلون کے رکھنے کے لئے دو مکان تعمیر کرائے، اور حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ قحط زدون کے نام لکھے جائین، چنانچہ جن لوگون کے نام لکھے گئے ان کو ایک ایک چک ملتی تھی، جس پر حضرت عمرؓ کی مہر ہوتی تھی[۳]

اس کے علاوہ ہر جگہ سے اونٹ گیہون اور روغن زیتون منگوا کر بدوُن مین تقسیم کیا، جب یہ تمام سرمایہ ختم ہو چکا تو یہ انتظام کرنا چاہا کہ جو لوگ صاحب مقدرت ہون ان کے گھرون مین جس قدر آدمیون کی تعداد ہو، اسی تعداد مین محتاجون کی کفالت ان کے متعلق کی جائے، کیونکہ ایک

---

[۱] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۷۱، و فتوح البلدان صفحہ ۴۵۷، موطاے امام مالک کتاب الاقضیہ باب القضاء فی المنبوذ
[۲] طبری صفحہ ۲۵۷۷، [۳] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۶، و یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۷۷،

آدمی کا کھانا دو شخصون کی سد رمق کے لئے کافی ہوتا ہے، لیکن اس کے پہلے باران رحمت کی دعا فرمائی، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول کر لیا، اس لئے اس انتظام کی ضرورت پیش نہین آئی،

رعایا کی شکایتون سے واقف ہونیکے وسایل | ہمارے سلاطین وامراءین کتنے لوگ ہین جن کے پردہائے گوش فریادیون کی کرخت آواز کے متحمل ہو سکتے ہین، لیکن صحابہ کرام ہمہ وقت رعایا کی آرام و آسائش کی فکر مین مصروف رہتے تھے، اس لئے ان کے درد دکھ سے واقفیت حاصل کرنے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کرتے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے اپنے مختصر عہد خلافت مین حج کے موقعہ پر تمام لوگون سے عام طور پر پوچھ لیا تھا کہ کسی کو کوئی شکایت تو نہین ؟[1] حضرت عمرؓ نے اس کو اور بھی ترقی دی اور خفیہ طور متعدد لوگون کو مقرر فرمایا جو ان تک تمام جزئیات کی خبرین پہونچاتے رہتے تھے، کنز العمال مین ہے؛

کان لعمر عیون علی الناس[2]، — حضرت عمرؓ نے لوگون پر جاسوس مقرر فرمائے تھے،

تمام امراء وعمال کو حکم دیا تھا کہ لوگون کے سامنے دروازے نہ بند کرین، تاکہ ہر شخص بلا روک ٹوک اپنی شکایتیں پیش کر سکے، اخیر مین تمام ملک کے دورہ کا بھی ارادہ کیا تھا، لیکن شام کے سوا موت نے دوسرے مقامات کے دورہ کا موقع نہین دیا،

حضرت عثمانؓ کو رعایا کی خبر گیری کا اس قدر خیال تھا کہ عین خطبہ کی حالت مین لوگون سے ان کے حالات اور بازار کا نرخ دریافت فرماتے تھے،

موذی جانورون کا قتل | مہذب سلطنتین رعایا کے آرام و آسایش کا جو انتظام کرتی ہین ان مین ایک یہ ہے کہ موذی جانورون کو ملک سے فنا کرنیکی کوشش کرتی ہین، یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے جانورون کے قتل پر انعام دیا جاتا ہے، صحابہ کرام نے بھی اس قسم کا انتظام کیا تھا، نصیبین مین بچھو بکثرت تھے، جس سے وہان کے مسلمانون کو اذیت پہونچتی تھی، وہان کے عامل نے حضرت

---

[1] ادب المفرد باب المواسات فی السنۃ والمجاعۃ [2] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۳۱ [3] کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۱۴

امیر معاویہؓ کی خدمت مین اس کی شکایت کی تو انھون نے لکھا کہ تمام شہر کے لوگون پر بچھوون کی ایک تعداد مقرر کر دیجائے کہ ہر رات کو پکڑ لائین، چنانچہ وہ لوگ ان کے پاس پکڑ کر لاتے تھے، اور وہ مار ڈالے جاتے تھے، اس طرح بچھوؤن کی تعداد مین بہت کچھ کمی ہو گئی،[1]

سجستان مین بکثرت سانپ رہتے تھے، جب حضرت عبد الرحمان بن سمرہؓ نے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت مین اس کو بصلح فتح کیا تو چونکہ نیولے اور خارپشت سانپ کو کھا جاتے ہین، اس لئے معاہدۂ صلح اس شرط پر کیا کہ کوئی شخص ان دونون جانورون کو نہ مار سکیگا،

[1] معجم البلدان ذکر نصیبین [2] طبقات ابن سعد تذکرۂ حضرت عبد اللہ بن عامرؓ

مذہبی خدمات

اشاعت اسلام

صحابۂ کرام نے آغاز اسلام ہی سے اس نیک کام کو شروع کیا اور اخیر تک اس کو قائم رکھا، سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اسلام لائے تو ان کے اخلاقی اثر سے متعدد اکابر صحابہ دائرۂ اسلام مین داخل ہوئے جن مین پانچ بزرگ عشرہ مبشرہ مین سے تھے، اسد الغابہ تذکرۂ حضرت ابوبکرؓ مین ہے،

اسلم علی یدہ جماعۃ لمحبتھم ومیلھم الیہ حتی انہ اسلم علی یدہ خمسۃ من العشرۃ،

ان کے ہاتھ پر ایک جماعت جس کو ان کے ساتھ محبت تھی اسلام لائی یہان تک کہ عشرہ مبشرہ مین سے بھی پانچ بزرگ ان کے ہاتھ پر اسلام لائے،

حضرت عثمانؓ کے تذکرے مین صاحب اسد الغابہ نے بعض نامون کی تفصیل بھی کی ہے؛ چنانچہ لکھتے ہین،

کان رجال قریش یاتونہ ویالفونہ لغیر واحد من الامر لعلمہ وتجاربہ وحسن مجالستہ فجعل یدعو الی الاسلام من وثق بہ من قومہ ممن یغشاہ

قریش کے لوگ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آتے تھے اور متعدد وجوہ مثلاً علم، تجربہ اور حسن مجالست کی بنا پر ان سے محبت کرتے تھے چنانچہ ان آنیوالون اور ساتھ بیٹھنے والون مین جن لوگون پر ان کو اعتماد تھا ان کو

ويجلس اليه فاسلم على يديه فيما بلغني الزبير بن العوام وعثمان بن عفان وطلحة بن عبيد الله،

انھون نے دعوت اسلام دی اور جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے ان کے ہاتھ پر حضرت زبیرؓ بن عوام حضرت عثمان بن عفانؓ، اور حضرت طلحہ بن عبیدؓ اللہ اسلام لائے،

تاریخ خمیس مین ان بزرگون کے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبدالرحمان ابن عوفؓ، حضرت عثمان بنؓ مظعون، حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ، حضرت ابو سلمہؓ بن عبدالاسد اور ارقم بن ابی الارقمؓ کا نام بھی لیا ہے[۱]،

حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ کی کوششون سے قریش مین اسلام پھیلا، حضرت عمیرؓ ایک صحابی تھے جو ابتدا مین اسلام کے سخت دشمن تھے، غزوۂ بدر مین ان کا ایک لڑکا گرفتار ہوا تو وہ اس کی رہائی کے بہانے سے مدینہ مین آئے کہ چل کر (نعوذ باللہ) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمہ کردین، لیکن توفیق ایزدی نے یاوری کی اور یہان آکر مسلمان ہو گئے، پلٹے تو قریش کو دعوتِ اسلام دی اور ان کے اثر سے بہت سے لوگ مسلمان ہوئے[۲]،

مردون کے ساتھ عورتین بھی اس شرف سے محروم نہ رہین چنانچہ حضرت ام شریکؓ ایک صحابیہ تھین جو مخفی طور پر قریش کی عورتون کو اسلام کی دعوت دیتی تھین، قریش کو ان کی مخفی کوششون کا حال معلوم ہوا تو ان کو مکہ سے نکالدیا[۳]،

ان بزرگون کی مساعی جمیلہ کا اثر اگرچہ صرف مکہ بلکہ صرف قریش تک محدود رہا لیکن اور متعدد صحابہ کو اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی اور وہ باہر سے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام لائے اور آپکی خدمت سے واپس جاکر اپنے اپنے حلقۂ اثر مین

[۱] تاریخ خمیس صفحہ ۲۸۷، [۲] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمیر بنؓ وہب [۳] اسد الغابہ تذکرہ حضرت ام شریکؓ،

اشاعت اسلام کی مقدس خدمت انجام دی، ان بزرگون مین حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ، حضرت اکثمؓ، حضرت عروہ بنؓ مسعود ثقفی، اور انصار کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے حضرت ابوذر غفاریؓ فطرۃً نیکی کے قبول کرنے کا مادہ رکھتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات سے پہلے پابند نماز ہو چکے تھے، ایکبار حسن اتفاق سے ان کے بھائی حضرت انیسؓ مکہ مین آئے اور پلٹ کر ان کو خبر دی کہ مکہ مین تمھارا ایک ہم مذہب پیدا ہوا ہے جو اپنے آپ کو خدا کا رسول کہتا ہے لوگ اگرچہ اس کو شاعر، کاہن، اور ساحر کہتے ہین لیکن مجکو اس کا کلام ان سب سے مختلف معلوم ہوتا ہے" یہ سنکر حضرت ابوذر غفاریؓ کے دل مین بھی شوق پیدا ہوا اور تحقیق کے لئے خود مکہ تشریف لائے ایک دن رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ نکلے اور خانہ کعبہ کا طواف کیا، حضرت ابوذر غفاریؓ بھی وہین موجود تھے، آپ نماز سے فارغ ہوئے تو انھون نے آکر اسلامی طریقہ کے موافق سلام کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مختلف حالات پوچھے، اور حضرت ابوبکرؓ نے درخواست کی کہ آج کی رات مجھے ان کی دعوت کا شرف حاصل ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ تشریف لے گئے، حضرت ابوبکرؓ نے گھر کا دروازہ کھولا، اور طائف کے منقے پیش کئے، اس کے بعد وہ دوبارہ آپ کی خدمت مین حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا" مجھے مدینہ کی ہجرت کا حکم ہوا ہے تم میری طرف سے اپنی قوم کو اسلام کا پیغام پہونچا سکتے ہو؟، شاید تمھاری وجہ سے خدا ان کو نفع پہونچائے اور تمھین ثواب دے،، وہ پلٹے تو اپنے بھائی انیس کو دعوت اسلام دی اور انھون نے بخوشی لبیک کہا اس کے بعد ماں کو مائل بہ اسلام کیا وہ بھی بخوشی حلقۂ اسلام مین داخل ہوئین پھر تمام قوم کو اسلام کی طرف بلایا نصف لوگ اسی وقت مسلمان ہو گئے اور نصف لوگون نے کہا کہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد ہم لوگ اسلام لائین گے

چنانچہ جب آپ مدینہ آئے تو وہ لوگ بھی مشرف بہ اسلام ہوئے قبیلہ غفار ہی کے متصل اسلم کا قبیلہ آباد تھا وہ لوگ بھی حاضر خدمت ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ جس چیز پر ہمارے بھائی اسلام لائے ہیں اس پر ہم بھی اسلام لاتے ہیں آپ نے یہ سنکر فرمایا،

غفار غفر اللہ لہا واسلم سالمہا اللہ[1] خدا غفار کی مغفرت کرے اور اسلم کو سلامت رکھے،

حضرت طفیل بن عمرو آپکی خدمت میں حاضر ہوئے تو پہلے ہی سے دل نور ایمان سے لبریز تھا، چاہا کہ خود ان کے وطن کو دار الہجرت بننے کا شرف حاصل ہو اس غرض سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ایک محفوظ قلعہ میں پناہ گزین ہونا پسند فرماتے ہیں؟ یہ قلعہ خود ان کی قوم کا تھا، لیکن آپ نے انکار کیا، اس لئے وہ واپس گئے، اور جب آپنے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو وہ ایک مہاجر کو ساتھ لیکر مدینہ میں آئے اور شرف ہجرت حاصل کیا[2] یہ صحیح مسلم کی روایت ہے جس سے فی الجملہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے اثر سے بعض لوگوں نے اسلام قبول کیا لیکن اسد الغابہ میں ہے کہ وہ آپ کی خدمت سے پلٹ کر متصل اشاعت اسلام کی خدمت انجام دیتے رہے یہان تک کہ جب آپ نے ہجرت فرمائی تو انھون نے بھی قبیلہ دوس کے ستر یا اسی گھرانون کے ساتھ ہجرت کی جو سب کے سب ان ہی کے اثر سے مسلمان ہوئے تھے[3]،

حضرت اکثم کو ظہور اسلام کی خبر ہوئی تو دو شخصون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین بھیجا کہ تحقیق حال کرین، وہ دونون خدمت مبارک مین حاضر ہوے تو آپ نے ان کو یہ آیت سنائی،

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان خدا، عدل، احسان، اور قرابت دارون کے دینے کا

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ابی ذر رض [2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لا یکفر
[3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رض

وایتاءِ ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون، حکم کرتا ہے، اور فحاشی، برائی اور ظلم سے منع فرماتا ہے، خدا تم کو یہ نصیحت کرتا ہے، شاید تم سمجھو اور سوچو،

ان لوگون نے جاکران سے یہ واقعہ بیان کیا توانھون نے تمام قوم کی طرف خطاب کرکے کہاکہ" اے قوم میری رائے مین یہ پیغمبر مکارمِ اخلاق کا حکم دیتا ہے اور ذمائمِ اخلاق سے روکتا ہے، تم لوگ قبول اسلام مین دُم نہ بنو، سر بنو، مقدم ہو، متأخر نہ ہو،، اس کے بعد تا دمِ مرگ اس کوشش مین مصروف رہے، انتقال ہوا تو اہل وعیال کو تقویٰ اور صلہ رحمی کی وصیت کی[1]

حضرت عُروہ بن مسعود ثقفیؓ قبیلۂ ثقیف کے سردار اور انہین نہایت ہر دلعزیز تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ طائف سے فارغ ہوکر مدینہ کو پلٹے توانھون نے راستہ ہی مین جاکر اسلام قبول کیا اور وہان سے آکر اپنے قبیلہ کو دعوت اسلام دی ان کو اگرچہ اس مقصد مین کامیابی نہین ہوئی بلکہ ان کو خود ان کی قوم نے اشاعت اسلام کے جرم مین قتل کر دیا، تاہم انھون نے اپنا مذہبی فرض ادا کر دیا،[2]

انصار مین اولاً چھ شخص مکہ مین آئے اور اسلام قبول کیا مکہ سے پلٹ کر انھون نے خود تبلیغ اسلام کا فرض ادا کرنا شروع کیا، اوران کو اس قدر کامیابی ہوئی کہ انصار کا کوئی گھر کلمۂ توحید کی آواز اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر سے ناآشنا نہ رہا، دوسرے سال بارہ ۱۲ آدمی آئے، اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، جو بیعت عقبۂ اولیٰ کے نام سے مشہور ہے[3]، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو تعلیم قرآن کے لئے کر دیا اور انھون نے اس خدمت کے ساتھ اشاعت اسلام کا مقدس فرض بھی ادا کیا، چنانچہ ان کی کوششون سے

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت اکثم بن صیفیؓ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عُروہ بن مسعودؓ
[3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت رافع بن مالکؓ، ومسند ابن حنبل ج ۴، ص ۱۷۳

بکثرت لوگ مسلمان ہوئے جن مین انصار کے گل سرسبد حضرت اسید بن حضیرؓ اور حضرت سعد بن معاذؓ بھی شامل تھے، مسلمانون کی تعداد مین معتد بہ اضافہ ہوا تو انھون نے ان کے ساتھ باجماعت جمعہ کی نماز ادا کی؎۱

حضرت سعد بن معاذؓ اسلام لائے تو اپنے قبیلہ سے کہا کہ اب مجھپر تم سے بات چیت کرنا حرام ہے، چنانچہ اسی روز انکا تمام قبیلہ مسلمان ہوگیا؎۲

ان بزرگون کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ ہین جنھون نے اپنے اپنے قبائل مین اشاعت اسلام کی چنانچہ ان کے حالات مین ان کوششون کا ذکر جابجا آیا ہے، مثلاً صاحب اسد الغابہ حضرت قیس بن غزبہؓ کے تذکرہ مین لکھتے ہین،

دعا قومہ الی الاسلام — اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی،

حضرت قیس بن یزیدؓ کے حالات مین تحریر فرماتے ہین،

فدعا قومہ الی الاسلام فاسلموا — انھون نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہوگئے

حضرت قیس بن نشبہؓ اسلمی کے تذکرہ مین لکھتے ہین،

اسلم و رجع الی قومہ فقال یا بنی سلیم سمعت ترجمۃ الروم و فارس و اشعار العرب والکہان و مقاول حمیر فما کلام محمد یشبہ من کلامھم فاطیعونی فی محمد فانکم اخوالہ

وہ اسلام لاکر پلٹے تو کہا کہ اے بنو سلیم مین نے روم و فارس کے تراجم اور عرب اور کاہنان اور حمیر کے بہادرون کے اشعار سنے لیکن محمدؐ کا کلام ان سب سے الگ ہے پس محمدؐ کے معاملے مین میری اطاعت کرو کیونکہ تم ان کے ماموں ہو،

؎۱ اسد الغابہ تذکرۂ حضرت مصعب بن عمیرؓ و تاریخ خمیس صفحہ ۳۱۷، ؎۲ اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن معاذؓ ؎۳ فتح الباری جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۷،

فتح مکہ کے بعد اس سلسلہ کو اور ترقی ہوئی اور تمام قبائل کے سرداروں نے اشاعت اسلام میں حصہ لیا، چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری مین لکھتے ہین،

ان مکۃ لما فتحت بادرت العرب باسلامہم فکان کل قبیلۃ ترسل کبراءھا لیسلموا ویتعلموا ویرجعوا الی قومہم فیدعوھم الی الاسلام

فتح مکہ کے بعد تمام عرب نے اسلام کی طرف نہایت تیزی سے قدم بڑھایا ہر قبیلہ اپنے سرداروں کو بھیجتا تھا کہ جاکر اسلام لائین اور تعلیم دین حاصل کرکے پلٹین تو اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دین،

اس بنا پر تمام قبائل کا اسلام ان سرداروں کے اسلام اور تبلیغ و دعوت پر موقوف تھا، ابوداؤد مین ہے کہ قبیلۂ ہمدان نے حضرت عامر بن شہرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین بھیجا کہ جو تمھاری راے قرار پائیگی اس کو ہم سب منظور کرلینگے، وہ آپ کی خدمت مین حاضر ہوکر اسلام لاے اور ان کے بعد ان کا تمام قبیلہ مسلمان ہوگیا،[1]

ایک صحابی کسی چشمے کے مالک تھے جب ان تک دعوت اسلام پہونچی تو انھون نے اپنی قوم کو اسلام لانے کے لیے سوّا ونٹ دیے لیکن یہ اسلام کا حقیقی معاوضہ نہ تھا چنانچہ جب وہ لوگ اسلام مین پختہ ہوگئے تو انھون نے اونٹون کو واپس لینا چاہا اور مشورہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین اپنے بیٹے کو بھیجا، آپ نے فرمایا ان کو واپس لینے یا نہ لینے کا اختیار ہے،[2]

جن لوگون کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشاعت اسلام کے لیے بھیجا ان کے نام رجال وسیر کی کتابون مین بکثرت ملتے ہین، جن مین سے چند یہ ہین،

حضرت مالک بن مرارہ الرہاوی رضی اللہ عنہ انھون نے عک، اور ذی خیوہ ان کو دعوت اسلام دی اور

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج باب فی حکم ارض الیمن [2] ابوداؤد کتاب الخراج باب فی العرافۃ،

اس کے ساتھ ان کی قوم نے بھی اسلام قبول کیا،

حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قبیلہ بنو لیث کی تبلیغ وہدایت کے لیے بھیجا

حضرت عبداللہ بن عوسجۃ البجلی رضی اللہ عنہ

آپ نے ان کو قبیلہ بنی حارثہ کے پاس بھیجا،

حضرت محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

آپ نے ان کو اہل فدک کی ارشاد وہدایت کے لیے بھیجا

حضرت مسعود بن وائل رضی اللہ عنہ

آپ نے ان کے متعلق خود انکی قوم کی تبلیغ وہدایت فرمائی،

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

ان کی ننھال قبیلہ بلی میں تھی جو بدؤن کا ایک قبیلہ ہے، اور اس تعلق سے بدؤن سے مانوس تھے، آپ نے ان کو بدون کی تبلیغ وہدایت کے لئے منتخب فرمایا،

حضرت مالک بن احمر رضی اللہ عنہ

یہ اسلام لائے اور خود درخواست کی کہ مجھے ایک فرمان لکھدیا جائے کہ اس کے ذریعہ سے اپنی قوم کو دعوت اسلام دون

حضرت ابوزید انصاری رضی اللہ عنہ

آپ نے ان کے ذریعہ سے عبید و جعفر کو دعوت اسلام دی، وہ دونون اسلام لائے اور وہان کے تمام عرب کو دعوت اسلام دی جس کو سب نے بخوشی قبول کیا،

حضرت علاء بن عبداللہ الحضرمی رضی اللہ عنہ

آپ نے ان کو بحرین میں بھیجا کہ وہان کے لوگون کو دعوت اسلام دین، اور منذر بن ساوی، اور سیبخت کے نام حضور کے ساتھ خط دیا، وہ دونون مسلمان ہوگئے اور ان کے اثر سے وہان کے تمام عرب اور بعض عجم نے اسلام قبول کیا،

حضرت وبر بن یحنس کلبی رضی اللہ عنہ

آپ نے ان کو یمن میں بھیجا وہ نعمان بن بزرخ کی صاحبزادیون کے یہان اترے، اور وہ سب مسلمان ہوگئین،

انھون نے فیروز دیلمی اور مرکبنود کو پیغام اسلام دیا،
اور وہ بھی مسلمان ہو گئے،

وعظ و پند، ارشاد و ہدایت، اور تبلیغ و دعوت کے علاوہ صحابۂ کرام کے حسن اخلاق کی خاموش زبان نے بھی بعض قبائل کو اسلام کی طرف مائل کیا اور وہ لوگ بطیب خاطر مسلمان ہوئے، ایک غزوہ مین صحابۂ کرام پیاس سے بیتاب ہو کر پانی کی تلاش مین نکلے تو حسن اتفاق سے ایک عورت مل گئی جس کے ساتھ پانی کا مشکیزہ تھا صحابہؓ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین لائے اور آپ کی اجازت سے پانی کو استعمال کیا، اگرچہ آپنے اسی وقت اس کو پانی کا معاوضہ دلوا دیا تاہم صحابۂ کرام پر اس کے احسان کا یہ اثر تھا کہ جب اس عورت کے گاؤن کے اس پاس حملہ کرتے تھے تو خاص اس کے گھرانے کو چھوڑ دیتے تھے، اس پر اس منت پذیری کا یہ اثر ہوا کہ اس نے اپنے تمام خاندان کو قبول اسلام پر آمادہ کیا اور وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے،[۱]

صحابۂ کرام کے یہ وہ مساعی جمیلہ تھے جن کے اثر سے متعدد قبائل نے اسلام قبول کیا لیکن ان قبائل کے علاوہ اور بھی متفرق لوگ ہین جو صحابہ کرام کے ذریعہ سے اسلام لائے، حضرت ام حکیم بنت الحارث رضی اللہ عنہا کی شادی عکرمہ بن ابی جہل سے ہوئی تھی، وہ خود فتح مکہ کے دن اسلام لائین، لیکن ان کے شوہر بھاگ کر یمن مین چلے آئے، حضرت ام حکیم نے یمن کا سفر کیا اور ان کو دعوت اسلام دی، وہ مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوئے تو آپ ان کو دیکھکر خوشی سے اچھل پڑے، بدن پر چادر تک نہ تھی لیکن ان سے اسی حالت مین بیعت لی،[۲]

---

[۱] یہ مختصر فہرست اسد الغابہ اور فتوح البلدان سے تیار کی گئی ہے، ابو داؤد کتاب الخراج مین بھی ان بزرگون کے نام ملتے ہین، اگر رجال کی کتابون کا استقصار کیا جائے تو ایک طویل فہرست تیار ہو سکتی ہے [۲] بخاری کتاب الغسل باب الصعید الطیب وضوء المسلم [۳] موطاے امام مالک کتاب النکاح باب نکاح المشرک اذا اسلمت زوجتہ قبلہ،

حضرت ابو طلحہ رضؓ نے حالت کفر میں حضرت ام سلیم رضؓ سے نکاح کرنا چاہا، لیکن انھوں نے کہا کہ تم کافر ہو اور میں مسلمان ہوں نکاح کیونکر ہو سکتا ہے؟ اگر اسلام قبول کر لو تو وہی میرا مہر ہوگا، اس کے سوا تم سے کچھ نہ مانگوں گی، چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے اور اسلام ہی ان کا مہر قرار پایا[۱]،

حضرت جبار سلمی رضؓ نے حالت کفر میں شہدائے بیر معونہ میں سے ایک قاری کو نیزہ مارا تو انھوں نے زخم کھانے کیساتھ ہی نہایت موثر لہجے میں کہا،

فزت و اللہ

خدا کی قسم میں کامیاب ہوا،

حضرت جبار کو تعجب ہوا کہ میں نے تو ان کو قتل کر دیا آخر ان کو کامیابی کیونکر ہوئی؟ بعد کو معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام شہادت ہی کو اپنی کامیابی سمجھتے تھے، چنانچہ اسی اثر سے انھوں نے اسلام قبول کر لیا[۲]،

حضرت ابوہریرہ رضؓ اگرچہ خود مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے لیکن ان کی ماں کافرہ تھیں، اس لیے ان کو برابر دعوت اسلام دیتے رہتے تھے، ایک روز ان کو اسلام کی ترغیب دی تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا، ان کو یہ کیونکر گوارا ہو سکتا تھا، روتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور کہا کہ آپ میری ماں کے لیے دعائے ہدایت فرمایئے، آپ نے دعا فرمائی کہ خداوندا ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت دے، پلٹے تو دیکھا کہ دروازہ بند ہے اور پانی گرنے کی آواز آرہی ہے، ان کی ماں نے پانوں کی آہٹ پائی تو کہا، "ابوہریرہ! آگے نہ بڑھو"، نہا دھو کر فوراً کپڑے پہنکر دروازہ کھولا اور کلمۂ توحید پڑھا، حضرت ابوہریرہ رضؓ کو اسقدر مسرت ہوئی کہ خوشی کے مارے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ خدا نے آپ کی دعا قبول کر لی[۳]،

وفد بنو تمیم آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تمہارے آنے کا کیا مقصد ہے؟

---

[۱] اسد الغابہ تذکرہ حضرت زید بن سہل بن اسود رضؓ [۲] اسد الغابہ تذکرہ حضرت جبار بن سلمی رضؓ،
[۳] مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ابوہریرۃ الدوسی،

سب نے جواب دیا کہ "ہم اپنے شاعر اور اپنے خطیب کو لائے ہین کہ آپ سے مفاخرت کرین"،
ارشاد ہوا کہ "ہم نہ شاعری کے لئے مبعوث ہوئے نہ ہم کو خدا نے مفاخرت کا حکم دیا تاہم آؤ اور
مفاخرت کرو"، اقرع بن حابس ساتھ تھے انھون نے ایک جوان کی طرف اشارہ کیا اس نے کھڑے
ہوکر تقریر کی اور اپنی قوم کے تمام مفاخر گنائے، حضرت ثابت بن قیسؓ آپکے خطیب تھے آپنے
ان کو مقابلے کے لیے کھڑا کیا تو انھون نے اس کا جواب دیا اس کے بعد زبرقان بن بدر کے حکم سے
ایک نوجوان کھڑا ہوا اور اپنی قوم کی مدح مین چند اشعار سنائے، آپ نے حضرت حسان بن
ثابتؓ کو جواب دینے کا حکم دیا اور انھون نے ایک قصیدے مین انصار کے اسلامی کارنامے
گنائے، ابھی قصیدہ ختم نہین ہوا تھا کہ اقرع نے کہا "یا رسول اللہ میرا مقصد ان سب سے الگ ہے،
یہ دو شعر سن لیجیے"، اس نے شعر پڑھے تو آپ کے حکم سے حضرت حسانؓ نے اس کی تردید کی،
یہ کل دو شعر تھے جس کا آخری مصرع یہ تھا،

لنا خول من بین ظیر وخادم — تمھارا قبیلہ ہمارا نوکر تھا، عورتین دایہ اور مرد خادم تھے

آپ نے یہ سنا تو فرمایا کہ "اے بنو دارم کے بھائی (اقرع کا قبیلہ تھا) جبکہ تمام لوگ اس کو
بھول گئے تھے مجھکو اس کی یاد تازہ کرانے کی ضرورت نہ تھی، ان لوگون پر اس کا سخت اثر ہوا، اس
جملہ معترضہ کے بعد حضرت حسان بن ثابتؓ نے پھر اپنا قصیدہ پڑھنا شروع کیا، آخر کار، اقرع بول
اٹھا کہ "خدا جانے کیا بات ہے کہ ان کا خطیب ہمارے خطیب سے اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بہتر ثابت
ہوا"، یہ کہکر آپ کے قریب آیا اور کلمہ توحید پڑھکر مسلمان ہوگیا،[1]

خلفاء راشدین کے زمانے مین اور بھی کثرت سے اسلام پھیلا، حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت مین
مثنی بن حارثہ شیبانی ایک نہایت مشہور اور بہادر شخص تھا جو خود بخود مسلمان ہوگیا اور اس کے ساتھ

[1] اسد الغابہ تذکرۂ حضرت اقرع بن حابسؓ،

اس کی قوم کے بہت سے لوگ بھی اسلام لائے، وہ پہلے عراق مین غارتگری کیا کرتا تھا، اب وہ خود حضرت ابوبکرؓ کی خدمت مین حاضر ہوا اور درخواست کی کہ میری قوم کے جو لوگ مسلمان ہو گئے ہین مجھکو ان کا امیر العسکر مقرر فرما دیجیے، ان کے ذریعہ سے مین ایرانیون پر حملہ کرون گا، حضرت ابوبکرؓ نے اس کو ایک اجازت نامہ لکھدیا، وہ وہان سے چل کر مقام خفان مین آیا اور بقیہ قوم کو دعوت اسلام دی اور تمام لوگ بخوشی مسلمان ہو گئے،[1]

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت مین فتوحات کے ساتھ ساتھ اور بھی وسعت سے اسلام کی اشاعت ہوئی، جب جنگ قادسیہ مین رستم مارا گیا تو اس کے ساتھ دیلم کی جو چار ہزار منتخب فوج تھی اور خسرو پرویز کی باڈی گارڈ ہونے کی وجہ سے چند شاہنشاہ کے لقب سے ممتاز تھی کل کی کل مسلمان ہو گئی، اور مسلمان ہونے کے بعد مداین اور جلولاء کے معرکہ مین نمایان حصہ لیا،[2] قادسیہ کی جنگ مین ضخم، مسلم، رافع، اور عشق بھی اپنے تمام رفقاء کے ساتھ مسلمان ہوئے اور انہی کے مشورے سے مسلمانون نے جنگی ہاتھیون پر قابو پایا،[3] اصفہان کے حملہ کے بعد جب جے فتح ہوا تو اس پاس کے تمام رؤسا جو اپنے قلعون مین پناہ گزین تھے مسلمان ہو گئے،[4] قزوین پر حملہ ہوا تو دیلم کی جو قوم وہان آباد تھی کل کی کل مسلمان ہو گئی،[5]

اسوارہی یزدگرد کے مقدمۃ الجیش کا ایک بڑا افسر تھا، یزدگرد جب اصفہان کو روانہ ہوا تو سیاہ کو تین سو سوارون کے ساتھ جن مین ستر سردار تھے اصطخر کی طرف روانہ کیا اور حکم دیا کہ ہر شہر سے اپنے ساتھ سپاہی انتخاب کر کے لیتا چلے، وہ اصطخر پہونچا تو معلوم ہوا کہ حضرت ابوموسیٰ

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۵۰ [2] فتوح البلدان صفحہ ۲۸۹ طبری صفحہ ۲۲۶۱ مین ہے کہ ان مین کچھ لوگ جنگ سے پہلے اور کچھ جنگ کے بعد مسلمان ہو کر شریک جنگ ہوئے، اور ان کو مال غنیمت سے حصہ دیا گیا، اور دو دو ہزار کا وظیفہ مقرر ہوا [3] طبری صفحہ ۲۲۳۲ [4] فتوح البلدان صفحہ ۳۲۱ [5] فتوح البلدان صفحہ ۳۲۹،

اشعری رضؓ نے سوس کا محاصرہ کیا ہے اس لئے یزدگرد نے سیاہ کو سوس بھیجدیا، وہ جب فتح ہوگیا، توسیاہ نے
تمام سردارون کو جمع کرکے کہا کہ "ہم پہلے ہی کہتے تھے کہ یہ قوم اس سلطنت پر غالب ہوجائیگی اور
اصطخر کے محل ان کے گھوڑون کے اصطبل بن جائین گے، اب بہتر یہی ہے کہ ہم لوگ ان کے مذہب
مین داخل ہوجائین،، چنانچہ وہ سب کے سب چند شرائط پر مسلمان ہوگئے اور ان کے ساتھ سیابجہ
زط، اور اندغار نے بھی جو ہندوستانی قومین تھین اسلام قبول کرلیا،[1]

جلولار کی فتح کے بعد اس اطراف کے تمام بڑے بڑے رؤسا، مثلاً جمیل ابن بصبھری،
بسطام بن ترسی، دنیل اور فیروز مسلمان ہوگئے،[2]

تستر کا محاصرہ ہوا تو ہرمزان نے اطاعت قبول کرلی اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ
نے اس کو حضرت عمرؓ کی خدمت مین بھیجدیا اور وہ ان کی خدمت مین پہونچکر مسلمان ہوگیا،
تستر سے فارغ ہوکر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جندیساپور کا رخ کیا تو وہان سے کچھ لوگ
بھاگ کر کلبانیہ چلے گئے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ربیع بن زیاد کو ان کے تعاقب مین روانہ
کیا اور انھون نے جاکر کلبانیہ کو فتح کرلیا، وہان کے اساورہ نے امان طلب کی اور امان حاصل
ہونے کے بعد سب کے سب مسلمان ہوگئے،[3]

یہ وہ لوگ ہین جو جماعت کے ساتھ دائرہ اسلام مین داخل ہوئے لیکن ان کے علاوہ تاریخون
مین اور بھی بہت سے نومسلمون کے نام ملتے ہین جو متفرق طور پر اسلام لائے، فتوح البلدان
مین ہے کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کی خدمت مین حاضر ہوا اور کہا کہ "مین مسلمان ہوگیا ہون، میرا
خراج معاف کردیجئے"[4]

تستر کی جنگ مین حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس ایک عجمی نے آکر امان طلب کی

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۸۲ [2] فتوح البلدان صفحہ ۲۷۴ [3] فتوح البلدان صفحہ ۳۸۹ [4] فتوح البلدان صفحہ ۲۷۷

اور مسلمان ہو گیا،[۱]

روزبہ بن بزرجمہر بن ساسان ایرانی فوج کا ایک افسر تھا جو رومیون سے مل گیا تھا لیکن اس کو رومیون پر اعتماد نہین تھا، بالآخر حضرت سعد بن مالک رض نے اس کو ایک خط کے ساتھ حضرت عمر رض کی خدمت مین بھیجا جس مین اس کے حالات سے اطلاع دی، وہ دربار خلافت مین پہونچکر مسلمان ہو گیا، اور حضرت عمر رض نے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا،[۲]

دمشق فتح ہوا تو وہان کا پادری جس کا نام اور کون تھا حضرت خالد رض کے ہاتھ پر اسلام لایا،[۳]

حضرت کعب احبار سفر بیت المقدس مین حضرت عمر رض کی خدمت مین حاضر ہوے اور اسلام لائے،[۴]

شریح بن ہانی شیبانی ایک شخص تھا جس کی بی بی حضرت عمر رض کے ہاتھ پر اسلام لائی اور حضرت عمر رض نے ان دونون مین تفریق کرا دی،[۵]

مصر اور افریقہ مین بھی بکثرت اسلام پھیلا، حضرت عمرو بن العاص رض نے جب مصر کے بعض قصبات کے لوگون کو لونڈی غلام بنا کر عرب مین بھیجا اور وہ فروخت ہو کر عرب مین پھیل گئے، تو حضرت عمر رض نے ان کو ہر جگہ سے بلا کر مصر بھیجدیا اور لکھا کہ ان کو اختیار ہے خواہ اسلام لائین خواہ اپنے مذہب پر قایم رہین،

چنانچہ ان مین بلہیب کے رہنے والے کل کے کل مسلمان ہو گئے،[۶] ان کے علاوہ اور بھی بہت سے قیدیون نے اسلام قبول کیا، تاریخ طبری مین ہے کہ جب تمام قیدی اکٹھا کئے گئے تو عیسائیون کے سامنے ایک ایک قیدی کو لایا گیا اور اس کو عیسائیت پر قایم رہنے

---

[۱] فتوح البلدان صفحہ ۲۰۰ [۲] طبری صفحہ ۲۴۹۴ [۳] معجم البلدان ذکر قنطرۃ سنان [۴] وفاء الوفا صفحہ ۲۰۹ [۵] وفاء الوفاء صفحہ ۲۱۲ [۶] مقریزی صفحہ ۱۶۷ جلد اوّل،

یا اسلام قبول کرنے کا اختیار دیا گیا، جب کوئی قیدی اسلام قبول کرتا تھا تو مسلمان اس زور سے تکبیر کا نعرہ مارتے تھے کہ کسی شہر کے فتح پر بھی تکبیر کی صدا مین یہ غلغلہ انگیزی نہین پائی جاتی تھی، لیکن اگر وہ عیسائیت پر قایم رہتا تھا تو مسلمانون کو اس قدر صدمہ ہوتا تھا کہ گویا کوئی آدمی خود ان کی جماعت سے نکل گیا ہے، بعض واقعات نے اسلام اور عیسائیت کی اس کشمکش کو نہایت دلچسپ بنا دیا تھا، ابو مریم ایک عیسائی تھا جس کے سامنے یہ دونون مذہب پیش کیے گئے، توفیق ایزدی نے اعانت کی اور اس نے اسلام قبول کر لیا اور مسلمانون نے فوراً اس کو اپنی جماعت مین شامل کر لیا، لیکن ابو مریم کے باپ، ماں اور بھائی بھی موجود تھے، انھون نے اس کو اپنی طرف کھینچا اور باہم اس قدر کشمکش ہوئی کہ اس کے کپڑے پرزے پرزے ہو گئے،

دمیاط کی فتح کے بعد جب اسلامی فوجین آگے بڑھین تو بقارہ اور وزادہ سے لیکر عسقلان تک ہر جگہ اسلام پھیل گیا[1]۔

شطا مصر کا ایک مشہور شہر ہے، وہان کا رئیس پہلے ہی سے مسلمانون کی طرف مائل تھا، جب اسلامی فوجین دمیاط مین پہونچین تو دو ہزار آدمیون کے ساتھ نکل کر مسلمانون سے جا ملا اور مسلمان ہو گیا[2]، ان نومسلمون کی اس قدر کثرت ہوئی کہ وہ الگ الگ محلون مین آباد کرائے گئے، چنانچہ فسطاط مین تین محلے قایم کیے گئے جن مین دو محلے یونانی نومسلمون کے اور ایک یہودی نومسلمون کا تھا اور ان کا خاندان اس قدر وسیع تھا کہ ایک ایک معرکہ مین ان کے ہزار ہزار آدمی شریک ہوتے تھے[3]،

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت مین بھی بہت کچھ اسلام کی اشاعت ہوئی ان کے زمانے مین جب آذربائیجان والون نے بغاوت کی اور اشعث بن قیس نے اس کو فتح کرکے ان کے ساتھ معاہدہ صلح کیا تو وہان بہت سے عرب آباد کرا دیے کہ لوگون کو اسلام کی دعوت دین، ان

---

[1] طبری صفحہ ۲۵۸۳ [2] مقریزی صفحہ ۱۸۴ [3] مقریزی جلد ۱ صفحہ ۲۲۶ [4] مقریزی جلد اول صفحہ ۲۹۸

لوگون کی ہدایت وارشاد کا یہ اثر ہوا کہ اشعث بن قیس دوبارہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے آذربائیجان کے گورنر مقرر ہوکر آئے تو ان مین اکثر لوگ مسلمان ہوکر قرآن مجید پڑھ چکے تھے[1]،

ایک بار بہت سی رومی لونڈیان گرفتار ہوکر آئین تو حضرت عثمانؓ نے ان کو دعوتِ اسلام دی اور ان مین سے دو اسلام لائین[2]،

حضرت امیر معاویہؓ کے عہد خلافت مین بھی بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے، چنانچہ جب انھون نے افریقہ کو فوج روانہ کی تو نافع بن قیس قریشی نے جو برقہ اور زویلہ کے گورنر تھے اس مین ان بربرہ کو بھی داخل کیا جو اسلام لاچکے تھے، اس فوج گران کے ساتھ جب نافع نے افریقہ کے شہرون پر حملہ کیا تو اور بھی بہت سے بربر اسلام لائے، معجم البلدان مین ہے،

واسلم علی یدہ خلق من البربر وفشا فیھم دین اللہ حتی اتصل ببلاد السودان[3]،	ان کے ہاتھ پر بہت سے بربر اسلام لائے اور ان مین خدا کا دین پھیل گیا یہان تک کہ سوڈان تک پہونچ گیا،

غیر قومون کے علاوہ عرب نے ابتدا ہی سے نہایت ذوق وشوق کے ساتھ اسلام قبول کرنا شروع کیا، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت مین جب حضرت خالد بن ولیدؓ نے عراق پر حملہ کیا تو ربیعہ وغیرہ کے جو قبائل وہان آباد تھے سب کے سب مسلمان ہوگئے[4]،

حضرت عمرؓ کے زمانے مین جب حضرت ابوعبیدہؓ نے قنسرین پر حملہ کیا تو قبیلہ تنوخ کے بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے، جو لوگ عیسائیت پر قایم رہے ان مین بھی ایک جماعت نے خلیفہ مہدی کے زمانے مین اسلام قبول کرلیا، قبیلہ طے کے جو لوگ یہان آباد تھے ان مین بھی

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۳۰، [2] ادب المفرد باب خفض المراۃ۔ [3] معجم البلدان ذکر قیروان [4] طبری صفحہ ۲۱۲۲،

بہت سے لوگ اسلام لائے جن لوگون نے جزیہ پر مصالحت کر لی تھی وہ بھی کچھ دنون کے بعد دائرہ اسلام مین شامل ہو گئے، حلب کے آس پاس جو عرب آباد ہو گئے تھے اسی سلسلہ مین انھون نے پہلے تو جزیہ پر مصالحت کر لی پھر بعد کو اسلام قبول کر لیا[۱]، اسی طرح جب مسلمان شام مین آئے تو بہت سے شامی عرب مسلمان ہو گئے[۲]

تکریت پر حملہ ہوا تو تغلب، ایاد، نمر وغیرہ کے جو قبائل وہان آباد تھے سب کے سب اسلام لائے اور مسلمانون نے انھی کی جاسوسی سے تکریت کو فتح کیا[۳]،

ابتدائے اسلام سے خلفاء کے زمانے تک جن قومون اور جن ملکون مین اسلام پھیلا، یہ اس کی نہایت سادہ تاریخ ہے اب تاریخی حیثیت سے صرف یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ صحابۂ کرام کے عہد مین اسلام کیونکر پھیلا ؟ یورپ کے نزدیک اس سوال کا جواب ہمیشہ تلوار کی زبان نے دیا ہے، لیکن ہم نے جو واقعات جمع کر دیئے ہین، ان مین ایک واقعہ بھی ایسا نہین جس سے جبر ہی اسلام کی شہادت مہیا کی جا سکے، عہد نبوت مین صحابۂ کرام کے مساعی جمیلہ سے اسلام کی جو کچھ اشاعت ہوئی، وہ محض ان کے وعظ و پند، ہدایت و ارشاد، فضائل اخلاق، اور ذاتی رسوخ و اقتدار کے بدولت ہوئی، عہد خلافت مین بے شبہہ فتوحات کے ساتھ ساتھ اشاعتِ اسلام نے بھی وسعت و عمومیت حاصل کی لیکن اس زمانہ مین بھی کسی سے تلوار کی زبان سے کلمہ نہین پڑھوایا گیا بلکہ چند لوگون نے تو صرف صحابہؓ کے فضائل اخلاق کی بناپر اسلام قبول کیا چنانچہ جنگ (۱) قادسیہ مین ایک ایرانی گرفتار ہو کر آیا اور مسلمان ہو گیا، اس کو مسلمانون کی وفاداری، راستبازی، اور ہمدردی کا منظر نظر آیا تو بیساختہ کہنے لگا کہ جب تک تم مین یہ اوصاف موجود ہین تم شکست نہین کھا سکتے اب مجھے ایرانیون سے کچھ مطلب نہین رہا[۴]

---

[۱] فتوح البلدان صفحہ ۱۵۲ [۲] فتوح البلدان صفحہ ۱۵۰ [۳] طبری صفحہ ۲۴۷۵ [۴] طبری صفحہ ۲۲۶۴،

شطا جو مصر کا ایک بہت بڑا رئیس تھا مسلمانون کی اخلاقی حالت کا چرچا سنکر گرویدۂ اسلام ہوگیا، اور دو ہزار آدمیون کے ساتھ اسلام قبول کرلیا، تاریخ مقریزی مین ہے،

فخرج شطا فی الفین من اصحابه ولحق بالمسلمین وقد کان قبل ذالک یحب الخیر ویمیل الی مایسمعه من سیرۃ اهل الاسلام،

شطا دو ہزار آدمیون کے ساتھ نکلا اور مسلمانون کی جماعت مین شامل ہوگیا، وہ پہلے نیکی کو دوست رکھتا تھا اور مسلمانون کے محاسن اخلاق کو سنکر ان کی طرف مائل تھا،

صحابہؓ کے محاسن اخلاق مین مساوات ایک ایسا وصف تھا جو خود قلوب کو اپنی طرف مائل کرتا تھا، بالخصوص جب مسلمانون کی مساویانہ طرز معاشرت کا ایرانیون کی ناہموار طرز معاشرت سے مقابلہ ہوتا تھا تو یہ وصف خصوصیت کے ساتھ نمایان ہوجاتا تھا اور حق پسند لوگ خواہ مخواہ بندون کی غلامی سے رہائی حاصل کرنا چاہتے تھے، چنانچہ ایک بار زہرہ نے رستم سے دوران گفتگو مین اسلام کے جو محاسن بتائے ان مین ایک یہ تھا

اخراج العباد من عبادۃ العباد الی عبادۃ اللہ تعالیٰ،

بندون کو بندون کی غلامی سے نکالکر خدا کی غلامی مین داخل کرنا اسلام کا اصلی مقصد ہے،

رستم نے یہ سنکر کہا لیکن ایرانیون نے تو اردشیر کے زمانے سے طبقۂ سافلہ کے پیشے متعین کر دیئے ہین اور کہتے ہین کہ اگر وہ اس دائرے سے نکلے تو شرفا کے حریف بن جائینگے، رفیل ایک شخص ابتدا ہی سے اس گفتگو کو سن رہا تھا اس پر اس کا یہ اثر ہوا کہ رستم چلا گیا تو اس نے فوراً اسلام قبول کرلیا[1]،

(۲) بہت سے لوگ دعوت و تبلیغ سے اسلام لائے، مثلاً مثنیٰ بن حارثہ شیبانی کی کل قوم اس کی

---

[1] طبری

دعوت سے اسلام لائی، ایک بار بہت سی رومی لونڈیاں آئیں حضرت عثمان رضؓ نے ان کو دعوتِ اسلام دی اور ان میں سے دو مسلمان ہوگئیں، قنسرین اور حلب پر حملہ ہوا تو وہاں کے عرب قبائل حضرت ابو عبیدہؓ کی دعوت سے اسلام لائے،

جب اشعث بن قیس نے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں آذربائیجان کو فتح کیا تو وہاں اہل عرب کی ایک جماعت مقرر کر دی کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں چنانچہ اس مقدس جماعت کے اثر سے چند ہی دنوں میں بہت سے لوگ مسلمان ہو کر قرآن مجید کی تعلیم سے بہرہ اندوز ہوگئے،

(۳) بہت سے لوگوں نے بطوع و رضا خود اسلام قبول کیا چنانچہ جنگ اسکندریہ کے بعد جب اسیران جنگ کو اختیار دیا گیا کہ وہ خواہ اسلام قبول کریں خواہ اپنے مذہب پر قائم رہیں تو ان میں بہت سے قیدیوں نے خود بخود اسلام قبول کرلیا،

(۴) بعض لوگ بے شبہہ مغلوب ہو کر اسلام لائے لیکن ان کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا گیا بلکہ ان کو خود نظر آیا کہ اب ان کی بھلائی اسی میں ہے کہ اسلام کے دائرے میں داخل ہو جائیں چنانچہ جنگ قادسیہ میں رستم کے قتل کے بعد یزدگرد کی باڈی گارڈ فوج نے کہا کہ ہماری حالت ایرانیوں سے مختلف ہے، اب ہمارا کوئی ٹھکانا نہیں ہم نے ایرانیوں کے لئے کوئی نمایاں کام نہیں کیا اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم مسلمانوں کے دین میں داخل ہو کر ان کے ذریعہ سے عزت حاصل کریں[۱] سیاہ اسواری نے اپنے رفقاء کے ساتھ اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا تو کہا کہ "ہم لوگ پہلے ہی سے کہتے تھے کہ یہ لوگ (مسلمان) اس سلطنت پر غالب ہو جائینگے اور اصطخر کے محل ان کے گھوڑوں کے اصطبل بن جائینگے، اب تم ان کا غلبہ علانیہ دیکھ رہے ہو، سوچو، اور ان کے دین میں داخل ہو جاؤ"

| نومسلموں کی تکمیل | اسلام کی ابتدا نہایت عزت کے ساتھ ہوئی اس کے ساتھ وہ ابتدا میں اتقد |

---

[۱] فتوح البلدان صفحہ ۲۸۵،

مبعوث تھا کہ جو شخص اس کو قبول کرتا تھا اس کو مجبوراً اپنے گھر بار، اہل وعیال، اور دولت ومال سے کنارہ کش ہونا پڑتا تھا، اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ جو لوگ اسلام کے دائرہ مین داخل ہوتے تھے، اسلام ہی کو ان کے سدرمق کا متکفل ہونا پڑتا تھا، اس بناپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضؓ کو اس خاص خدمت پر مامور کردیا تھا کہ جو محتاج مسلمان آئین قرض لیکر ان کے کھانے اور کپڑے کا انتظام کردین، اس کے بعد جب کہین سے مال آتا تو وہ قرض ادا کردیا جاتا[1]، لیکن صحابہؓ کی ذاتی فیاضیان بھی بہت کچھ اس کار خیر مین حصہ لیتی تھین، بالخصوص حضرت ابوبکرؓ کو اکثر اس کی توفیق ہوتی تھی، ان کو تجارتی کاروبار نے نہایت دولتمند بنا دیا تھا اور ان کی دولت کا بڑا حصہ مسلمانون کی دستگیری اور اعانت مین صرف ہوتا تھا، اصابہ مین ہے،

وعنده لما اسر بعون الفا فكان يعتق منها ويعول المسلمين،	ان کے پاس چالیس ہزار ..... تھے جن سے وہ غلامون کو آزاد کراتے تھے اور مسلمانون کا تکفل فرماتے تھے،

حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا ایک نہایت دولت مند اور فیاض صحابیہ تھین اس لئے ان کا گھر گویا مسلمانون کا مہمان خانہ بن گیا تھا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کو ان کے یہان صرف اس بناپر عدت بسر کرنے کی اجازت نہین دی کہ ان کے گھر مین مہمان کی کثرت سے پردہ کا انتظام نہین ہوسکتا تھا[2]، حضرت درہ بنت ابی لہب بھی نہایت فیاض تھین اور مسلمانون کو کھانا کھلایا کرتی تھین[3]، کبھی کبھی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کرام کو نومسلمون کی اعانت کی طرف متوجہ فرماتے اور صحابہ بخوشی

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین [2] صحیح مسلم کتاب الطلاق باب المطلقۃ ثلاثاً لا نفقۃ لہا وکتاب الفتن واشراط الساعۃ باب فی خروج الدجال [3] اصابہ تذکرہ درہ،

ان کا تکفل فرماتے، ایک بار قبیلہ بنو عذرہ کے تین شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اور اسلام قبول کیا، آپ نے فرمایا ان کا بار کون اٹھائیگا، حضرت طلحہؓ نے کہا "میں"[1]،

مہاجرین میں جو لوگ مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو صحابہؓ کے حوالے کر دیتے تھے اور صحابہ ان کو تعلیم دیتے تھے اور ان کی معاش کے متکفل ہوتے تھے، چنانچہ تعلیم قرآن کے عنوان میں اس کی مثالیں آئینگی،

---

[1] مسند جلد ۱ صفحہ ۱۶۳،

اقامت دین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عقائد و اعمال کی جو سطح قایم ہو چکی تھی، صحابہ کرامؓ نے نہایت مستعدی و سرگرمی کے ساتھ اس کو قایم رکھا،

عقاید | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب عرب میں ارتداد کی عام ہوا چل گئی تو حضرت ابوبکرؓ نے اس کے دفعیہ کے لیے اپنی پوری طاقت صرف کر دی، اور ان کے مساعی جمیلہ نے جو نیک نتائج پیدا کیے، تاریخ میں ان کی تفصیل پڑھکر اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان کے عہد میں اسلام مر کے دوبارہ زندہ ہوا اور کلمۂ توحید کی صدا خاموش ہو کر دوبارہ غلغلہ انداز عالم ہوئی،

حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ اللہ تعالی نے اور بھی متعدد صحابہ کو اس نیک خدمت کے انجام دینے کی توفیق عطا فرمائی، اور انھوں نے بہت سے لوگوں کو قعر ضلالت میں گرنے سے بچایا، چنانچہ جب تمام ملک عرب کے اس عالمگیر ارتداد کی خبروں سے گونج اٹھا تو حضرت سہیلؓ بن عمرو کو خوف ہوا کہ کہیں خود قریش بھی اس وبا میں مبتلا نہ ہو جائیں، اس لیے انھوں نے خصوصیت کے ساتھ قریش کی طرف خطاب کر کے ایک طویل خطبہ دیا جس کے چند فقرے یہ ہیں،

یا معشر قریش لا تکونوا اخر من اسلم	اے گروہ قریش یہ نہو کہ تم سب کے اخیر میں
واول من ارتد واللہ ان ھذا	تو اسلام لاؤ اور سب سے پہلے مرتد ہو جاؤ، خدا کی قسم یہ دین

الذین لیمتدن امتد اذا لشمس و القمر من طلوعہما الی غروبہما، وہاں تک پھیلے گا جہاں تک چاند اور سورج کے طلوع وغروب کی حد ہے،

اس خطبے کا یہ اثر ہوا کہ تمام قبیلہ قریش اسلام پر قایم رہا،

حضرت ثمامہ بن آثال یمامہ کے رئیس تھے، آپ کے وصال کے بعد اگرچہ تمام یمامہ مرتد ہو گیا، لیکن ان کے زیر اثر جو لوگ تھے وہ عقیدۂ توحید پر قایم رہے اور وہ تمام اہل یمامہ کو مسیلمہ کی تقلید سے روکتے رہے، لیکن جب ان کے ارشاد و ہدایت کا ان پر اثر نہوا تو ان سے الگ ہو کر ہجرت کا عزم کر لیا،

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے بھی بہت سے لوگون کو اس گمراہی سے نجات دلائی، چنانچہ ایک بار وہ بنو حنیفہ کی مسجد سے گذرے تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ مسیلمہ کے پیرو ہین، سب کو طلب کیا اور ان سے توبہ کروائی، ابن النواحہ نے انکار کیا تو سر بازار اس کی گردن اوڑا دی، اور فرمایا جو شخص اس عبرت انگیز منظر کو دیکھنا چاہے وہ بازار مین جا کر دیکھ سکتا ہے،

نماز — خلفا نے نماز کی تمام جزئیات دخصوصیات کے قایم رکھنے کے لیے جو انتظامات کیے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے،

۱ حضرت عمرؓ نے تمام عمال کے نام ایک فرمان لکھا، جس مین نماز کے اوقات کی تفصیل فرمائی اور ان کی پابندی کی طرف توجہ دلائی، اس فرمان کے ابتدائی الفاظ یہ ہین،

ان اہم امرکم عندی الصلوٰۃ فمن حفظہا وحافظ علیہا حفظ دینہ — میرے نزدیک تمھارا سب سے زیادہ اہم کام نماز ہے جس شخص نے اس کی محافظت کی اس نے اپنے

---

[۱] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سہیل بن عمروؓ [۲] اسد الغابہ تذکرہ حضرت ثمامہ بن آثالؓ [۳] ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی الرسل،

ومن ضیعها فهو لما سواها اضیع — دین کی محافظت کی اور جس شخص نے اس کو ضائع کر دیا وہ اس کے سوا اور چیزون کو بھی ضایع کریگا۔

اخیر مین نماز عشار کا وقت لکھا تو اس کے ساتھ یہ فقرے لکھے،

فمن نام فلا نامت عینه فمن نام فلا نامت عینه فمن نام فلا نامت عینه[1] — جو شخص بغیر نماز عشا پڑھے ہوے سوگیا تو اس کی آنکھ نہ سوئے، نہ سوئے، نہ سوئے،

۲- جمعہ کے غسل کے متعلق اختلاف ہے کہ واجب ہے یا سنت، بہرحال جو کچھ بھی ہو لیکن حضرت عمرؓ نہایت شدت سے لوگون کو اس کی پابندی پر مجبور کرتے تھے، ایک بار حضرت عثمانؓ دیر کر کے آئے اور شریک جمعہ ہوے، حضرت عمرؓ خطبہ دیرہے تھے، فرمایا یہ کونسا وقت ہے؟ بولے "ابھی بازار سے پلٹا تھا کہ اذان سنی اور وضو کر کے حاضر ہو گیا" بولے "صرف وضو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو غسل کا حکم بھی دیتے تھے[2]"،

۳- حضرت عمرؓ جماعت کی پابندی کا نہایت خیال رکھتے تھے، ایک دن سلیمان ابن ابی خیثمہؓ کو صبح کی جماعت مین نہین دیکھا، تو ان کے گھر گئے اور پوچھا کہ مین نے ان کو نماز صبح مین نہین پایا؟ معلوم ہوا کہ وہ تہجد کی نماز پڑھتے پڑھتے سوگئے، اور صبح کو آنکھ نہ کھلی، بولے "مین شہادت دیتا ہون کہ جماعت کے ساتھ فجر کی نماز رات بھر کی نماز سے زیادہ مجھے محبوب ہے[3]"،

حضرت سعید بن یربوعؓ ایک صحابی تھے، جن کی آنکھین جاتی رہی تھین، حضرت عمرؓ نے ان کے لئے ایک غلام مقرر کر دیا تھا۔ کہ ان کو مسجد مین لاکر باجماعت نماز

[1] موطاے امام مالک کتاب وقوت الصلوٰۃ [2] موطاے امام مالک کتاب الصلوٰۃ باب العمل فی غسل یوم الجمعہ

[3] موطاے امام مالک کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی العتمۃ والصبح،

پڑھایا کرے،

۴۔ جن اوقات مین نماز ممنوع ہے ان مین اگر کوئی نماز پڑہتا تھا تو اس کو سزا دیتے تھے[1]

۵۔ حضرت عمرؓ صف کی برابری کا اس قدر لحاظ رکھتے تھے کہ خاص اس غرض کے لیے متعدد اشخاص مقرر کر دیے تھے، جن کا کام صرف صف کو سیدھا کرنا تھا[2]،

حضرت عثمانؓ کے عہد مین بھی اس قسم کے اشخاص مقرر تھے[3]،

۶۔ نماز مفروضہ کی امامت اگرچہ خود خلفاء کرتے تھے، لیکن تراویح کی امامت کے لیے حضرت عمرؓ نے دو مستقل امام مقرر فرما دیے تھے جو لوگون کو با جماعت تراویح پڑھاتے تھے، عورتون کی تراویح کے لیے ایک مستقل امام مقرر فرمایا تھا، جن کا نام سلیمان بن ابی خثیمہؓ تھا، لیکن حضرت عثمانؓ نے مردون اور عورتون کی ایک مشترک جماعت قایم کی، اور حضرت سلیمان بن ابی خثیمہؓ کو دونون کا امام مقرر فرمایا البتہ یہ انتظام تھا کہ جماعت ہو جانے کے بعد جب مرد مسجد سے نکل جاتے تھے تو عورتون کو نکلنے کی اجازت دی جاتی تھی[4]

زکوٰۃ

اسلام کے ارکان خمسہ مین زکوٰۃ ایک نہایت ضروری رکن ہے، لیکن حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت مین ارتداد کی وبا عام پھیلی، تو متعدد قبائل نے زکوٰۃ دینا موقوف کر دیا، اس موقع پر اگر انھون نے اس ستون کو نہ تھاما ہوتا تو اسلام کا یہ رکن اعظم قایم نہ رہتا، لیکن انھون نے ان لوگون کے ساتھ جہاد کی تیاریان شروع کر دین، اگرچہ حضرت عمرؓ نے اول اول اس سے اختلاف کیا، اور کہا کہ کلمہ گویون سے کیونکر جہاد کیا جا سکتا ہے؟ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا،

واللّٰہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ — خدا کی قسم جو لوگ نماز اور زکوٰۃ مین تفریق کرین گے

---

[1] موطاے امام مالک کتاب الصلوٰۃ باب نہی عن الصلوٰۃ بعد الصبح والعصر [2] طبری صفحہ ۲۷۲۳،

[3] موطاے امام مالک کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی تسویۃ الصفوف [4] طبقات ابن سعد تذکرہ سلیمان بن ابی خثیمہؓ

والذی کو تہ فان الزکوۃ حق المال واللہ لومنعونی عقالا کانوا یودونہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلتھم علی منعہ

مین ان سے جہاد کرون گا، کیونکہ زکوۃ مال کا حق ہے، اگر وہ ایک بکری کا بچہ بھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے، روک رکھین گے تو مین اس کے روکنے پر ان سے جہاد کرونگا،

بالآخر حضرت عمرؓ کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ انھون نے جو کچھ کیا حق تھا[1]،

حج

خلفائے راشدین نے حج اور مناسک حج کو نہایت مستعدی کے ساتھ قایم رکھا، بیت الحرام اگرچہ خود مکہ مین تھا لیکن خود اہل مکہ مین حج کا وہ ذوق وشوق نہین پایا جاتا تھا جس کے نشہ مین باہر والے مدہوشانہ آتے تھے،

ایک بار حضرت عمرؓ نے یہ حالت دیکھی تو اہل مکہ کی طرف خطاب کرکے فرمایا "اے اہل مکہ یہ کیا ہے؟ کہ لوگ پراگندہ مو آتے ہین، اور تمھارے سر مین تیل پڑا ہوا ہے، جب پہلی کا چاند دیکھو تو فوراً احرام باندھ لو[2]"

جب حج کا زمانہ آتا تو خود قافلہ سالار ہوتے اور تمام لوگون کو مناسک حج کی تعلیم فرماتے، موطائے امام مالک مین ہے،

ان عمر بن الخطاب خطب الناس بعرفۃ وعلمھم امر الحج[3]

حضرت عمر بن الخطابؓ نے عرفہ مین خطبہ دیا اور لوگون کو مسائل حج کی تعلیم دی،

حج کے زمانے مین بہت سے لوگون کو اس خدمت پر مامور فرما دیتے تھے، کہ حاجیون کو مقام منا مین عقبہ کے پار پہنچا آئین[4]، کیونکہ عقبہ کے اسی طرف ٹھہر جانا مناسک حج مین محسوب نہ تھا،

---

[1] ابوداؤد وبخاری کتاب الزکوۃ [2] موطا کتاب الحج باب ہلال اہل مکۃ ومن بہا من غیرہم [3] موطائے امام مالک کتاب الحج باب الافاضۃ [4] موطائے امام محمدؒ کتاب الحج باب البیتوتۃ بمکۃ لیالی منیٰ،

جو لوگ احکام حج کی خلاف ورزی کرتے، ان پر عموماً گرفت فرماتے، ایک بار حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے عالت احرام میں رنگین کپڑے پہنے تھے، حضرت عمرؓ کی نگاہ پڑی تو فرمایا، آپ لوگ دنیا کے لیے نمونہ ومثال ہیں، اگر کوئی جاہل اس کپڑے کو دیکھے گا تو کہے گا کہ حالت احرام میں طلحہ بن عبید اللہ تو رنگین کپڑے پہنتے تھے اس قسم کا کوئی کپڑا ہرگز نہ پہنو[1]، ایک بار ایک شخص طواف رخصت کئے بغیر چلا گیا، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو اس کو خود پکڑ کر واپس لائے[2]،

روزہ روزہ ایک نہایت خشک اور بے آب ورنگ عبادت ہے، لیکن حضرت عمرؓ نے اس کو نہایت شاندار اور بارونق بنا دیا، تراویح کا خاص اہتمام کیا، اور اس کو باجماعت کر دیا، مسجدوں میں روشنی کروائی اور روزہ داروں کے روزینے مقرر کئے، جس کی مقدار ایک درہم روزانہ تھی، حضرت عثمانؓ نے ترقی دیکر اس مقدار کو دوگنا کر دیا، آج رمضان میں جو رونق وشان نظر آتی ہے وہ صحابۂ کرام ہی کے فیض وبرکت کا نتیجہ ہے،

تحریم مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو حرم قرار دیا تھا، یعنے حدود مدینہ کے اندر کے جانور، درخت اور گھاس بالکل محفوظ تھے اور ان کو کوئی شخص ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا، صحابۂ کرام اگرچہ بذات خود اس کی حرمت کا لحاظ رکھتے تھے، تاہم حضرت عمرؓ نے اسکی نگرانی کے لئے ایک خاص عامل مقرر کر دیا تھا، تاکہ ملجاء ایمان کا ادب واحترام ہمیشہ قائم رہے،

نکاح وطلاق، نکاح وطلاق کے تمام شرائط واحکام کو صحابہ کرام نے نہایت سختی کے ساتھ قائم رکھا اور اس کی پابندی کرائی، ایام عدت میں نکاح حرام ہے، لیکن ایک

[1] موطاے امام مالک کتاب الحج باب لبس الثیاب المصبغۃ فی الاحرام۔ [2] موطاے امام مالک کتاب الحج باب وداع البیت [3] طبری صفحہ ۲۷۴۴،

عورت نے ایام عدت ہی مین نکاح کر لیا، حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو میان بی بی دونون کو سزا دی[1]،

جو عورتین بیوہ ہوجائین ان کے لئے قبل انقضاے عدت گھر سے نکلنا ناجائز ہے، حضرت عمرؓ اس سختی کے ساتھ اس حکم کی پابندی کرواتے تھے کہ اس قسم کی عورتون کو حج کی بھی اجازت نہین دیتے تھے[2]،

نکاح متعہ اگرچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانے مین حرام ہوچکا تھا، تاہم حضرت عمرؓ کے عہد مین شدت کے ساتھ اس کی روک ٹوک کی گئی، ایک بار ان کو معلوم ہوا کہ کسی شخص نے ایک لونڈی کے ساتھ متعہ کیا ہے، گھبرا کر اوٹھے اور چادر گھسیٹتے ہوئے پہنچے اور فرمایا کہ "یہ متعہ ہے اگر مین نے پہلے سے اس کا اعلان کیا ہوتا تو اس شخص کو سنگسار کرتا[3]"

غرض احادیث کی کتابون مین عبادات و معاملات کے سیکڑون احکام اس قسم کے موجود ہین کہ اگر صحابۂ کرام نے ان کے استحکام و بقار مین کچھ بھی مداہنت کی ہوتی تو تمام معالم دین مٹ گئے ہوتے، اور آج جو حالت قایم ہے وہ آج سے بہت پہلے قایم ہوچکی ہوتی،

جمع و ترتیب قرآن اسلام کا قیام و بقار تمامتر قرآن مجید کے قیام و بقار پر موقوف ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک مین جو آیتین نازل ہوتی تھین وہ اگرچہ الگ الگ سورتون مین لکھ لی جاتی تھین، لیکن قرآن مجید منتظم شکل مین مرتب نہین ہوا تھا،

حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت مین جب غزوۂ یمامہ پیش آیا اور اس مین بہت سے حفاظ قرآن شہید ہوئے تو حضرت عمرؓ کو قرآن مجید کے جمع و ترتیب کی طرف خاص توجہ ہوئی اور انھون نے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت مین عرض کیا کہ اگر اسی طرح حفاظ قرآن لڑائیون مین شہید ہوئے تو قرآن مجید کا بہت بڑا حصہ ضائع ہوجائیگا، اس لیے میری رائے ہے کہ

[1] موطا کتاب النکاح باب جامع مالا یجوز من النکاح [2] موطا کتاب الطلاق باب مقام المتوفی عنہا زوجہا فی بیتہا حتی تحل [3] موطا کتاب النکاح باب نکاح المتعہ [4] فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۰۱،

آپ جمع و ترتیب قرآن کا حکم صادر فرمایئے، لیکن چونکہ یہ ایک نئی بات تھی، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک مین یہ کام نہین ہوا تھا، اس لئے اوّل اوّل حضرت ابوبکرؓ نے تامل کیا، لیکن بالآخر حضرت عمرؓ کے اصرار سے راضی ہوگئے، اور حضرت زید بن ثابتؓ کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک مین کاتب وحی تھے طلب فرمایا اور یہ خدمت ان سے متعلق کی، اوّل اوّل انھون نے بھی اس جدید کام کے شروع کرنے مین تامل کیا، لیکن بعد کو حضرت ابوبکرؓ کی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو بھی کھول دیا، اور انھون نے اس آفتاب ہدایت کے ذرہ ہاے پریشان کو جمع کرنا شروع کیا، فتح الباری مین ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا حکم تھا کہ صرف وہ آیتین اور وہ سورتین جمع کی جائین، جو لکھی ہوئی ہین، یہی وجہ ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے سورۂ براۃ کی آخری آیتون کے لکھنے مین تامل کیا، کیونکہ وہ لکھی ہوئی موجود نہ تھین، لیکن خود بخاری مین حضرت زید بن ثابتؓ کا قول موجود ہے،

فتتبعت القرآن اجمعہ من العسب والّلخاف وصدور الرجال،

مین نے قرآن مجید کی جستجو کی اور کھجور کی چھال وغیرہ اور صحابہ کرام کے سینون سے اس کو جمع کیا،

بہر حال قرآن مجید کی جمع و ترتیب مین نہایت تثبت و احتیاط سے کام لیا گیا، حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ مسجد کے دروازے پر بیٹھ جائین، اور جو لوگ قرآن مجید کی آیتون کو پیش کرین، وہ جب تک دو گواہ نہ لائین وہ قبول نہ کیجائین، اس پر نہایت شدت کے ساتھ عمل ہوا، چنانچہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ کی خدمت مین آیت رجم پیش کی تو چونکہ اس کا کوئی گواہ نہ تھا انھون نے اس کو نہین لکھا، اس کے بخلاف حضرت خزیمہ انصاریؓ نے ایک آیت کا پتہ دیا تو چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی

---

[1] فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۰، [2] فتح الباری ۹ صفحہ ۱۲، [3] اتقان صفحہ ۱۳۷،

شہادت کو دو شخصوں کی شہادت کے برابر قرار دیا تھا، اس لیے وہ قبول کر لی گئی۔ اس حزم و احتیاط کیساتھ تمام آیتیں جمع ہو کر الگ الگ سورتوں میں کاغذ پر لکھ لی گئیں. لیکن اس مجموعہ میں سورتوں کی ترتیب کا لحاظ نہیں[1] رکھا گیا،

یہ مجموعہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس محفوظ رہا، جب ان کی وفات ہوئی تو حضرت عمرؓ کے ہاتھ آیا، ان کے بعد حضرت حفصہؓ نے اس کو محفوظ رکھا،

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں قرآن مجید کی قرأت میں اختلاف پیدا ہوا تو حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے ان کو اس طرف توجہ دلائی اور کہا کہ قبل اس کے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح یہ امت اپنی کتاب میں اختلاف کرے، آپ اس کا تدارک فرمایئے،، انھوں نے حضرت حفصہؓ[2] کے یہاں سے اس مجموعہ کو منگوالیا، اور حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبد الرحمان بنؓ حارث بن ہشام کو حکم دیا کہ اس کو قریش کی زبان میں لکھیں، ان لوگوں نے اب سورتوں میں بھی ترتیب[3] قایم کی، اس طرح جب قرآن مجید کے چند مجموعے تیار ہو چکے تو حضرت حفصہؓ کا مصحف واپس کر دیا، اور تمام صوبوں میں ان کا ایک ایک نسخہ روانہ فرمایا، صحیح بخاری میں ان مصاحف کی تعداد مذکور نہیں، اور کتابوں میں مختلف تعدادیں مذکور ہیں، ایک روایت میں ہے کہ ان کی تعداد سات تھی، ایک کو مدینہ میں محفوظ رکھا تھا، بقیہ کو مکہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ، اور کوفہ کو روانہ کر دیا تھا، اور صوبوں کی تعداد کے لحاظ سے یہ روایت[3] قرین قیاس معلوم ہوتی ہے،

---

[1] فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۳ و ۱۶ [2] فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۶ [3] یہ پوری تفصیل صحیح بخاری کتاب ابواب فضائل القرآن میں مذکور ہے، اس کے علاوہ جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے ان کے حوالے الگ الگ دیدیئے ہیں،

احتساب

جو چیز مذہب واخلاق کو صحیح اصول پر قایم رکھتی ہے، شریعت کی اصطلاح میں اس کا نام احتساب ہے، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مختلف مدارج قایم کر دیئے ہیں،

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان (مسلم)

تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دے، اگر اس میں اس کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے اس کا انکار کرے اور اگر یہ بھی نہیں کرسکتا تو دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے،

صحابہ کرام کے زمانے میں چونکہ تمام اخلاقی طاقتیں زندہ تھیں اس لئے اس مقدس دور میں آخری درجہ کے سوا احتساب کے اور تمام مدارج قایم تھے،

ایک روز نماز جمعہ کی صف بندی میں اس قدر کشمکش ہوئی کہ آگے کے لوگ پیچھے اور پیچھے کے لوگ آگے ہو گئے، حضرت انس بن مالکؓ نے یہ بے ترتیبی دیکھی تو فرمایا کہ "ہم لوگ عہد نبوت میں اس سے احتراز کرتے تھے"[1]

حضرت معاذؓ اپنی قوم کے امام تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کا ثواب بھی ضایع نہیں کرنا چاہتے تھے، اس لئے پہلے آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیتے تھے، پھر آکر اپنی

[1] ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب الصفوف بین السواری،

مسجد میں امامت کرتے تھے، ایک روز اسی طرح امامت کی اور سورہ بقرہ پڑھنا شروع کیا، ایک کاروباری صحابی جو تھک کر چور ہو گئے تھے جماعت سے علیحدہ ہو گئے، اور الگ نماز پڑھ لی ایک صحابی نے فوراً ٹوکا کہ تم منافق ہو گئے[۱]،،

حضرت عایشہؓ ایک دفعہ ایک گھر میں مہمان اتریں، صاحب خانہ کی دو لڑکیوں کو جو اب جوان ہو چلی تھیں، دیکھا کہ بے چادر اوڑھے نماز پڑھ رہی ہیں، تاکید کی کہ آیندہ کوئی لڑکی بے چادر اوڑھے نماز نہ پڑھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا ہے[۲]،

ایک بار زیاد بن صبیح الحنفی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ نماز میں کمر پر ہاتھ رکھکر کھڑے ہوئے، بولے کہ نماز میں یہ پھانسی کی وضع ہے[۳] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع فرماتے تھے[۴]،

ایک دفعہ حضرت عایشہؓ کے بھائی عبدالرحمان بن ابی بکرؓ ان کے پاس آئے اور معمولی طرح سے جھٹ پٹ وضو کر کے چلے، حضرت عایشہؓ نے ٹوکا کہ "عبدالرحمان وضو اچھی طرح کیا کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے کہتے ہوئے سنا ہے کہ وضو میں جو عضو نہ بھیگے اس پر جہنم کی پھٹکار ہو[۵]،

علی بن عبدالرحمان المعادی کا بیان ہے کہ ایک بار میں نماز میں کنکریوں سے کھیل رہا تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دیکھا تو منع کیا، اور فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اختیار کرو[۶]، ایک بار انھوں نے اور ایک آدمی کو دیکھا کہ نماز میں بائیں ہاتھ پر ٹیک لگا کر بیٹھا ہے، بولے کہ اس طرح نہ بیٹھو، یہ ان لوگوں کی نشست ہے جن کو عذاب دیا جائیگا[۷]،،

---

[۱] ابوداود کتاب الصلوٰۃ باب تخفیف الصلوٰۃ [۲] مسند جلد ۶ صفحہ ۹۶ [۳] جب پھانسی دیجاتی ہے تو مصلوب کے ہاتھ اسی طرح باندھ دیئے جاتے ہیں [۴] ابوداود کتاب الصلوٰۃ باب التخصر والاقعاء [۵] مسند جلد ۶ صفحہ ۲۸۵ [۶] ابوداود کتاب الصلوٰۃ باب الاشارۃ فی التشہد [۷] ابوداود کتاب الصلوٰۃ باب کراہیۃ الاعتماد علی الید فی الصلوٰۃ

حضرت ابوتمیمہ جہمی ایک تابعی تھے، ان کا معمول تھا کہ نماز صبح کے بعد بیٹھکر کچھ وعظ وپند کرتے تھے، اور اس مین آیات قرآن کی تلاوت فرماتے تھے، اور جب کوئی آیت سجدہ آجاتی تھی تو سجدہ کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دیکھا تو بار بار منع کیا، وہ باز نہ آئے، تو فرمایا کہ "مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، اور حضرت عمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی ہے، وہ طلوع آفتاب کے پہلے کوئی سجدہ نہین کرتے تھے"[۱]

ایک بار ایک صحابیہ خوب خوشبو لگا کر مسجد مین گئین، پلٹین تو رہ مین حضرت ابوہریرہؓ کا سامنا ہوگیا، خوشبو آئی تو پوچھا کہ یہ خوشبو مسجد مین جانے کے واسطے لگائی تھی، بولین "ہان" فرمایا "مین نے اپنے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو عورت مسجد مین جانے کے لیے خوشبو لگائے اس کی نماز اس وقت تک مقبول نہین ہوتی، جب تک پلٹ کے غسل جنابت نہ کرلے"[۲]

عرب مین یہ وحشیانہ طریقہ جاری تھا کہ اسیران جنگ کو باندھکر قتل کرڈالتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی اور عملاً اس کو مٹادیا، ایک بار حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولیدؓ کے پاس چار کافر گرفتار ہوکے آئے اور انھون نے ان کو اسی طرح قتل کرڈالا، حضرت ابوایوب انصاریؓ کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ "آپ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے، اگر مرغیان بھی ہوتین تو مین ان کو اس طرح نہ مرواتا"[۳]

ایک بار حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ کابل مین ایک فوج کے ساتھ تھے، اہل فوج نے مال غنیمت پایا اور باہم لوٹ مار کر کھاگئے، حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ نے فرمایا کہ "رسول اللہ

---

[۱] ابوداؤد کتاب الصوم فیمن یقرا السجدۃ بعد الصبح [۲] ابوداؤد کتاب الترجل باب فی طیب المرأۃ [۳] ابوداؤد کتاب الجہاد باب قتل الاسیر بالنبل،

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے، سب نے اپنا اپنا حصہ واپس کر دیا، اور دوبارہ انھوں نے اس کو تقسیم کیا[1]،،

حضرت انس بن مالکؓ حکم بن ایوب کے پاس آئے، دیکھا کہ چند نوجوان مرغی کو باندھ کر تیر کا نشانہ لگا رہے ہیں، فرمایا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے[2]"

حضرت عایشہؓ نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کی چادر میں صلیب کے نقش ونگار بنے ہوئے ہیں، دیکھنے کے ساتھ ڈانٹا کہ یہ چادر اوتار دو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کپڑوں کو دیکھتے تو پھاڑ ڈالتے[3]،

صحابۂ کرام مرتے دم تک بھی فرض احتساب سے غافل نہیں ہوتے تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ پر آثار موت طاری ہوئے تو ان کی بی بی رونے لگیں فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تمھیں خبر نہیں"؛ فوراً چپ ہو گئیں[4]،

ایک بار حضرت ابوحذیفہؓ نے مداین میں ایک چبوترے پر چڑھ کے امامت کی، حضرت ابومسعودؓ نے ان کا دامن پکڑ کر کھینچ لیا، اور وہ نماز سے فارغ ہوئے تو کہا کیا تمھیں خبر نہیں کہ عہد نبوت میں لوگ اس سے روکے جاتے تھے؟ بولے "تم نے دامن کھینچا تو مجھے یاد آیا،،

مداین ہی میں ایک دوسرے موقع پر حضرت عمار بن یاسرؓ نے بھی ایسا ہی کیا تو حضرت حذیفہؓ نے ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور وہ چبوترے سے نیچے اوتر آئے[5]،

---

[1] ابوداود کتاب الجہاد باب فی النہی عن النہبی اذا کان فی الطعام قلۃ فی ارض العدو [2] ابوداود کتاب الضحایا باب فی الرفق بالذبیحہ [3] مسند جلد ۶ صفحہ ۲۲۵ [4] ابوداود کتاب الجنائز باب فی النوح [5] ابوداود کتاب الصلوٰۃ باب الامام یقوم مکانا ارفع من مکان القوم،

ایک بار حضرت امام حسن علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے، حضرت ابو رافعؓ بھی حسن اتفاق سے آگئے، دیکھا کہ ان کے بال گندھے ہوئے ہیں، فوراً ہاتھ سے کھولدیئے، انھوں نے برہم ہوکر ان کی طرف دیکھا، بولے کہ "نماز پڑھیے، برہم نہ ہوجیے، مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ چوٹی شیطان کا اڈا ہے"،

ایک بار اسی وضع کے ساتھ حضرت عبداللہ بن حارثؓ نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ پیچھے کھڑے ہو گئے اور بال کھولنے لگے، وہ نماز سے فارغ ہوئے تو کہا کہ میرے سر نے آپکا کیا قصور کیا تھا؟ بولے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس طرح نماز پڑھتا ہے، اس کی حالت بالکل اس شخص کی سی ہوتی ہے، جو نماز پڑھے اور اس کی مشکین کسی ہوئی ہون[۱]"،

ایک بار ایک شخص نے جمعہ پڑھا اور اسی جگہ دو رکعت سنت بھی ادا کی، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دیکھا تو ڈھکیل دیا اور کہا کہ "چار رکعت جمعہ پڑھتے ہو"، اس سرزنش کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر مین سنت پڑھتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی اسی کا اتباع کرتے تھے[۲]،

حضرت قیس بن عبادؓ کا بیان ہے کہ مین پہلی صف مین نماز پڑھ رہا تھا کہ حضرت ابی ابن کعبؓ نے مجھکو پیچھے سے کھینچ کر ہٹا دیا اور خود میری جگہ کھڑے ہوگئے، نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ "برا نہ مانو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہی وصیت فرمائی ہے"، اس کے بعد قبلہ رو کھڑے ہوکر تین بار فرمایا، خدائے کعبہ کی قسم اہل عقد ہلاک ہوگئے، خدا کی قسم مین عام لوگون پر افسوس نہین کرتا، ان پر افسوس کرتا ہون جنھون نے لوگون کو گمراہ کیا ہے قیسؓ

---

[۱] ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب الرجل یصلی عاقصا شعرہ [۲] ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ بعد الجمعہ،

ابن عباد نے پوچھا اہل عقد کون لوگ ہیں؟ بولے امراء[1]

ایک بار حضرت ہشام بن حکیم بن حزامؓ سورۂ فرقان پڑھ رہے تھے، حسن اتفاق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بھی یہی سورت پڑھائی تھی، حضرت عمرؓ نے سنا تو ان کو قرائت میں اختلاف معلوم ہوا، چنانچہ ان کو چادر سے باندھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور کہا کہ "جس طرح آپ نے مجھکو پڑھایا ہے ان کی قرائت اس کے مخالف ہے" آپ نے فرمایا قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے، جس طرح ہو سکے پڑھو[2]

ایک بار صحابۂ کرام کسی جنازہ کے ساتھ آہستہ آہستہ جا رہے تھے، حضرت ابو بکرہؓ آئے اور کوڑا اوٹھا کر کہا کہ "ہم لوگ آپ کے ساتھ جنازے میں دوڑتے ہوئے چلتے تھے"[3]

ایک بار حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے بازار میں زیتون کا تیل خرید ا، اسی جگہ ایک شخص نے اس کو خریدنا چاہا، نفع ملتا تھا انھوں نے اس کے ہاتھ فروخت کر دیا، اسی حالت میں پیچھے سے ایک شخص نے ان کی کلائی پکڑ لی، مڑ کر دیکھا تو حضرت زید بن ثابتؓ تھے، فرمایا کہ "جہاں خرید ا ہے وہیں نہ بیچو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے"[4]

حضرت ابو مسعود انصاریؓ حلقہ قایم کرکے بیٹھے تھے، دو آدمیوں نے کہا اس حلقہ میں کون ہے، جو ہمارا فیصلہ کریگا؟ ایک شخص نے کہا "میں"، حضرت ابو مسعود انصاریؓ نے لکڑی اٹھا کر ماری اور کہا "چپ، تضاءت کو جلدی سے قبول کرنا مکروہ ہے"[5]

ایک بار حضرت عمرؓ نے ایک بچے کے پاؤں میں گھونگرو دیکھا تو کاٹ ڈالا اور فرمایا کہ

---

[1] نسائی کتاب القبلہ [2] ابو داؤد ابواب کتاب الصلوٰۃ باب نزول القرآن علی سبعۃ احرف [3] ابو داؤد کتاب الجنائز باب الاسراع بالجنازۃ [4] ابو داؤد کتاب البیوع باب فی بیع الطعام قبل ان یستوفی [5] ابو داؤد کتاب الاقضیہ باب فی طلب القضاء والتسرع الیہ

آپ نے فرمایا ہے کہ "ہر گھونگرو کے ساتھ شیطان رہتا ہے"،

اسی طرح حضرت عایشہؓ نے بھی ایک لڑکی کے گھونگرو کٹوا دیئے[1]،

ایک بار ان کی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمانؓ نہایت باریک ڈوپٹہ اوڑھکر سامنے آئین، دیکھنے کے ساتھ ہی غصہ سے ڈوپٹہ چاک کر دیا، پھر فرمایا "تم نہین جانتین کہ سورۂ نور مین خدا نے کیا احکام نازل کیے ہین؟" اس کے بعد گاڑھے کا دوسرا ڈوپٹہ منگوا کر اوڑھایا[2]،

ایک شخص نے حضرت عثمانؓ کے سامنے ان کی تعریف کی، حضرت مقداد بن اسودؓ نے اس کے مونھ مین خاک اٹھا کر جھونکدی اور کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مدح کرنے والون کے مونھ مین خاک جھونکدو[3]"،

سلاطین و امرا کا احتساب درحقیقت جان کی جوکھون ہے، لیکن صحابہ کرام نے نہایت دلیری اور حق گوئی کے ساتھ اس فرض کو ادا فرمایا،

عہد نبوت مین یہ دستور تھا کہ عیدگاہ مین ساتھ منبر نہین جاتا تھا اور آپ نماز عید کے بعد خطبہ پڑھتے تھے، بنوامیہ نے یہ دونون طریقے بدلدیئے، چنانچہ ایک بار مروان نے نماز سے پہلے خطبہ پڑھنا چاہا، تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ "مروان تم نے سنت کی مخالفت کی، عیدگاہ مین منبر ساتھ لائے اور خطبہ نماز سے پہلے پڑھا"، حضرت ابوسعید خدریؓ بھی موجود تھے، بولے "یہ کون ہے؟ اس نے اپنا حق ادا کر دیا[4]"،

ایک بار حضرت عثمانؓ نے منیٰ مین چار رکعت نماز ادا کی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ٹوکا کہ "مین نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس جگہ صرف دو رکعت نماز پڑھی[5]"،

---

[1] ابوداؤد کتاب الخاتم باب ماجاء فی الجلاجل [2] موطاء امام مالک کتاب اللباس [3] ابوداؤد کتاب الادب باب فی کراہیۃ التمادح [4] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الخطبہ،

اس کے بعد تم لوگون نے اور اور طریقے اختیار کر لئے ہین تو اسی دور کعت کو محبوب رکھتا ہون[1]"

ایک بار حضرت یحییٰ بن سعید بن العاص نے بی بی کو طلاق باین دی، مروان بن الحکم نے جو مدینہ کا گورنر تھا ان کو گھر سے رخصت کر دیا، حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا تو کہلا بھیجا کہ "خدا سے ڈرو، عورت کو سسرال ہی مین رہنے دو،، مروان بن الحکم نے جواب دیا کہ طلاق باین کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس کو گھر مین نہین رہنے دیا تھا،، بولین کہ اگر تم فاطمہ کی حدیث پر عمل نہ کرو تو کوئی ہرج نہین[2]"

ایک بار حضرت امیر معاویہؓ نے رومیون کے ساتھ معاہدہ کیا تھا، ابھی مدت معاہدہ گذرنے نہ پائی تھی کہ حملہ کی تیاری کر دی کہ مدت گذرنے کے ساتھ ہی حملہ شروع کر دیا جائے، فوج روانہ ہوئی تو حضرت عمرو بن عنبسہؓ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور کہا "اللہ اکبر، اللہ اکبر، وفاے عہد کرنی چاہئے، بد عہدی جائز نہین[3]،،

ایک بار حضرت ابو ہریرہؓ مروان کے گھر مین گئے، دیکھا کہ مصور تصویر بنا رہا ہے، بولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کہتا ہے، کہ اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے؟ جو میری طرح مخلوق کو پیدا کرتا ہے، وہ ایک ذرہ، ایک دانہ اور ایک جَو تو پیدا کرتے[4]"

---

[1] ابو داؤد کتاب المناسک باب الصلوۃ بمنیٰ [2] ابو داؤد کتاب الطلاق باب من انکر ذلک، یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کو طلاق بائن دیجائے اس کو سکنی کا حق حاصل ہے یا نہین؟ قرآن مجید مین تصریح ہے کہ اس کو گھر ہی مین عدت گذارنی چاہیئے، لیکن فاطمہ بنت قیس کی حدیث اس کے معارض ہے، لیکن حضرت عائشہؓ کا خیال یہ تھا کہ فاطمہ کا گھر نہایت سنسان اور الگ تھلگ تھا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوسرے گھر مین عدت بسر کرنے کا حکم دیا تھا، ورنہ قرآن مجید کا اصل حکم اب تک باقی ہے [3] ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی الامام یکون بینہ و بین العدو عہد فیسیر نحوہ [4] مسلم کتاب اللباس والزینۃ باب لاتدخل الملائکۃ بیتاً فیہ کلب ولا صورۃ،

تجدید و اصلاح

عقاید و اعمال کی تجدید اور مذہب اور اخلاق کی اصلاح صحابۂ کرام کا سب سے بڑا فرض تھا اور انھون نے ہر موقع پر نہایت سرگرمی کے ساتھ اس مقدس فرض کو ادا کیا،

رسوم جاہلیت کا انسداد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانۂ جاہلیت کے جن عقاید و اعمال کو مٹا دیا تھا، جب وہ کبھی رو نما ہوتے تھے تو صحابۂ کرام نہایت سختی کے ساتھ ان کی مخالفت کرتے تھے، جاہلیت کے زمانہ مین بچون کے سرہانے استرا رکھدیتے تھے، اور سمجھتے تھے کہ اس ذریعہ سے بچے جنون کے آسیب سے محفوظ رہینگے حضرت عائشہؓ نے ایک بار کسی بچے کے سرہانے استرا دیکھا تو منع فرمایا اور کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکو سخت ناپسند فرماتے تھے"[۱]

عرب مین قاعدہ تھا کہ مردے کی لاش پر نوحہ کرتے تھے اسلام نے اس کی ممانعت کی لیکن بعد کو کوفہ والون نے جاہلیت کی اس رسم کو تازہ کیا اور قرظہ بن کعب کی لاش پر اسی طریقہ سے نوحہ و بکار کیا، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو معلوم ہوا تو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے،

من نیح علیہ فانہ یعذب بمانیح علیہ یوم القیامۃ[۲]	جس شخص پر نوحہ کیا گیا اس پر قیامت کے دن اس کی وجہ سے عذاب کیا جائیگا،

ایک بار حضرت ابوبکرؓ نے ایک عورت کو دیکھا کہ خاموش ہے وجہ پوچھی تو معلوم ہوا

---

۱ ادب المفرد باب الطیرۃ من الجن ۲ مسلم کتاب الجنائز باب المیت یعذب ببکاء اہلہ علیہ ،

کہ اس نے خاموش حج کیا ہے، اس کو فوراً ممانعت کی اور کہا کہ یہ جائز نہیں ہے یہ جاہلیت کا کام ہے[۱]۔

حضرت عروہ بن مسعودؓ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے واپس ہو کر اپنے وطن طایف آئے تو ان کے قبیلے کے تمام لوگ ملاقات کو آئے اور جاہلیت کے طریقے پر سلام کیا انھون نے اس پر سختی سے اعتراض کیا اور کہا کہ "تم کو اہل جنت کی طرح سلام کرنا چاہیے[۲]"۔

شرک وبدعت کا استیصال

خلفاے راشدینؓ کے عہد تک یہ معمول تھا کہ خطبۂ عیدین نماز کے بعد دیا جاتا تھا، لیکن جب مروان نے اس سنت کو بدل دیا اور خطبہ کے بعد نماز پڑھانا شروع کی تو اسی وقت ایک شخص نے مخالفت کی اور حضرت ابوسعید خدریؓ نے اس کی تائید کی، دوسرے سال مروان، عیدگاہ مین حضرت ابوسعید خدریؓ کے ہاتھ مین ہاتھ ڈالے ہوئے آیا اور ان کو پہلے منبر کی طرف لیجانا چاہا، لیکن انھون نے اس کو نماز کے لیے گھسیٹا، اور کہا کہ ابتدا، نماز کیا کیا ہوئی؟ اس نے کہا آپ کو اس مسئلہ مین جو کچھ معلوم ہے وہ تو ترک کر دیا گیا، لیکن انھون نے تین بار فرمایا کہ مجھکو جو کچھ معلوم ہے تم اس سے بہتر روش قایم نہین کر سکتے[۳]،

صحابۂ کرام کو بدعات ومحدثات کے استیصال کا اس قدر خیال تھا کہ نہایت چھوٹی چھوٹی باتون پر دار وگیر کرتے تھے، ایک بار حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کے صاحبزادے نے نماز مین سورۂ فاتحہ کے ابتدا مین بسم اللہ پڑھ لیا، انھون نے سنا تو فوراً بول اٹھے کہ "بیٹا یہ بدعت ہے اس سے بچو"،

شرک وبدعات کی تولید اکثر مذہبی عظمت سے ہوتی ہے جس کے مظہر صحابۂ کرام کے زمانہ مین نہایت کثرت سے موجود تھے، لیکن جب کبھی صحابۂ کرام کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ اس عظمت کا عملی اعتراف شرک وبدعت کی صورت اختیار کر لے گا تو فوراً اس کی مخالفت

---

[۱] بخاری باب ایام الجاہلیۃ [۲] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عروہ بن مسعودؓ [۳] مسلم کتاب الصلوٰۃ العیدین وبخاری کتاب العیدین

کی ایک بار حضرت عمرؓ سفر حج سے واپس آرہے تھے، راستہ مین دیکھا کہ لوگ ایک مسجد کی طرف دوڑے ہوئے جارہے ہین، پوچھا یہ کیا ہے لوگون نے کہا "ایک مسجد ہے جس مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی"، بولے "تم سے پہلے اہل کتاب اسی طرح مشرک ہوگئے، جس کو نماز پڑھنا ہو وہ نماز پڑھ لے ورنہ آگے بڑھے"۱؎

حضرت عمرؓ کے زمانے تک شجرۃ الرضوان قایم تھا، اور لوگ متبرک سمجھکر اس کی زیارت کو آتے تھے، یہ دیکھکر انھون نے اس کو جڑ سے کٹوادیا۲؎ مسلمانون مین غلاف کعبہ کی جو عزت وحرمت ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے تو پرانا غلاف چرا چھپا کر، خادمون کو کچھ دے دلا کر لے لیتے ہین اور اس کو تبرک سمجھکر گھر لے آتے ہین، اس کو مکانون مین رکھتے ہین، دوستون کو بطور سوغات کے تقسیم کرتے ہین. قرآن مین رکھتے ہین، مسجدون مین لٹکاتے ہین اور مریض کو اس سے ہوا دیتے ہین، لیکن قرن اول مین یہ حالت نہ تھی، متولی کعبہ صرف یہ کرتا تھا کہ غلاف کو زمین مین دفن کردیتا تھا کہ وہ ناپاک انسانون کے مصرف کا نہ رہے، شیبہ بن عثمان نے جو اس زمانہ مین کعبہ کے کلید بردار تھے، حضرت عائشہؓ سے یہ واقعہ بیان کیا تو انھون نے سمجھ لیا کہ یہ تعظیم غیر شرعی ہے، خدا اور رسول نے اس کا حکم نہ دیا، اور ممکن ہے کہ آئندہ اس سے سوء اعتقاد اور بدعات کا سرچشمہ پھوٹے اسلئے شیبہ سے کہا "یہ تو اچھی بات نہین تم برا کرتے ہو، جب غلاف کعبہ سے اتر گیا اور کسی نے اس کو ناپاکی کی حالت مین استعمال بھی کرلیا تو کوئی مضایقہ نہین تم کو چاہیے کہ بیچ ڈالا کرو اور اس کی قیمت غریبون اور مسافرون کو دے دیا کرو"۳؎

اصلاح اخلاق

اسلام مین ہر مصلح اخلاق کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ خالص اسلامی اخلاق کو قایم رکھے، اور ان کو غیر قومون کے اخلاق کے ساتھ مخلوط نہ ہونے دے، دوسرے یہ کہ

۱؎ وفاء الوفا صفحہ ۴۴۹ ۲؎ ازالۃ الخفاء جلد دوم صفحہ ۱۹۰ ۳؎ عین الاصابہ بحوالہ سنن بیہقی،

جو اخلاق اصول مذہب اصول انسانیت اور اصول شرافت کو صدمہ پہونچاتے ہین ان کا استیصال کرے، صحابۂ کرام نے اپنے دور خلافت مین یہ دونون فرض نہایت مستعدی کیساتھ ادا کئے، حضرت عمرؓ نے تمام عمال کو تحفظ اخلاق عرب کی ہدایت فرمائی اور لکھا کہ

اذنوا الخیل وانتضلوا وایاکم واخلاق الاعاجم وان لاتجلسوا علی مائدۃ یشرب علیھا الخمر و لایحل لمومن ولا مومنۃ تدخل الحمام الا بمئزر الا من سقم[1]

گھوڑون کو قریب رکھو تیراندازی کرو اور اخلاق عجم کے اختیار کرنے اور ایسے دسترخوان پر بیٹھنے سے جس پر شراب پی جائے احتراز کرو، کسی مسلمان مرد یا عورت کے لیے یہ جائز نہین کہ بغیر کسی بیماری کے حمام مین بلا تہ بند باندھے نہائے،

فتوحات عجم کے بعد نرد بازی، شطرنج بازی و مرغ بازی وغیرہ تضیع اوقات کے کھیل ملک مین پھیلے تو صحابۂ کرام نے اس پر شدت کے ساتھ دار و گیر کی، حضرت عائشہؓ کے گھر مین کچھ کرایہ دار رہتے تھے، ان کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ نرد کھیلتے ہین تو سخت برافروختہ ہوئین، اور کہلا بھیجا کہ اگر نرد کی گوٹیون کو میرے گھر سے باہر نہ پھینکدوگے تو مین اپنے گھر سے نکلوا دونگی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے خاندان مین کسی کو نرد کھیلتے ہوئے دیکھتے تو اس کو مارتے اور نرد توڑ ڈالتے[2]۔ ایک بار کچھ لوگ شطرنج کھیل رہے تھے حضرت علیؓ نے دیکھا تو فرمایا،

ما ھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون[3]

یہ تصویرین کیا ہین جن کے سامنے تم نے سر جھکا لیا ہے،

فتح عجم کے بعد اہل عرب شراب کے جدید اقسام و نام سے آشنا ہوگئے تھے جن میں

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عائشہ صدیقہؓ [2] ادب المفرد باب الادب و اخراج الذین یلعبون بالنرد موطا امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی النرد [3] طبقات ابن سعد تذکرہ میسرۃ بن حبیب،

ایک باذق یعنے بادہ تھا، چونکہ عربی مین شراب کو خمر کہتے ہین اور اس کا اطلاق صرف انگوری شراب پر ہوتا ہے، اس بناپر لوگون کو شبہہ تھا کہ ان شرابون کا کیا حکم ہے، لیکن حضرت عائشہؓ نے اپنی مجلس مین بالاعلان کہدیا کہ شراب کے برتنون مین چھوہارے تک نہ بھگوے جائین پھر عورتون کی طرف خطاب کرکے کہا اگر تمھارے خم کے پانی سے نشہ آئے تو وہ بھی حرام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشّی چیز کو منع فرمایا ہے[۱]"

ایک دفعہ شام کی چند عورتین حضرت عائشہؓ کی زیارت کو آئین رومیون کے اختلاط سے وہان کی عورتین بھی حمام مین برہنہ غسل کرتی تھین، فرمایا کہ "تم ہی وہ عورتین ہو جو حمامون مین جاتی ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جو عورت اپنے گھر سے باہر کپڑے اوتارتی ہے وہ اپنے اور خدا کے درمیان پردہ دری کرتی ہے[۲]"

قدیم زمانے مین یہودیہ عورتون مین جو بداخلاقیان پھیل گئی تھین ان مین ایک یہ تھی کہ جن عورتون کے بال گرپڑتے تھے وہ مصنوعی بال لگالیتی تھین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمادی تھی، لیکن حضرت امیر معاویہؓ کے عہد مین عربی عورتون نے بھی یہ روش اختیار کرلی، وہ حج کو آئے تو ایک سپاہی کو اس مصنوعی بال کا ایک گچھہ دیتے دیکھا اور منبر پر خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوے اور اس گچھے کو ہاتھ مین لیکر فرمایا،

یا اھل المدینۃ این علماء کم سمعت	اے اہل مدینہ! تمھارے علماء کہان ہین مین
النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینھی عن	نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے
مثل ھذہ ویقول انما ھلکت	کہ بنو اسرائیل اوسی وقت برباد ہوئے جب
بنو اسرائیل حین اتخذ ھذہ	ان کی عورتون نے اس کو اختیار کیا،

[۱] سنن نسائی کتاب الخمر [۲] مسند جلد ۶ صفحہ ۱۷۳۔

نساء ھم[۱]،

ایک دفعہ کسی عورت نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ میری بیٹی دولھن بنی ہے، لیکن بیماری سے اس کے بال گر گئے ہین کیا مصنوعی بال جوڑ دون؟ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی عورتون پر لعنت بھیجی ہے[۲]،

عرب مین جو بداخلاقیان پھیل ہوئی تھین وہ بہت کچھ تو خودبخود اسلام کے اثر سے مٹ گئین، اور جو رہ گئی تھین ان کو صحابہ کرام نے بالکل مٹا دیا، مثلاً "فخر وغرور" کہ اس کے اظہار کی ایک صورت یہ تھی کہ لوگ لڑائیون مین قبائل کی جے پکارتے تھے، حضرت عمرؓ نے اس کو حکماً منع کر دیا[۳]،

اس سلسلے مین سب سے مقدم چیز شاعری کی اصلاح تھی کیونکہ شعراء لوگون کی ہجوین لکھتے تھے اور ان سے سیکڑون اخلاقی خرابیان پیدا ہوتی تھین، حضرت عمرؓ نے اس کو جرم قرار دیا اور ہجوگوئی پر شعرا کو سزا دی چنانچہ ایک بار نجاشی نے تمیم بن مقبل کی ہجو لکھی، انھون نے حضرت عمرؓ کی خدمت مین استغاثہ کیا تو حضرت عمرؓ نے اور اشعار پر تو کوئی گرفت نہین کی لیکن جب یہ شعر سنا

اولئك اولاد الهجين واسرة | اللئيم ورهط العاجنا لمتذلل

یعنے یہ لوگ دوغلے کمینہ خاندان اور عاجز | اور ذلیل قبیلہ کے ہین

تو فرمایا کہ "اب اس شعر پر معاف نہین رکھ سکتا" چنانچہ اس کو قید کیا اور کوڑے لگائے[۴]،

حطیہ مشہور ہجوگو شاعر تھا، ایک بار اس نے زبرقان بن بدر کی ہجو کہی جس کا ایک شعر یہ تھا،

[۱] بخاری کتاب بدء الخلق وکتاب الادب [۲] مسند جلد ۶ صفحہ ۱۱۱ [۳] کنز العمال [۴] اصابہ تذکرہ تمیم بن مقبل

دع المکارم لا ترحل لبغیتہا ۔ واقعد فانک انت الطاعم الکاسی

فضائل چھوڑ دے اس کے حاصل کرنے کے لئے سفر نہ کر ۔ اور بیٹھ جا کیونکہ تو صرف کھانے اور پہننے والا آدمی ہے

زبرقان نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی تو انھون نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ "یہ ہجو ہے"
انھون نے کہا "ہان"! اس پر انھون نے حطیہ کو تنہ خانہ مین قید کر دیا، اور جب حضرت
عبد الرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت زبیرؓ نے سفارش کی، تو یہ قول لیکر چھوڑا کہ پھر کسی کی
ہجو نہ کہے گا۔[1]

ہجو کے علاوہ شعرا اشعار مین علانیہ اپنے معشوقون کے نام لیتے تھے اور ان کے
حسن کی تعریف کرتے تھے جس کو عربی مین تشبیب کہتے ہین، حضرت عمرؓ نے تمام شعرا کو
حکم دیا،

لا یشبب احد بامراۃ الا جلد[2] ۔ کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ تشبیب کرے تو
اس کو سزا دیجائیگی۔

اصلاح بین الناس اسلام نے عرب کے قدیم بغض و کینہ کو مٹاکر تمام مسلمانون کو اتحاد و
اتفاق کی جس سنہری زنجیر مین جکڑ دیا تھا صحابۂ کرام نے حتی المقدور کبھی اس کی کڑیون کو
جدا نہین ہونے دیا، حضرت عروہ بن مسعودؓ کے قبیلے کے لوگون نے جب ان کے خون کا
بدلہ لیناچاہا تو انھون نے خود نہایت ایثار نفسی کے ساتھ فرمایا،

لا تقتلوا فی قد تصدقت بدمی علٰی ۔ میرے بارے مین جنگ و جدل نہ کرو، مین نے
صاحبہ لاصلح بذالک بینکم[3] ۔ اپنا خون معاف کر دیا تاکہ اس ذریعہ سے تم لوگون
مین مصالحت ہو جائے۔

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ زبرقان [2] اسد الغابہ تذکرہ حمید بن ثور [3] سیرۃ ابن ہشام / ابن سعد تذکرہ حضرت عروہ بن مسعودؓ۔

ان کے اصل قاتل حضرت اوس بن عوف تھے، اس لئے مدت تک ان کو عروہ کے بیٹے حضرت ابو ملیح بن عروہ اور ان کے بھتیجے حضرت قارب بن اسود کی طرف سے انتقام کا کھٹکا لگا رہا، چنانچہ انھون نے حضرت ابوبکرؓ سے اس کی شکایت کی تو انھون نے ان دونون صاحبان کو انتقام سے روکا اور ان سب کو باہم ملادیا، اور سب نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا،[1]

حضرت عمرؓ نے ہجویہ اشعار کہنے پر اسقدر سختی اس لیے کی تھی کہ باہم لوگون مین ناچاقی نہ ہونے پائے، چنانچہ حضرت حسان بن ثابتؓ نے قریش کی ہجو مین جو اشعار خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے کہے تھے قریش کے اسلام لانیکے بعد ان کے پڑھنے کی ممانعت کردی کہ اس سے پرانی رنجشین تازہ ہوتی ہین،[2]

اصلاح معاش اصلاح معاش کے یہ معنی ہین کہ معاش کے ناجائز طریقون کو مٹا کر، جائز طریقون کو ترقی دی جائے، اور صحابہ کرام نے یہ دونون فرض ادا کیے،

ایک بار حضرت فضالہ بن عبیدؓ کو ایک مجمع مین معلوم ہوا کہ کچھ لوگ کو یہ کھیل رہے ہین، برہم ہو کر اٹھے اور فرمایا کہ جو لوگ اس کی کمائی کھاتے ہین سور کا گوشت کھاتے ہین اور خون سے وضو کرتے ہین،[3]

ایک بار دو شخصون نے ایک مرغ پر بازی لگائی، حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو مرغ کو مار ڈالنا چاہا، ایک شخص نے کہا ایسی امت کو قتل کرتے ہو جو خدا کی تسبیح خوان ہے اس لیے چھوڑ دیا،[4]

ایک شخص کا یہ معمول تھا کہ جب اس کی گھوڑیان چھڑے جنتین تو اس خیال سے

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ اوس بن عوف [2] اغانی تذکرہ حضرت حسان بن ثابت [3] ادب المفرد باب الغناء واللہو [4] ادب المفرد باب قتار الدیک،

ذبح کر دیتا کہ جب تک یہ سواری کے قابل ہون گے ہین زندہ کب رہونگا ، حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو ایک تحریری حکم بھیجا کہ

اصلحوا مارزقکم اللہ فان فی الامر تنفسا

خدا تم کو جو کچھ دے اس کی اصلاح کرو کیونکہ زندگی مین بڑی وسعت ہے ،

حضرت عبد اللہ بن سلامؓ نے ایک شخص کو ہدایت کی کہ اگر تم سنو کہ دجال نمودار ہو گیا ہے اور تمہارے ہاتھ مین کھجور کا ایک پودا ہو تو اطمینان سے اس کو لگا دو کیونکہ اس کے بعد بھی لوگ زندہ رہین گے[1]،

---

[1] ادب المفرد باب اصطناع المال ،

ارشاد و ہدایت

دنیا اندھیرے میں بھٹک رہی تھی، نیکی کا چراغ گل ہوگیا تھا، بدی کی گھٹا افق عالم پر چھاگئی تھی کہ حالت میں اسی غار حرا سے ایک چاند نکلا، اور دنیا اجالی ہوگئی، لیکن یہ جو کچھ ہوا صرف اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت، وعظ و پند اور ارشاد و ہدایت کا نتیجہ تھا، اس لیے آپ کے بعد دنیا پھر اندھیری ہو جاتی اگر صحابہ کرام نے اس سلسلہ کو قایم نہ رکھا ہوتا،

پند و نصیحت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ ہمہ وقت ارشاد و ہدایت میں مصروف رہتے تھے، تاہم یہ ایک ایسا اہم فرض تھا کہ اس کے لیے آپ نے ایک وقت مخصوص کر لیا تھا اور ایک روز کا ناغہ دیکر مستمر اصحابہ کرام کو وعظ و پند فرمایا کرتے تھے، آپ کے بعد صحابہ کرام نے بھی یہ روش قایم رکھی، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے بھی جمعرات کے دن کو وعظ و پند کے لیے مخصوص کر کیا تھا،[1]

نمونہ و مثال

آفتاب کسی کو اندھیرے میں بھٹکنے نہیں دیتا، لیکن باینہمہ زبان سے کچھ نہیں کہتا بلکہ اپنی شعاعوں کو بھیجدیتا ہے، جو نہایت خاموشی کے ساتھ ہر شخص کی انگلی پکڑ کر سیدھی راہ پر لگادیتی ہیں، خلفار راشدین بھی آفتاب نبوت کا پر تو تھے، اس لئے وہ ارشاد و ہدایت کے لیے دنیا کے سامنے ایسی روشن مثالیں پیش کرنا چاہتے تھے، جن کو دیکھکر ہر شخص خود بخود سیدھی راہ پالے،

[1] مسلم کتاب المنافقین و احکامہم باب الاقتصاد فی الموعظۃ و بخاری کتاب العلم،

ایک بار دفعہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ حالت احرام میں رنگین کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو فرمایا، "لوگو! تم امام ہو اور تمام دنیا تمھاری تقلید کرتی ہے، اس لئے اگر کوئی جاہل آدمی اس کپڑے کو دیکھے گا تو کہے گا کہ طلحہ بن عبید اللہ حالتِ احرام میں رنگین کپڑے پہنتے تھے پس اے لوگو اس قسم کا کپڑا ہرگز نہ پہنو"[1]

وعظ گوئی — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو اس کی ضرورت ہی نہ تھی، حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں بھی اس کا رواج نہیں ہوا، حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جن کے عہد خلافت میں اس کی ایجاد ہوئی اور حضرت تمیم داری ؓ نے ان کی اجازت سے کھڑے ہو کر وعظ کہا[2] چنانچہ اس طریقہ کو حضرت عمرؓ کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص وعظ کو محض گرمی محفل کا ذریعہ بنانا چاہتا اور اس میں تکلف و تصنع سے کام لیتا تو صحابہ کرام نہایت سختی کے ساتھ روک ٹوک کرتے، واعظین گرمیِ مجلس کے لیے مقفی و مسجع دعائیں بنا بنا کر پڑھا کرتے اور اپنے تقدس کے اظہار کے لیے موقع بے موقع، ہر وقت وعظ کے لیے آمادہ رہتے ہیں، حضرت عائشہؓ کے زمانے میں ابن ابی السائب تابعی نے یہ طریقہ اختیار کیا تو انھوں نے ان سے خطاب کرکے کہا، "تم مجھ سے تین باتوں کا عہد کرو ورنہ بزور تم سے بازپرس کروں گی،" عرض کیا "ام المومنین! وہ کیا باتیں ہیں؟" فرمایا دعاؤں میں مسجع عبارتیں نہ بناؤ، اس لیے کہ آپ اور آپ کے اصحاب ایسا نہیں کرتے تھے، ہفتہ میں صرف ایک دن وعظ کہا کرو، اگر یہ کافی نہ ہو تو دو دن اور اس سے بھی زیادہ چاہو تو تین دن، لوگوں کو خدا کی کتاب سے اکتانہ دو، ایسا نہ کرو کہ جہاں لوگ بیٹھے ہوں آکر بیٹھ جاؤ اور قطع کلام کرکے اپنا وعظ سنانا شروع کردو، بلکہ جب ان کی خواہش ہو اور وہ درخواست کریں تب کہو"[3]

---

[1] موطائے امام مالک کتاب الحج باب لبس الثیاب المصبغۃ فی الاحرام [2] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۴۹ [3] مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۲۱۷

کلمات طیبہ صحابہ کرام کی زبان سے جو کلمات طیبہ نکل گئے وہ بھی ارشاد و ہدایت کے سلسلے میں داخل ہیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ "لوگوں میں اس طرح رہو جس طرح اڑنے والی شہد کی مکھی کہ اس کو ہر چڑیا اپنے آپ سے کمزور سمجھتی ہے۔ لیکن اگر اس کو معلوم ہوتا کہ اس کے پیٹ میں کیا برکت بھری ہوئی ہے تو وہ ایسا نہ کرتی، لوگوں کے ساتھ جسم اور زبان سے ملے جلے رہو لیکن دل اور عمل سے الگ رہو[1]"

ایک بار حضرت سلمان فارسیؓ نے حضرت ابوالدرداءؓ کو لکھا کہ علم ایک چشمہ ہے جس کے لوگ آتے ہیں اور اس سے نالیاں نکالتے ہیں اور خدا اس سے بہتوں کو فائدہ پہونچاتا ہے، لیکن اگر کوئی حکمت خاموش ہو تو وہ جسم بے روح ہے، اگر کوئی علم لٹایا نہ جائے تو وہ مدفون خزانہ ہے، عالم کی مثال اس شخص کی سی ہے جو تاریک راستے میں چراغ دکھاتا ہے تاکہ لوگ اس سے روشنی حاصل کریں اور اس کو دعا دیں[2]۔

اس کے علاوہ صحابۂ کرام کے اور بھی بہ کثرت منقولے ہیں، جن کو ہم تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں،

---

[1] دارمی باب فی اجتناب الاہواء [2] دارمی باب البلاغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتعلیم السنن،

جہاد

جہاد کے متعلق صحابۂ کرام کے خدمات کی تفصیل حسبِ ذیل عنوانات میں کی جاسکتی ہے:

۱ جہاد کی حقیقت کے متعلق صحابۂ کرام کا کیا خیال تھا؟

۲ عہد نبوت کے نظامِ فوجی میں صحابۂ کرام کی مذہبی اور اخلاقی سرگرمیوں کا کس قدر حصہ شامل تھا؟

۳ خلفائے راشدین نے اس نظام کو کس قدر ترقی دی؟

جہاد کی حقیقت

مورخین یورپ کے نزدیک جہاد اسلام کی حقیقت کا لازمی جزو ہے، لیکن صحابۂ کرام کے نزدیک اسلام کی حقیقت اس سے بالاتر تھی کہ اس کے مایہ خمیر میں خون کے اجزا شامل کئے جائیں، چنانچہ کسی نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ آپ جہاد کیوں نہیں کرتے؟ بولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے. کلمۂ توحید، نماز، زکوۃ، روزہ، حج [1] یعنی جہاد اسلام کی حقیقت سے خارج ہے، اس کا جزو نہیں ہے۔

عہد نبوت میں صحابۂ کرام کا فوجی نظام

عام خیال ہے کہ عہد نبوت تک اسلام میں کوئی فوجی نظام نہیں قایم ہوا تھا، یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی آواز کا معجزانہ اثر تھا کہ تمام صحابہ ایک جھنڈے کے نیچے آکر جمع ہو جاتے تھے، حضرت ابو بکرؓ کے زمانۂ خلافت تک

[1] مسلم کتاب الایمان باب قول النبی صلعم. بنی الاسلام علی خمس.

بھی یہی حالت قایم رہی، حضرت عمرؓ پہلے شخص ہین جنھون نے ایک باضابطہ نظام فوج قایم کیا، لیکن درحقیقت یہ ایک عظیم الشان غلطی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ مین آنے کے ساتھ ہی ایک مستقل نظام فوج قایم کرلیا تھا، اور صحابۂ کرام کے مذہبی جوش اور اخلاقی طاقت نے اس کو نمایان ترقی دی تھی،

تمام قوم کا فوج بنانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال انصار کے نوخیز لوگون کا جایزہ لیتے تھے، اور پانزدہ سالہ نوجوانون کو فوج مین داخل کرتے تھے، آج اس تمدنی زمانہ مین بھی جبکہ ہر شخص قومیت و وطنیت کا ترانہ گا رہا ہے، اکثر لوگ اس قسم کی جبری خدمت سے انکار کرتے ہین، لیکن صحابۂ کرام کے جوش مذہبی کا یہ حال تھا کہ بچہ بچہ بشوق فوج مین شامل ہونا چاہتا تھا، اور اگر کسی کو اس مذہبی خدمت کے انجام دینے کی اجازت نہین ملتی تھی، تو اس کو سخت ملال ہوتا تھا ایک بار آپ نے انصار کے نوجوانون کا جائزہ لیا اور ایک نوجوان کو شریک فوج ہونے کی اجازت عطا فرمائی، حضرت سمرہؓ نے بھی اپنے آپ کو پیش کیا، لیکن آپ نے کمسنی کی وجہ سے ان کی درخواست منظور نہین کی، اس بناپر ان کو سخت صدمہ ہوا، اور مایوسی کے لہجہ مین کہا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اس لونڈے کو اجازت دیدی اور مجھے نہین قبول فرمایا، حالانکہ اگر کشتی ہو تو مین اس کو پچھاڑ دون"، اب آپ نے دونون مین کشتی کرائی، اور سمرہ نے اس کو پچھاڑ دیا، اس لیے آپ نے ان کو بھی شرکت جہاد کی اجازت دی،[1]

صحابۂ کرام جس ذوق و شوق سے شریک جہاد ہوتے تھے، اس کے متعلق احادیث و رجال کی کتابون مین بہ کثرت واقعات مذکور ہین، ہم نے اس کتاب کے پہلے حصے مین اس قسم کی

[1] استیعاب تذکرہ حضرت سمرہؓ بن جندب،

متعدد مثالین مختلف عنوانات مین جمع کردی ہین، اس موقع پر ان کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے،

فوجی شعار

مہاجرین وانصار کو اگرچہ اخوت اسلامی نے بھائی بھائی بنادیا تھا تاہم صف جنگ مین دونون اپنے مخصوص قومی شعار کی بنا پر الگ الگ نظر آتے تھے اور یہ ان کے جوش ومسابقت کا بڑا سبب تھا، انصار کا شعار عبدالرحمان اور مہاجرین نے اپنا شعار عبداللہ قرار دیا تھا،

قرآن مجید کی بعض سورتون کے ٹکڑون کو بھی بطور شعار کے پڑھا جاتا تھا،[1]

فوج کی تقسیم

اخیر مین جب اسلام کا فوجی نظام بالکل مکمل ہوگیا، تو میدان جنگ مین فوجون کی تقسیم بھی قومی حیثیت سے کی گئی، چنانچہ فتح مکہ مین جیساکہ صحیح بخاری کتاب المغازی مین مذکور ہے تمام قبائل کے دستے الگ الگ قایم کیے گیے تھے،

فوجی تعلیم وتربیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فوجی تعلیم وتربیت مین کدوکاش کی ضرورت پیش نہین آئی، خود صحابۂ کرام مین تیراندازی کا ذوق اس قدر ترقی کرگیا تھاکہ مغرب کے بعد مسجد سے نکلکر تیر کا نشانہ لگاتے تھے،[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حوصلہ افزائی اس ذوق کو اور بھی ترقی دیتی تھی، ایک بار آپ نے صحابۂ کرام کو تیراندازی کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا،

ارموا یابنی اسماعیل ابا کم کان راميا | اے بنو اسماعیل تیراندازی کرو کیونکہ تمھارا باپ تیرانداز تھا،

معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام تیراندازی مین باہم مسابقت کرتے تھے، چنانچہ اسی موقعہ پر جب آپ نے فرمایا کہ "مین فلان قبیلہ کے ساتھ ہون،" تو دوسرے قبیلہ کے لوگ رک گئے اور کہا کہ "جب آپ خود ان کے ساتھ ہین تو ہم کیا مقابلہ کرسکتے ہین" ارشاد ہوا کہ "تیر پھینکو مین تم سب کے ساتھ ہون"[3]

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الرجل ینادی بالشعار [2] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب وقت المغرب
[3] بخاری کتاب الجہاد باب التحریض علی الرمی

تیر اندازی کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑ دوڑ بھی کراتے تھے، اور اس میں تمام صحابہ شریک ہوتے تھے، بعض صحابہ نے پیدل دوڑنے کی مشق کی تھی، چنانچہ اس وصف میں حضرت سلمہ بن اکوع خاص طور پر ممتاز تھے اور اس مشق کی بدولت ان کو مختلف فوجی کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں۔

شہسواری اور تیر اندازی کے علاوہ صحابۂ کرام نے فن جنگ میں اور بھی جدید ترقیاں کیں، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عروہ بن مسعود اور حضرت غیلان بن سلمہ کو جرش بھیجا کہ وہاں سے منجنیق اور دبابہ کے استعمال کا طریقہ سیکھ کے آئیں، چنانچہ وہ لوگ یہاں سے تعلیم حاصل کر کے آئے تو طائف کے محاصرے میں ان آلات کا استعمال کیا گیا[1]، یہ طبری کی روایت ہے، لیکن مواہب لدنیہ میں ہے کہ فن جنگ میں یہ جدید اضافہ حضرت طفیل بن عمرو دوسی کے بدولت ہوا، زرقانی نے اس کی شرح میں یزید بن زمعہ کا نام بھی لیا ہے اور واقدی کی ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ منجنیق کا استعمال حضرت سلمان کے مشورے سے کیا گیا[2]۔

غزوۂ احزاب میں خندق انہی کے مشورے سے کھودی گئی، اور کفار نے اس کو اس قدر جدید اور عجیب چیز سمجھا کہ سب کے سب یک زبان ہو کر بول اٹھے۔

ان ھذہ لمکیدۃ ما کانت العرب تصنعہا — یہ ایک ایسی چال ہے جس سے اہل عرب بالکل ناآشنا تھے۔

زخمیوں کی مرہم پٹی کا انتظام، جس طرح صحابۂ کرام بشوق غزوات میں شریک ہوتے تھے، اسی طرح صحابیات بھی خدا کی راہ میں ان سے پیچھے نہیں رہنا چاہتی تھیں، ان کے لیے سب سے زیادہ موزون کام زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا اور مجاہدین کے آرام و آسائش کا سامان بہم

[1] طبری صفحہ ۱۶۶۹ واقعات ۸ھ [2] زرقانی جلد ۳ صفحہ ۳۴ [3] طبقات ابن سعد کتاب المغازی صفحہ ۴۷

پہنچاتا تھا، اور وہ اس خدمت کو نہایت خلوص اور دلسوزی سے انجام دیتی تھین،

حضرت ام ورقہ بنت نوفلؓ ایک صحابیہ تھین، جب معرکۂ بدر پیش آیا تو انھون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین درخواست کی کہ مجھے شریکِ جہاد ہونے کی اجازت دی جائے مین مریضون کی تیمارداری کرون گی،[1]

غزوۂ خیبر مین بغیر خبر واگراہ کے متعدد عورتین شریک جہاد ہوئین، آپ کو ان کا حال معلوم ہوا تو بلا بھیجا، اور ناراضی کے لہجے مین پوچھا تم کس کے ساتھ اور کس کی اجازت سے آئی ہو؟ بولین "یارسول اللہ ہم اون کاتتے ہین اور اس سے خدا کی راہ مین اعانت کرتے ہین، ہمارے ساتھ زخمیون کے دوا علاج کا سامان ہے، لوگون کو تیر اٹھا اوٹھا کے دیتے ہین، اور ستو گھول گھول کے پلاتے ہین"[2]

حضرت ام عطیہؓ ایک صحابیہ تھین جو آپ کے ساتھ لڑائیون مین شریک ہوئی تھین، اور مجاہدین کے اسباب کی نگرانی کرتی تھین، کھانا پکاتی تھین، مریضون کی مرہم پٹی کرتی تھین[3]

غزوۂ احد مین خود حضرت عائشہؓ شریک تھین، اور وہ اور حضرت ام سلیمؓ اپنی پیٹھ پر مشک لاد لاد کے لاتی تھین اور لوگون کو پانی پلاتی تھین،[4]

حضرت ربیعؓ بنت مسعودؓ کا بیان ہے کہ ہم سب غزوات مین شریک ہوتے تھے، پانی پلاتے تھے، مجاہدین کی خدمت کرتے تھے، اور مدینہ تک زخمیون اور لاشون کو اٹھا اٹھا کے لاتے تھے،[5]

حضرت رفیدہؓ نے مسجد نبوی مین ایک خیمہ قایم کر رکھا تھا، جو لوگ زخمی ہو کر آتے تھے

---

[1] ابو داود کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ النساء [2] ابو داود کتاب الجہاد باب فی المرأۃ والعبد یحذیان من الغنیمۃ [3] مسلم کتاب الجہاد باب النساء الغازیات یرضخ لہن ولا یسہم والنہی عن قتل صبیان اہل الحرب [4] مسلم کتاب الجہاد باب غزوۃ النساء مع الرجال [5] بخاری کتاب الجہاد باب رد النساء الجرحیٰ والقتلیٰ

وہ اسی خیمے مین ان کا علاج کرتی تھین، چنانچہ حضرت سعد بن معاذؓ غزوہ خندق مین زخمی ہوئے، تو ان کا علاج اسی خیمہ مین کیا گیا،[1]

جہاد کے لئے سازوسامان

شوق جہاد نے اسلام کے جھنڈے کے نیچے بہادر سپاہی تو جمع کر دیئے لیکن اسلام کی غربت مصارف جہاد اور آلات حرب کا کیا سامان کرتی؟ لیکن صحابۂ کرام نے تکمیل مقاصد جہاد کے لیے جان کی طرح مال کو بھی قربان کر دیا، حضرت عثمانؓ نے جس طرح غزوہ عسرہ کی تیاری مین اپنا تمام مال وقف کر دیا، وہ تاریخ اسلام کا مشہور واقعہ ہے، ان کے علاوہ اور تمام صحابہ اس کار خیر مین حصہ لیتے تھے، یہی وجہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد نفس کے ساتھ جہاد بالمال کا بھی بار بار قرآن مجید مین ذکر کیا ہے، احادیث مین اس قسم کی فیاضیون کی متعدد مثالین ملتی ہین، حضرت عمرؓ نے جہاد کی ضرورت کے لیے ایک شخص کو ایک گھوڑا دیا تھا،[2]

حضرت ابو معقلؓ کے پاس ایک جوان اونٹ تھا انھون نے اس کو جہاد کے لیے وقف کر دیا تھا،[3]

ایک صحابی ایک اونٹنی کی ناک مین نکیل لگائے ہوئے آئے اور کہا کہ "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کو خدا کی راہ مین دیتا ہون،" ارشاد ہوا کہ "قیامت کے دن خدا تم کو اس کے بدلے سات سو اونٹنیان دیگا[4]"

حضرت خالدؓ بن الولید کے پاس بہت سی زرہین تھین، جن کو انھون نے جہاد کے لیے وقف کر دیا،[5]

---

[1] اصابہ تذکرہ رفیدہؓ [2] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب الرجل یبتاع صدقتہ و بخاری کتاب الزکوٰۃ [3] ابوداؤد کتاب المناسک باب العمرۃ [4] مسلم کتاب الامارۃ باب فضل الصدقۃ فی سبیل اللہ و تضعیفہا [5] ابوداؤد کتاب الزکواۃ باب فی تعجیل الزکوٰۃ،

حضرت نوفل بن حارثؓ نے غزوہ حنین مین تین ہزار نیزون سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت کی، چنانچہ آپ نے ان کو دیکھکر فرمایا: "مین دیکھ رہا ہون کہ تمھارے نیزے کفار کی ریڑھ کی ہڈیان توڑ رہے ہین"[1]

عہد نبوت مین انفاق فی سبیل اللہ اسلام کی سب سے بڑی علامت تھی، حضرت رفاعہ بن زیدؓ ایک صحابی تھے جن پر نفاق کا شبہہ کیا جاتا تھا، ایک بار ان کے ہتھیار چوری گئے، معد کو ملے تو انھون نے ان کو جہاد کے لیے وقف کر دیا، اب لوگون کے دل سے نفاق کا شبہہ دور ہو گیا،[2]

خلافت راشدہ مین صحابہ کرام کا فوجی نظام

خلفاے راشدین رضؓ نے جو فوجی نظام قایم کیا، اوسپر مادی اور اخلاقی دونون حیثیتون سے نگاہ ڈالنی چاہیے،

حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت مین مادی حیثیت سے صرف اس قدر ترقی ہوئی کہ مساویانہ تعداد مین فوج کے مختلف دستے قایم کئے گئے، اور ہر دستے کے الگ الگ سپہ سالار قرار دیئے گئے، چنانچہ ان کے عہد مین اول اول شام کی طرف جو فوج بھیجی گئی اس مین ہر کمانڈر کی ماتحتی مین تین تین ہزار سپاہی دیئے گئے، اس کے بعد متصل کمک نے اس تعداد کو بڑھا کر ساڑھے سات ہزار تک پہونچا دیا، حضرت ابوبکرؓ نے ان دستون کو قومی حیثیت سے مرتب کیا تھا، اور تمام امراے فوج کو حکم دیا تھا کہ ہر قبیلہ کے لیے الگ الگ جھنڈا قایم کیا جائے، انھون نے امیر الامراء کا ایک نیا عہدہ بھی قایم کیا، جو گویا تمام فوج کا کمانڈر انچیف تھا، اور سب سے پہلے حضرت خالد بن ولیدؓ اس عہدے پر مامور کئے گئے،[3]

دستہ بندی کی وجہ سے ان کے زمانے مین فن جنگ مین بھی بہت کچھ ترقی ہوئی، عرب کو چونکہ ہمیشہ ایک نا تربیت یافتہ فوج سے لڑنا پڑتا تھا، اس لیے حالتِ جنگ مین

---

[1] اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۴۶ [2] ترمذی ابواب تفسیر القرآن [3] فتوح البلدان صفحہ ۱۱۸،

فوج کسی ترتیب و نظام کی پابند نہ تھی، غیر مرتب صفین قایم ہو جاتی تھین اور ہر صف الگ الگ معرکہ آرا ہوتی تھی، لیکن حضرت ابو بکرؓ کے ۶۱۳ء مین جب بمقام یرموک رومیون سے جنگ ہوئی، اور حضرت خالد بن ولیدؓ نے ان کی فوج کے ترتیب و نظام کو دیکھا، تو تمام فوج کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا،

ولا تقاتلوا قوما علی نظام وتعبیۃ علی تساند وانتشار، | ایسی مرتب فوج سے متفرق طور پر نہ لڑو،

چنانچہ انھون نے فوج کے ۴۳ دستے قایم کیے، اور ہر دستے پر الگ الگ کمانڈر مقرر کیے، ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ مین لکھا ہے،

واول من ابطل الصف فی الحروب وصار الی التعبیۃ کرادیس مروان ابن الحکم[1]، | پہلا شخص جس نے جنگ مین صف بندی کے طریقہ کو موقوف کر کے الگ الگ دستے قایم کیے، مروان بن حکم تھا،

لیکن یہ تاریخی غلطی ہے، اس کی ابتدار خود حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت مین ہو گئی تھی، چنانچہ علامہ طبری لکھتے ہین،

وخرج خالد فی تعبیۃ لم تعبہا العرب قبل ذلک | اور خالد نے فوج کو اس طرح آراستہ کیا کہ عرب نے اس سے پہلے اس قسم کی آراستگی نہین دیکھی تھی،

اس ترتیب و نظام سے فوج کے مختلف شعبے مثلاً قلب، میمنہ، اور میسرہ قایم ہو گیے، اور حضرت عمرؓ کے زمانے مین ان مین اور بھی اضافہ ہوا،

اخلاقی حیثیت سے خلفاے راشدینؓ کا سب سے اہم فرض یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۰۰،

نے فوج کو جس قانون جنگ کا پابند بنایا تھا، اس کو وہ بھی قایم رکھین، اور اس کی محافظت کرین،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کو جس اخلاقی قانون کا پابند بنایا تھا، اس کے دفعات کی
تفصیل حسب ذیل ہے،

۱۔ مال غنیمت مین خیانت نہ کیجائے،

۲۔ بد عہدی نہ کیجائے،

۳۔ مقتولین کے ہاتھ پانون اور ناک کان نہ کاٹے جائین،

۴۔ بچے، عورتین، بوڑھے اور راہب نہ قتل کیے جائین،

۵۔ مسلمانون کی آبادی پر حملہ نہ کیا جائے،

۶۔ لوگون کی جائداد اور مویشیون سے تعرض نہ کیا جائے،

۷۔ اسیران جنگ کو ان کے اعزہ واقارب سے جدا نہ کیا جائے،

۸۔ لونڈیون سے بغیر استبرار رحم کے مباشرت نہ کی جائے،

خلفائے راشدینؓ نے شدت کے ساتھ اس قانون کی محافظت کی، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے شام کی طرف فوج بھیجی تو امیر العسکر کو حسب ذیل وصیتین کین،

انک تجد قوما زعموا انھم حبسوا	تم ایک ایسی قوم (راہب) کو پاؤ گے جنھون نے
انفسھم للہ فذرھم، وانی	اپنے آپ کو عبادت خدا کے لیے وقف کر دیا ہے
موصیک بعشر لا تقتلوا امراۃ ولا	ان کو چھوڑ دو، مین تم کو دس وصیتین کرتا ہون
صبیا ولا کبیرا ھرما ولا تقطعن	عورت، بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرو، پھلدار درخت
شجرا مثمرا ولا تخربن عامرا	کو نہ کاٹو، آبادی کو ویران نہ کرو، بکری
ولا تعقرن شاۃ ولا بعیرا الا لماکلۃ	اور اونٹ کو ذبح نہ کرو، نخلستان مین آگ

ولا تحرقن نخلا ولا تعرقنه ولا تغلل ولا تجبن[1] — نہ لگاؤ، مال غنیمت میں بد دیانتی نہ کرو، اور نامرد نہ ہو،

حضرت عمرؓ نے بھی ان قوانین کا نہایت احترام کیا، اور فوج کو عام طور پر ہدایت فرمائی،

فان قاتلوکم فلا تغدروا ولا تغلوا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا[2] — اگر وہ تم سے لڑیں تو بد عہدی نہ کرو، خیانت نہ کرو، مقتولین کے اعضاء نہ کاٹو، اور بچوں کو قتل نہ کرو،

ایک بار ان کو معلوم ہوا کہ فوجی لوگ امان دیکر بد عہدی کرتے ہین، تو سپہ سالار فوج کو لکھا کہ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ کفار کا تعاقب کرتے ہو، اور جب وہ پہاڑ پر چڑھ جاتے ہین تو ان سے کہتے ہو کہ "مترس" یعنی نہ ڈرو، لیکن جب ان پر قابو پا جاتے ہو تو ان کو قتل کر ڈالتے ہو، اگر اب کوئی شخص اس بد عہدی کا مرتکب ہوا تو خدا کی قسم اس کی گردن اڑا دونگا،[3]

لیکن اس اخلاقی قانون کے تحفظ کے ساتھ حضرت عمرؓ نے مادی حیثیت سے بھی نظام فوج کو نہایت ترقی دی، چنانچہ ان ترقیون کی تفصیل یہ ہے،

۱- ایک مستقل محکمۂ فوج قایم کیا، تمام لوگون کے نام درج رجسٹر کروائے اور ان کی تنخواہین مقرر کین،

۲- ہر جگہ بڑے بڑے اصطبل بنوائے، جن مین چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت طیار رہتے تھے کہ بوقت ضرورت فوجی تیاریون مین کوئی دشواری پیش نہ آئے، کوفہ مین اس کا اہتمام سلمان بن ربیعہ باہلی کے متعلق تھا، اور اس وجہ سے وہ سلمان الخیل کے لقب سے مشہور تھے،[4]

---

[1] موطاء امام مالک کتاب الجہاد باب النہی عن قتل النساء والولدان فی الغزو، [2] کتاب الخراج صفحہ ۱۲۰
[3] موطاء امام مالک کتاب الجہاد باب ماجاء فی الوفاء بالامان [4] اسد الغابہ تذکرہ سلمان الخیل،

گھوڑون اور اونٹون کی پرورش و پرداخت کے لیے متعدد چراگاہین قایم کرائی تھین جن کو حِمٰی کہتے ہین،

۳۔ ملک مین مختلف چھاؤنیان قایم کین، بالخصوص سرحدی اور ساحلی مقامات کو نہایت مستحکم اور محفوظ کیا،

۴۔ رسد کا مستقل محکمہ قایم کیا جس کو اہرا کہتے تھے،

۵۔ سپاہیون کو بھتہ دیا جس کو عربی مین معونہ کہتے ہین، جو سپاہی نادار ہوتا تھا اس کو سواری ملتی تھی،

۶۔ فوج کی صحت اور تندرستی قایم رکھنے کے لیے مختلف تدبیرین کین، مثلاً

۱۔ جو سرد ممالک ہوتے تھے وہان گرمیون مین اور گرم ممالک مین جاڑون کے موسم مین فوجین روانہ کرتے تھے،

۲۔ فصل بہار مین عموماً ان مقامات مین فوجین بھیجتے تھے، جن کی آب وہوا خوشگوار اور وہ سرسبز وشاداب ہون[1]،

۳۔ بارکون کی تعمیر اور چھاؤنیون کے بنانے مین ہمیشہ عمدہ آب وہوا کا لحاظ کرتے تھے،

۴۔ کوچ کی حالت مین فوج کو حکم تھا کہ لوگ جمعہ کے روز شب وروز قیام کرکے دم لے لین، ہر روز اس قدر مسافت طے کی جائے کہ لوگ تھکنے نہ پائین اور پڑاو اس مقام پر ڈالا جائے جہان ضروریات کی تمام چیزین مل سکین،

۷۔ رخصت کا باقاعدہ انتظام تھا جو فوجین دور دراز مقامات پر رہتی تھین، ان کو سال مین ایک دفعہ ورنہ دو دفعہ رخصت ملتی تھی، چنانچہ ایکبار اس مین تاخیر ہوئی تو فوج خود واپس[2]

---

[1] طبری صفحہ ۲۴۸۶ [2] ابوداود کتاب الخراج باب تعقیب الجیوش،

چلی آئی،

۸ فوج کے ساتھ قاضی، افسر خزانہ، محاسب، طبیب، جراح اور مترجم مقرر کیے، جو مال غنیمت حاصل ہوتا تھا پہلے اس کی تفصیل لکھی جاتی تھی، محاسب اس کو تقسیم کرتا تھا، طبری مین ہے،

کان الاخماس یکتب ویحسب[1] — خمس لکھا جاتا تھا اور اس کا حساب کیا جاتا تھا،

۹ سفرمینا کا انتظام کیا اور یہ کام زیادہ تر ذمیون سے لیا، ذمی پل باندھتے تھے، سڑک بناتے تھے، بازار لگاتے تھے اور یہ تمام خدمتین مسلمانون کے حسن سلوک کی بناپر بخوشی انجام دیتے تھے،

۱۰ ذمی جاسوسی کی خدمت بھی انجام دیتے تھے، لیکن ان کے علاوہ حضرت عمرؓ نے خود متعدد جاسوس مقرر کر رکھے تھے جو ان کو ایک ایک جزئیات کی خبر دیتے رہتے تھے، تاریخ طبری مین ہے،

وکانت تکون لعمر العیون فی کل جیش، — ہر فوج مین حضرت عمرؓ کے جاسوس رہتے تھے،

۱۱ مقتولین ومجروحین کو میدانِ جنگ سے اٹھانے کے لیے خاص خاص اشخاص مقرر کیے جاتے تھے، تاریخ طبری مین ہے،

وکل سعد رجالا ینقل الشہداء[2] — حضرت سعدؓ نے شہدار کے اٹھانے کے لیے اشخاص مقرر کیے

شہدار کی لاشین آتی تھین تو بچے اور عورتین قبر کھود کھود کر ان کو دفن کرتی تھین،

غزوہ بحریہ

بحری جنگ کی تحریک اور ابتدا اوّل اوّل حضرت عمرؓ کے عہد خلافت مین ہوئی، چنانچہ سب سے پہلے حضرت امیر معاویہؓ نے ان کو بحری جنگ کی طرف

[1] طبری صفحہ ۲۲۸۶ [2] طبری صفحہ ۲۳۰۴ [3] طبری صفحہ ۲۳۱۷،

توجہ دلائی، لیکن حضرت عمرؓ کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی نیا کام کرنا ہوتا تھا، تو کافی معلومات حاصل کرنے کے بعد اس کی ابتدا فرماتے تھے، اس لیے پہلے حضرت عمرو بن العاصؓ سے بحری حالات دریافت فرمائے اور انھون نے اس کو ایک پرخطر کام بتایا، حضرت عمرؓ کو غزوات بحریہ کی مشکلات کا اندازہ ہوا تو اس کی طرف سے توجہ ہٹا لی، اور مسلمانون کو اس[1] کی ممانعت فرمائی، لیکن صحابۂ کرام کے جوش جہاد کے لیے زمین کی وسعت کافی نہ تھی، اس لیے باوجود اس ممانعت کے حضرت علاء بن حضرمیؓ اور حضرت عرفجہ بن ہرثمہ ازدیؓ نے حضرت عمرؓ کی اجازت کے بغیر ناکام بحری حملے کیے، حضرت عمرؓ کو ان کی ناکامی کا حال معلوم ہوا تو سخت زجر و توبیخ کی اور معزولی کی دھمکی دی[2]، اس کے بعد ان کے عہد خلافت مین کوئی بحری جنگ نہین ہوئی، لیکن حضرت عثمانؓ کے زمانے مین یہ جوش دوبارہ تازہ ہوا، حضرت امیر معاویہؓ کو ابتدا ہی سے رومیون کے ساتھ بحری جنگ کا خیال تھا، انھون نے حضرت عمرؓ کی خدمت مین اس خیال کو ظاہر بھی کیا تھا، لیکن انھون نے اجازت نہین دی، حضرت عثمانؓ کے زمانے مین انھون نے پھر یہ درخواست کی، پہلے تو انھون نے یہ کہکر ٹالدیا کہ" حضرت عمرؓ نے تم کو اس سے روکا تھا"، انھون نے دوبارہ خواہش ظاہر کی تو اجازت دی، چنانچہ انھون نے ۲۸ھ مین انقضائے موسم سرما کے بعد قبرس پر پہلا بحری حملہ کیا، اور وہان سے چند شرائط پر صلح کر کے واپس آئے ۳۲ھ مین ان لوگون نے بعض شرائط صلح کی خلاف ورزی کی، تو حضرت امیر معاویہؓ نے پانچسو جہازون کے ساتھ دوبارہ حملہ کر کے قبرس کو فتح کر لیا، اور وہان عرب کی نوآبادیان قایم کین مسجدین تعمیر کین اور ایک شہر آباد کیا اس کے بعد

[1] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۲۷، [2] طبری صفحہ ۲۵۴۸، [3] فتوح البلدان ص ۱۵۹ و ۱۶۰

غزوات بحریہ کا عام سلسلہ قایم ہو گیا، اور برابر قایم رہا،

اسد الغابہ مین ہے،

كان جنادة بن امية على غزو الروم في البحر لمعاوية من زمن عثمان الى ايام يزيد[1]	جنادہ بن امیہ حضرت عثمانؓ کے زمانے سے یزید کے زمانہ تک امیر معاویہ کی جانب سے رومیون کے ساتھ غزوہ بحریہ مین مشغول رہے،

طبری نے لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن قیس حارثیؓ کو حضرت امیر معاویہؓ نے امیر البحر مقرر فرمایا تھا، اور انھون نے پچاس بحری لڑائیان کین جن مین مسلمانون کا ایک آدمی بھی ضایع نہوا،[2]

جہاز سازی کا کارخانہ

ایسے عظیم الشان بحری حملے جس مین پانچ پانچ سو جہازون کا بیڑا سطح سمندر پر تلاطم انداز ہو بغیر جہاز سازی کے کارخانے کے نہین کیے جا سکتے تھے، اس لیے حضرت امیر معاویہؓ نے متعدد جہاز سازی کے کارخانے قایم کیے تھے، جن مین پہلا کارخانہ مصر مین ۵۴ھ مین قایم کیا گیا تھا،[3]

علامہ بلاذری کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے اور تمام ساحلی مقامات پر بھی جہاز سازی کے کارخانے قایم کیے تھے، چنانچہ اُن کے الفاظ یہ ہین،

كانت الصناعة بمصر فقط فامر معاوية بجمع الصناع والنجارين فجمعوا ورتبهم في السواحل وكانت الصناعة في الاردن لعكا۔	جہاز سازی کا کارخانہ صرف مصر مین تھا لیکن امیر معاویؓ کے حکم سے کاریگر اور بڑھئی جمع کیے گیے، اور ان کو انھون نے تمام ساحلی مقامات پر مقرر کیا، اور اردن مین بمقام عکا جہاز سازی کا کارخانہ تھا[4]

یہ کارخانہ مدتون قایم رہا لیکن ہشام بن عبد الملک نے اس کو صور مین منتقل کر دیا،

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ جنادہ بن امیہ، [2] طبری صفحہ ۲۸۲۴ [3] حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۹ [4] فتوح البلدان صفحہ ۱۲۴، عربی مین صناعۃ کے لفظ کا جیسا کہ علامہ سیوطی نے تصریح کی ہے، جہاز سازی کے کارخانہ پر اطلاق کیا جاتا ہے،

فتوحات صحابہؓ

اور

اُن کے علل واسباب

اگر صحابہ کرام کے نظام اخلاق، نظام عمل اور نظام عقائد کی تحلیل کی جائے تو ان فتوحات کے اہم اور اصولی اسباب حسب ذیل قرار دیئے جا سکتے ہیں،

(۱) صحابہ کرام دنیا کی فتح کے لیے اٹھے تو ان کے سامنے ایک خاص مقصد تھا جس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مطمح نظر قرار دیا تھا، چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ جب آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو غزوۂ خیبر میں علم فتح عنایت فرمایا تو ساتھ ساتھ یہ الفاظ بھی فرمائے،

لان یھدی اللہ بک رجلا خیر لک من حمر النعم	اگر خدا تمھارے ذریعہ سے ایک شخص کو بھی ہدایت دیدے تو وہ تمھارے لیے سرخ اونٹون سے بہتر ہے،

لیکن جس قوم سے بادۂ ہدایت کے ان متوالون کا مقابلہ ہوا، اون کے دل اس کیفیت سے بالکل خالی تھے، ان کا فوجی نظام اگرچہ نہایت مکمل تھا تاہم ان کے سامنے کوئی مقصد نہ تھا، وہ خارجی قوت سے لڑنا چاہتے تھے، حالانکہ فوج صرف اندرونی طاقت سے لڑتی ہے۔ خود فرانس کا مشہور مورخ لیبان صحابہ کرام کی فتوحات کا سبب اسی مقصد تبلیغ اور

اسی قوت ایمانیہ کو قرار دیتا ہے، چنانچہ اپنی مشہور فلسفیانہ کتاب سر تطور الامم مین لکھتا ہے:۔

اگر ہم عرب کی ابتدائی فتوحات کے زمانے کی تاریخ پر غور کرین، (حالانکہ ابتدائی فتوحات عادۃً مشکل اور اہم ہوتی ہین) تو ہم کو معلوم ہوگا کہ ان کا مقابلہ ان حریفون سے ہوا جن کا نظام فوج اگرچہ نہایت مستحکم تھا، تاہم ان کی اخلاقی طاقت ضعیف ہو گئی تھی، عرب کی فوج نے اول اول شام کی طرف پیش قدمی کی، جہان ان کو بیزنٹائن فوج سے سابقہ پڑا جو ان افراد سے مرکب تھی جو کسی مقصد کے لیے اپنے اندر جان فروشی کا جذبہ نہین رکھتی تھی، لیکن عرب کی قوت ایمانیہ ان کی تعداد کو کئی گنا بڑھا دیتی تھی اس لیے ان کو ایسی کھوکھلی فوج کے شیرازہ کے پراگندہ کرنے مین کوئی دشواری پیش نہین آتی۔[1]

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک خود صحابۂ کرام کی فتوحات کا ایک عظیم الشان سبب تھی، محبت واطاعت نے صحابۂ کرام کو اس شمع ہدایت کا پروانہ بنادیا تھا، اور وہ صرف جان دیکر اس سے جدا ہوسکتے تھے، چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب عروہ نے کہا کہ "مین تمھارے سامنے ایسے چہرے اور ایسے مخلوط آدمی دیکھتا ہون جو تم کو چھوڑ کر بھاگ جائین گے"، تو اس طنز آمیز فقرے نے جان نثاران رسول کے دلون پر نشتر کا کام کیا، اور حضرت ابوبکرؓ نے برہم ہو کر کہا "ہم اور آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائینؐ گے"۔[2]

غزوۂ بدر مین جب آپ نے کفار کے مقابلہ کے لیے صحابۂ کرام کو جوش دلایا تو حضرت مقدادؓ نے کہا کہ "ہم وہ نہین ہین، جو موسی کی قوم کی طرح یہ کہکر الگ ہو جائین،

اذھب انت وربک فقاتلا۔ تم اپنے خدا کے ساتھ جاؤ اور دونون ملکر لڑو،

[1] سر تطور الامم مطبوعہ مصر صفحہ ۲۶۵ [2] بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب،

بلکہ ہم آپکے دائین سے، بائین سے، آگے سے، پیچھے سے، لڑین گے،، چنانچہ یہ جان نثارانہ فقرے سنے تو فرط مسرت سے آپکا چہرہ دمک اٹھا،

غزوہ حنین مین معرکہ کا وقت آیا تو آپ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ اصحاب سمرہ کو بلائین، انھون نے آواز دی تو وہ لوگ لبیک کہکر اس جوش کے ساتھ ٹوٹ پڑے، جس طرح بچے والی گائین اپنے بچون پر ٹوٹتی ہین[۲]،

جان نثاری رسول کے عنوان مین اس قسم کی متعدد مثالین گذر چکی ہین، اور ان تمام مثالون کو پیش نظر رکھکر ہر شخص خود فیصلہ کرسکتا ہے کہ جو قوم اپنے پیغمبر کی اس قدر جان نثار ہو اس کی محبت مین اس قدر سرشار ہو، اس کی اس قدر اطاعت گذار ہو اس کی حکومت کا پھریرا افق عالم پر لہرا سکتا تھا، یا اس قوم کا؟ جس نے اپنے پیغمبر سے صاف صاف کہدیا تھا،

اذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون،

تم اپنے خدا کے ساتھ جاؤ اور لڑو ہم تو اسی جگہ بیٹھتے ہین،

(۳) صحابہ کرام کی فتوحات کا ایک بڑا سبب تحمل مشاق تھا، تحمل مشاق فوج کے نظام اخلاق کا نہایت ضروری عنصر ہے، اور صحابہ کرام نے فوجی خدمات کے ادا کرنے مین جس قدر جسمانی تکلیفین اٹھائی ہین، اس کی نظر سے دنیا کی مذہبی اور سیاسی تاریخ خالی ہے، بنواسرائیل کو وادی تیہ مین کوئی فوجی خدمت انجام نہین دینی پڑتی تھی، ان کو بھوک اور پیاس کی شدت کا مقابلہ کرنا نہین پڑتا تھا، ان کے لیے آسمان سے من وسلوی اترتا تھا اور زمین سے چشمے ابلتے تھے، تاہم وہ فوجی زندگی کے ابتدائی امتحان مین بھی پورے

[۱] بخاری کتاب المغازی باب قصۃ غزوۃ بدر [۲] مسلم کتاب الجہاد باب فی غزوۃ حنین،

نہین اوترے، اور گھبرا کر بول اوٹھے،

لن نصبر علی طعام واحد فادع لنا ربك يخرج لنا مما تنبت الارض من بقلها وقثائها وفومها وعدسها وبصلها،

ہم ایک ہی کھانے پر قناعت نہین کر سکتے، ہمارے لیے خدا سے دعا کرو کہ زمین سے ترکاری، کھیرے، گیہون، مسور اور پیاز اوگائے،

لیکن صحابۂ کرام کو ایک غزوہ مین فی کس صرف ایک کھجور ملتی تھی، جس کو وہ بچون کی طرح چوس کے پانی پی لیتے تھے، درخت سے پتے جھاڑ لاتے تھے اور اس کو پانی مین بھگو کو کھا لیتے تھے،[1]

ایک غزوہ مین سامان رسد ختم ہوگیا تو صحابۂ کرام کھجور کی گٹھلیان چوس چوس کر پانی پی لیتے تھے[2]

غزوہ احزاب مین سامان رسد اس قدر کم تھا کہ تمام صحابہ مٹھی بھر جو اور سڑی ہوئی چربی پر بسر کرتے تھے[3]

ایک غزوہ مین تمام صحابہ کے درمیان صرف ایک سواری تھی، اس لیے پیدل چلتے چلتے تلوا ون مین سوراخ ہوگئے تھے، پاؤن کے ناخن گر گر پڑے تھے، مجبورًا تمام صحابہ کو پانوٴن مین چیتھڑے لپیٹنے پڑے، اسی مناسبت سے اس غزوہ کا نام ذات الرقاع پڑگیا جس کے معنی چیتھڑے کے ہین،[4]

(۴) صحابۂ کرام کی فتوحات کا ایک سبب ان کا بیباکانہ اقدام تھا، چنانچہ صحابہ کرام نے مدین مین داخل ہونا چاہا تو بیچ مین دریا پڑتا تھا، لیکن اس سیلاب کو یہ دریا کیونکر

---

[1] ابو داؤد کتاب الاطعمہ باب فی دواب البحر [2] مسلم کتاب الایمان باب من لقی اللہ بالایمان وھو غیر شاک فیہ دخل الجنۃ وحرم علی النار [3] بخاری غزوہ خندق [4] مسلم کتاب الجہاد باب غزوہ ذات الرقاع،

روک سکتا تھا؛ تمام صحابہ نے دریا مین گھوڑے ڈالدیئے اور اس کو عبور کرکے شہر مین داخل ہونا چاہا، ایرانیون نے اس منظر کو دیکھا تو کہا کہ "دیوان آمدند" اور یہ کہکر شہر کو خالی کر دیا[1]،

(۵) فوجی نظام اخلاق کا اصلی عنصر صبر و استقلال ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کے ہر موقع پر صبر و استقلال کی تعلیم دی ہے،

یا ایھا النبی حرض المومنین علی القتال	اے پیغمبر! مسلمانون کو جہاد کے لیے ابھارو اگر تم مین
ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا	بیس شخص بھی صاحب استقلال ہون تو وہ دوسو پر
مائتین وان یکن منکم مائۃ یغلبوا الفامن	غالب آجائین گے اور اگر تم مین سو ہون تو ہزار کا
الذین کفروا بانھم قوم لا یفقھون	کافرون پر غالب ہون گے، کیونکہ وہ کچھ نہین سمجھتے،

فیض تربیت نبوی ؐ نے اس عنصر کو صحابۂ کرام کے نظام اخلاق کا ایک لازمی جزو بنادیا تھا، اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے، والصابرین فی الباساء والضراء وحین الباس اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون، اس لیے سخت سے سخت فوجی مشکلات مین وہ ثابت قدم رہے، اور آخر غالب آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف پر چڑھائی کی تو وہان کے لوگ قلعہ بند ہوگئے، اور آپ واپس پلٹ آئے، حضرت صخرؓ کمک لیکر پہونچے تو معلوم ہوا کہ آپ واپس تشریف لے گیے، لیکن انھون نے قسم کھائی کہ جب تک قلعہ مسخر نہو جائیگا وہ واپس نہ آئین گے، چنانچہ انھون نے محاصرہ کیا اور قلعہ مسخر ہوگیا[2]،

ایک بار رومیون نے مسلمانون کے مقابل مین ایک لشکر گران جمع کیا، حضرت ابوعبیدہؓ ابن جراحؓ نے حضرت عمرؓ کو اس خطرے کی اطلاع دی تو انھون نے لکھا کہ "مسلمان بندے پر

---

[1] طبری صفحہ ۲۴۴۴ [2] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب اقطاع الارضین،

جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو اس کے بعد خدا اس کو اطمینان وسکون عطا فرماتا ہے، ایک مشکل دو دو آسانیوں پر غالب نہین آسکتی، خداوند تعالیٰ قرآن پاک مین خود کہتا ہے،

یا ایھا الذین آمنوا اصبروا و صابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون،

مسلمانو! صبر کرو، باہم صبر کی تلقین کرو، استقلال اختیار کرو اور خدا سے ڈرو شاید تم کامیاب ہو جاؤ،

(۶) اگر فوج مین ایک بددیانت سپاہی بھی شامل ہے تو وہ پوری فوج کی مادی اور اخلاقی طاقت کو بے اثر کرسکتا ہے، اس کو حرص وطمع ہر قسم کی منافقت پر آمادہ کرسکتی ہے، وہ ہر قسم کی نمک حرامی کرسکتا ہے، وہ درپردہ دشمن کا جاسوس بن سکتا ہے اور سب سے بڑھکر یہ چند پیسون پر اپنے فوجی مقصد کو قربان کرسکتا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے،

ماظہر الغلول فی قوم قط الا القی فی قلوبھم الرعب[1]

کوئی قوم ایسی نہین ہے جس مین خیانت پیدا ہو اور مرعوب نہ ہو جائے،

لیکن صحابۂ کرام نے قیصر وکسریٰ کے دربار کے سامان دیکھے، دنیا نے ان کے آگے اپنا خزانہ اگل دیا، ان کے سامنے زر وجواہر کے انبار لگ گئے، تاہم ان مین کوئی چیز ان کی دیانت کو صدمہ نہ پہونچا سکی، ایران کی فتح کے بعد جب دربار خلافت مین کسریٰ کی مرصع تلوار اور زرین کمربند آیا تو حضرت عمرؓ نے ان کو دیکھکر فرمایا کہ "جس قوم نے ان چیزون کو ہاتھ نہین لگایا وہ ایک متدین قوم ہے"،

یہی دیانت تھی جس نے صحابہ کے سامنے فتوحات کے دروازے کھولدیئے تھے،

[1] طبری ۱ صفحہ ۲۷۶۶،

چنانچہ جب اصطخر فتح ہوا اور صحابۂ کرام نے بلاکم وکاست مالِ غنیمت کو امیر العسکر کے سامنے لاکر رکھدیا تو اس نے کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا، جس مین کہا "اسلام اور اہلِ اسلام کی تمام ترقیان اسی وقت تک ہین جب تک لوگ خیانت نہ کرین. لیکن جب بددیانتی شروع ہوگی، تو نادیدنی چیزین دیکھنے مین آئین گی، اور بہت، اس قدر کافی نہو گا جتنا تھوڑا ہوتا ہے"[1]

(۷) صحابۂ کرام کے فتوحات کا ایک سبب ان کا مساویانہ طرز عمل تھا، رومیون اور ایرانیون مے انسانون کے جو مختلف طبقے قایم کردیے تھے، اس کا ناگوار احساس خود رعایا کو ہو چکا تھا، اس لیے ان مین مدافعت کا وہ شریفانہ جذبہ نہین پیدا ہو سکتا تھا جو خود ارکان سلطنت کے دلون مین موجود تھا، چنانچہ جب حضرت مغیرہؓ قید کرکے رستم کے دربار مین پیش کیے گئے تو وہ بے تکلف رستم کے برابر تخت پر جاکر بیٹھ گیے، ایرانیون کو یہ کیونکر گوارا ہو سکتا تھا ؟ خدام بارگاہ جھپٹے اور ان کو فوراً تخت سے اوتار دیا، اس موقع پر انھون نے کہا کہ "ہم پہلے صرف تمھارے قصے سنتے تھے، لیکن آج مجھے تم سے زیادہ احمق کوئی قوم نظر نہین آتی، ہم عرب لوگ باہم مساویانہ برتاؤ کرتے ہین. کوئی کسی کو غلام نہین بناتا، میرا خیال تھا کہ تم لوگ ہماری طرح ایک دوسرے کے ساتھ سلوک کرتے ہوگے. اس لیے یہ بہت اچھا ہوا کہ تم نے خود مجھے بتادیا کہ تم مین بعض لوگ بعض لوگون کے خدا ہین، اب تمھاری سلطنت قایم نہین رہ سکتی، مین نے اس راز کے انکشاف کے لیے خود کوئی کوشش نہین کی، تم نے بلایا تو مجھے معلوم ہوا کہ اب تم لوگ مغلوب ہوگے، کیونکہ اِس طرز عمل سے کوئی ملک قایم نہین رہ سکتا،، اس آزادانہ تقریر کو سنکر طبقۂ اسفل کے اصلی جذبات ابھر آئے اور سب کے سب ہم زبان ہو کر بول اٹھے کہ خدا کی قسم یہ عرب سچ کہتا ہے' دہقانون نے

[1] طبری صفحہ ۲۶۹۰،

کہا کہ "اس نے ہمارے غلامون کے دل کی بات کہدی"[1]

اس کے برخلاف اسلامی فوج مین اصول مساوات سے ذرہ برابر تجاوز نہین کیا جا سکتا تھا، جنگ ایران مین حضرت ابو عبیدہؓ سپہ سالار تھے، ان کے سامنے چند ایرانی رئیسون نے نہایت لذیذ کھانے پیش کیے تو انھون نے پوچھا کیا تم نے اسی طرح کے کھانون سے تمام فوج کی ضیافت کی ہے؟ بولے "نہین"، فرمایا "ابو عبیدہ بدترین شخص ہوگا اگر ایک قوم کو ساتھ لیکر آئے جو اس کے آگے اپنا خون بہائے اور پھر وہ اپنے آپ کو ان پر ترجیح دے، وہ وہی کھائیگا جس کو سب لوگ کھاتے ہین"[2]

اس مساوات نے خود مخالفین کو یقین دلادیا تھا کہ اس قوم کے سامنے اب ان کے عرش کے پائے متزلزل ہوجائین گے، چنانچہ جب رومیون سے جنگ ہوئی تو قیقلار نے ایک عربی جاسوس کو بھیجا کہ مسلمانون کی اخلاقی حالت کا پتہ لگائے، اس نے پلٹ کر خبر دی کہ یہ لوگ راتون کو تو راہب رہتے ہین اور دن کو شہسوار بن جاتے ہین، اگر ان کے بادشاہ کا لڑکا بھی کوئی چیز چرائے تو اس کے ہاتھ کاٹ لیتے ہین، اور اگر زنا کرے تو اس کو سنگسار کرتے ہین، یہ سنکر قیقلار خود بول اٹھا کہ "اگر یہ سچ ہے، تو میرے لیے یہی بہتر ہے کہ مین پیوند خاک ہوجاؤن"[3]

(۸) صحابۂ کرام کی فتوحات کو ذمیون کی ہمدردی اور اعانت نے بھی بہت کچھ ترقی دی، کیونکہ صحابۂ کرام نے ذمیون کے ساتھ جو سلوک کیا، اس نے ان کو اس قدر گرویدہ کرلیا کہ جب یرموک مین رومیون سے معرکہ آرائی ہوئی اور صحابۂ کرام نے اس خیال سے کہ اب وہ ذمیون کی جان و مال کی حفاظت نہین کرسکتے جزیہ و خراج کی کل رقم ان کو

[1] طبری صفحہ ۲۲۰۸، [2] طبری صفحہ ۲۱۷۱، [3] ایضاً ۲۱۲۶،

واپس کردی، تو اہل حمص نے کہا کہ "تمہاری عادلانہ حکومت ہم کو اپنی قدیم ظالمانہ حکومت سے زیادہ پسند ہے، ہم تمہارے عامل کے ساتھ ہرقل کی فوج سے معرکہ آرا ہون گے" یہودیون نے تورات کی قسم کھا کر کہا کہ "جب تک ہم مغلوب نہو جائین ہرقل کا عامل حمص مین داخل نہین ہو سکتا"

اس گرویدگی کا یہ نتیجہ تھا کہ یہی لوگ تمام فوجی کام جن پر فوج کی کامیابی کا دارمدار ہے، انجام دیتے تھے، جاسوسی کرتے تھے، مینا بازار لگاتے تھے، اور دشمن کی خبرین لاتے تھے، معجم البلدان مین ہے،

وکان الدھاقین ناصحوا المسلمین	دہقانون نے مسلمانون کی خیر خواہی کی،
ودلوھم علی عورات فارس و	ان کو ایرانیون کی کمزوریان بتائین ان کو
اھدوا ھم واقاموا لھم الاسواق	راستہ دکھایا، اور ان کے لیے بازار لگائے"

صحابۂ کرام کے حریفون کو اس طرزعمل نے خود یقین دلا دیا تھا کہ جو قوم معاہدہ کی اس قدر پابند ہو اس کی اخلاقی طاقت کا مقابلہ نہین کیا جا سکتا، چنانچہ جب مسلمانون کی فوج سے ایک رومی قیدی بھاگ نکلا اور ہرقل نے اس سے مسلمانون کے حالات پوچھے تو اس نے کہا کہ "وہ لوگ دن کو شہسوار اور رات کو راہب ہوتے ہین، جس قوم سے معاہدہ کرتے ہین اس سے ہر چیز بہ قیمت لیکر کھاتے ہین اور جس شہر مین داخل ہوتے ہین امن و امان کے ساتھ داخل ہوتے ہین" ہرقل نے یہ سنکر کہا کہ اگر "یہ سچ ہے تو وہ میرے ان دونون قدمون کے نیچے کی زمین تک کے مالک ہو جائینگے"

(۶) صحابۂ کرام کی فتوحات کا ایک سبب انکا اتحاد و ائتلاف تھا، اللہ تعالیٰ

---

[۱] فتوح البلدان صفحہ ۱۴۴ [۲] معجم البلدان ذکر کوفہ [۳] طبری صفحہ ۲۳۹۵،

خود قرآن مجید مین فرماتا ہے،

هو الذی ایدک بنصره وبالمومنین والّف بین قلوبهم ولو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الّفت بین قلوبهم ولکن الله الّف بینهم انه عزیز حکیم ٥

خدا وہ ہے جس نے اپنی مدد اور مسلمانون کے ذریعہ سے تمھاری تائید کی، اور ان مین اتحاد و اتفاق پیدا کیا اگر تم زمین کا کل خزانہ صرف کر دیتے تب بھی ان کے دلون کو نہ ملا سکتے، لیکن اللہ نے ان مین اتحاد پیدا کیا اور اللہ غالب اور دانا ہے،

اللہ تعالیٰ کی نصرو تائید اور اس اتحاد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی ہر مادی طاقت سے بے نیاز کر دیا تھا، چنانچہ خود اللہ تعالیٰ قرآن پاک مین فرماتا ہے،

یا ایها النبی حسبك الله ومن اتبعك من المومنین ٥

اے پیغمبر تیرے لیے خدا اور مسلمان کافی ہین،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی صحابۂ کرام نے اس اتحاد کو قایم رکھا اور جب ان مین کسی قسم کا ضعف پیدا ہوا تو اس کی اصلاح کی، ایک بار حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی کہ قریش نے مختلف مجلسین قایم کر لی ہین، اور باہم مل جل کر نہین بیٹھتے، تو ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگون نے مختلف مجلسین قایم کر لی ہین اور اب یہ امتیاز قایم ہو گیا ہے کہ لوگ کہتے ہین یہ فلان کا دوست ہے، اور وہ فلان کا ہمنشین ہے، خدا کی قسم یہ تمھارے مذہب کو، تمھارے شرف کو، اور تمھارے تعلقات کو بہت جلد برباد کر دیگا، اور گویا مین ان لوگون کو دیکھ رہا ہون، جو اس کے بعد کہین گے کہ یہ فلان کی رائے ہے، اور اسلام کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالین گے، ایک ساتھ نشست و برخاست کرو کیونکہ وہ ہمیشہ تمھاری محبت کو قایم رکھے گا اور دشمن تمھارے[1] اجتماع کو دیکھکر مرعوب ہون گے،

[1] طبری صفحہ ۲۷۵۶،

(۱۰) ان اسباب کے علاوہ اور دوسرے اخلاقی اوصاف، مثلاً مذہبی پابندی، وفا، صدق، اصلاح اور مواسات وغیرہ نے بھی صحابۂ کرام کی فتوحات کو بہت کچھ ترقی دی، صحابۂ کرام کی مادی طاقت کا غیر قومون پر کوئی اثر نہین پڑ سکتا تھا، چنانچہ عجمیون نے جب ان کے تیر دیکھے تو نہایت حقارت آمیز لہجہ مین کہا کہ "یہ تکلے ہین،" لیکن ان کی روحانیت عجمیون کے بڑے بڑے جنرلون کو مرعوب کر دیتی تھی، ایک بار بمقام قادسیہ صبح کی اذان ہوئی، تو تمام صحابہ اس تیزی سے نماز ادا کرنے کے لیے دوڑے کہ ایرانیون کو دھوکا ہوا کہ حملہ کرنا چاہتے ہین، لیکن جب رستم نے دیکھا کہ وہ ایک روحانی آواز پر اس قدر جلد جمع ہو جاتے ہین تو خود بخود بول اٹھا کہ "عمرؓ میرا کلیجہ کھا گیا"[۱]

اسی جنگ مین جب ایک ایرانی گرفتار ہوا اور اس نے مسلمانون کے اخلاقی منظر کو دیکھا تو مسلمان ہو گیا، اور کہا کہ "جب تک تم مین یہ وفا، یہ صداقت، یہ اصلاح، یہ مواسات ہے تم لوگ شکست نہین کھا سکتے"[۲]

(۱۱) بعض اوقات صحابۂ کرام کی ظاہری شان و شوکت، کچھ کم موثر اور ان کا ظاہری جوش و خروش بھی کچھ کم مرعوب کن نہ تھا، حضرت حارث بن یزید بکریؓ کا بیان ہے کہ مین مدینہ آیا تو دیکھا کہ مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی ہے، سیاہ جھنڈیان لہرا رہی ہین، حضرت بلالؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تلوار لگائے ہوئے کھڑے ہین، مین نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگون نے کہا آپ عمرو بن العاصؓ کو ایک مہم پر روانہ فرما رہے ہین[۳]،

فتح مکہ کے زمانہ مین کفار کو اس جوش اور اس ظاہری شان و شوکت کا نہایت موثر اور مرعوب کن منظر نظر آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس ہزار جان نثار

---

[۱] طبری صفحہ ۲۲۹۱ [۲] طبری صفحہ ۲۲۶۴ [۳] ترمذی تفسیر القرآن تفسیر سورہ ذاریات،

شریک تھے، اور آپ نے ہر قبیلے کے الگ الگ دستے بنائے تھے، جب یہ پرجوش فوج روانہ ہوئی تو اس کی روانگی سے پہلے حضرت ابوسفیانؓ اسلام لا چکے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صحابۂ کرام کے جوش سے مرعوب کرنا چاہا، اور حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ ان کو یہ پر اثر منظر دکھائیں، ابوسفیانؓ کو انھون نے ایک مقام پر روک لیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ دستے ترتیب و نظام کے ساتھ روانہ ہوئے تو ہر دستہ ابوسفیانؓ کے سامنے سے گذرا، انھون نے پہلے دستے کے متعلق حضرت عباسؓ سے سوال کیا کہ یہ کس قبیلے کے لوگ ہین؟ بولے "غفار" بولے "مجھے ان سے غرض نہین"، اسی طرح جہینہ، سعد بن ہذیم اور قبیلہ سلیم کے دستے گذرے اور انھون نے نام پوچھکر کہا کہ "مجھے ان سے کوئی واسطہ نہین" سب کے آخرین ایک عظیم الشان دستہ گذرا جس کے علمبردار حضرت سعدؓ بن عبادہ تھے، ابوسفیانؓ نے انکا نام پوچھا تو حضرت عباسؓ نے کہا کہ "یہ انصار ہین"، اخیر مین ایک چھوٹا سا دستہ گذرا، جس کے علمبردار حضرت زبیرؓ بن عوام تھے، اور خود شمع نبوت انہی پروانون کے جھرمٹ مین تھی، آپ مقام حجون مین پہونچے تو آپ کا علم نصب کیا گیا، اور صحابۂ کرام اس جوش سے حملہ آور ہوئے کہ ابوسفیانؓ بول اٹھے کہ "آج قریش کا باغ اجڑ گیا"۔

صحابۂ کرام جب کوئی فوجی خدمت انجام دیتے تو یہ جوش اور بھی تازہ ہو جاتا، غزوۂ خندق کے زمانہ مین موسم نہایت سرد اور رسد کا سامان اس قدر کم تھا کہ

یؤتون بملء کفی من الشعیر فیصنع	صحابہ کے پاس مٹھی بھر جو آتا اور سڑی
لھم باھالۃ سخنۃ توضع بین	ہوئی بدبودار بدمزہ چربی کے ساتھ ملا کر
یدی القوم والقوم جیاع	پکایا جاتا اور اس گرسنہ قوم کے سامنے

وھی بشعۃ فی الحلق و لھا ریح منتن ‏ ‏ یہ بدمزہ اور بدبودار کھانا رکھدیا جاتا،

زمین اس قدر سخت تھی کہ بعض پتھروں کے توڑنے میں صحابۂ کرام کی مجموعی طاقت نے جواب دیدیا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی معجزانہ طاقت سے کام لینا پڑا، لیکن باایں ہمہ صحابہ کے جوش کا یہ حال تھا کہ نہایت بلند آہنگی کے ساتھ یہ رجز پڑھتے جاتے تھے،

نحن الذین بایعوا محمدا ‏ ‏ علی الجھاد ما بقینا ابدا

ہمنے محمدؐ کے ہاتھ پر جہاد کے لیے بیعت کی ہے ‏ ‏ اوسوقت تک کیلیے جب تک زندہ ہین

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ یہ رجز پڑھکر اس جوش کو تازہ کرتے رہتے تھے،

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا ‏ ‏ ولا تصدقنا ولا صلینا

خدا کی قسم اگر خدا ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے ‏ ‏ نہ صدقہ دینے نہ نماز پڑھتے،

فانزلن سکینۃ علینا ‏ ‏ وثبت الاقدام ان لاقینا

پس اے خدا ہم پر اپنا سکینہ نازل فرما ‏ ‏ اور اگر دشمن سے مقابلہ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھ

ان الاولی قد بغوا علینا ‏ ‏ اذا ارادوا فتنۃ ابینا

ان لوگون نے (کفار) ہمارے خلاف بغاوت کی ہے ‏ ‏ جب وہ لوگ جنگ کے خواہان ہوتے ہین تو ہم اس سے ابا کرتے ہین

جب اخیر مصرع پر پہونچتے تو آواز نہایت بلند ہو جاتی، اور مکرر فرماتے "ابینا، ابینا"،

(۱۲) صحابۂ کرام کو ان کی مستعدی اور سرگرمی نے بھی غزوات مین بہت کچھ کامیاب کیا اور ان کو مختلف جنگی خطرات سے محفوظ رکھا،

ایک بار آپ سفر مین تھے، کفار نے ایک جاسوس کو بھیجا، وہ آکر صحابۂ کرام کے پاس بیٹھا اور چپکے سے نکل گیا، آپ نے حکم دیا کہ اس کو پکڑ کر قتل کر ڈالو، حضرت اکوعؓ نہایت

لہ بخاری غزوہ خندق،

مستعد، تیزرو، اور سرگرم صحابی تھے، سب کے آگے نکل گئے اور اس کو قتل کرڈالا،

ایک دوسرے سفر جہاد مین مسلمانون کی فوجی حالت نہایت ابتر تھی، اکثر لوگ پاپیادہ تھے، فوج مین بہت سے کمزور لوگ شامل تھے، اتفاق سے کفار کا ایک جاسوس آیا اور صحابہ کرام کی تمام فوجی کمزوریون کو دیکھ بھال کر چلتا ہوا، قبیلہ اسلم کے ایک مستعد صحابی نے اس کا تعاقب کیا اور اس کو جالیا، حضرت سلمہ بن اکوعؓ بھی پیچھے پیچھے تھے، اب انھون نے آگے بڑھکر اس کے اونٹ کی مہار پکڑ لی، اس کو زمین پر بٹھادیا اور تلوار کھینچ کر اس کی گردن اوڑادی[1]،

ایک بار عبدالرحمن بن عیینہ نے سوارون کے ایک دستہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹون پر چھاپہ مارا، حضرت اکوعؓ کو خبر ہوئی تو نہایت تیزی کے ساتھ پہلے مدینہ کا رخ کیا، اور عرب کے طریقہ پر تین بار "یا صباحاہ" کا نعرہ مارا، پھر پلٹ کر ان کا تعاقب کیا، وہ اگرچہ تنہا تھے، اور دشمن تیر پر تیر برساتے تھے، وہ تلوار پر تلوار چلاتے تھے، لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف تمام اونٹنیون کو واپس لیا بلکہ ڈاکو بھاگے اور اس سرعت اور بدحواسی کے ساتھ بھاگے کہ ۳۰ سے زیادہ نیزے اور ۳۰ سے زیادہ چادرین بھی چھوڑتے گئے[2]،

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الجاسوس المستامن [2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی السریہ ترد علی اہل العسکر،

تعمیر مساجد

مسجد قبا اور مسجد نبوی کی عالمگیر شہرت نے اگرچہ مدینہ منورہ اور اس کے آس پاس کی اور تمام مسجدون کو گم نام کر دیا ہے، تاہم تاریخ، رجال اور احادیث کی کتابون سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ نے مدینہ کے متصل ہر جگہ بہ کثرت مسجدین تعمیر کی تھین اور ان مین باجماعت نماز ہوتی تھی، فتح الباری مین حضرت جابرؓ سے مروی ہے،

لقد لبثنا بالمدینۃ قبل ان یتقدم علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسنین نعمر المساجد ونقیم الصلاۃ[1]	ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے کئی سال بیشتر مدینہ مین مسجدین تعمیر کرتے تھے اور ان مین نماز پڑھتے تھے،

دار قطنی مین ہے کہ مسجد نبوی کے متصل قبیلہ بنو عمر، بنو ساعدہ، بنو عبید، بنو سلمہ، بنو راتج، بنو زریق، اسلم، جہینہ، اور بنو سنان کی نو مسجدین آباد تھین جن مین حضرت بلالؓ کی اذان کی صدا پہونچنے کے ساتھ جماعت شروع ہوتی تھی[2]، اس روایت کا ایک راوی یعنی ابو لہیعہ اگرچہ ضعیف ہے لیکن اور روایات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، امام بخاری نے ایک مستقل باب باندھا ہے کہ مساجد کو اشخاص کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے یا نہین؟ اور اس باب مین جو حدیث لائے ہین اس مین بہ تصریح مسجد بنو زریق کا نام لیا ہے، طبقات ابن سعد مین ہے،

---

[1] فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۱۹۱ [2] دار قطنی کتاب الصلوۃ باب تکرار المساجد [3] طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۰

دجهینۃ مسجد بالمدینۃ — مدینہ مین جہینہ کی ایک مسجد ہے،

اصابہ مین ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد کی داغ بیل ڈالی تھی[1]

صرف انہی قبائل کی خصوصیت نہین بلکہ کوئی قبیلہ، کوئی محلہ، اور کوئی گانون، مساجد سے خالی نہ تھا، مسند ابن حنبل مین ایک مدنی سے روایت ہے کہ مین نے مسجد بنو غفار مین نماز پڑھی[2]، اور صحیح مسلم مین ہے کہ اس قبیلہ کے امام خفاف بن ایماء ابن رحضہ غفاری تھے، ایک راوی کا بیان ہے کہ مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبیلہ بنو عبد الاشہل کی مسجد مین دیکھا[3]، اسی کتاب مین حضرت عبد اللہ بن عمر خطمی رضی اللہ عنہ کے حال مین لکھا ہے کہ وہ اپنے قبیلہ بنو خطمہ کی مسجد کے امام تھے، ابو سفیان عہدی کے حال مین صاحب اصابہ نے لکھا ہے کہ وہ بنو صباح کی مسجد کے موذن تھے، انصار کی جو آبادیان تھین سب مین الگ الگ مسجدین قایم تھین، صحیح مسلم مین ہے کہ حوالی مدینہ مین انصار کے جو قصبے آباد تھے، عاشورہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مین عام منادی کرا دیتے تھے کہ جو لوگ روزہ دار ہین اپنے روزے پورے کرین اور جو افطار کر چکے ہین وہ بقیہ دن کا روزہ رکھین، چنانچہ صحابہ اپنے بچون کو لیکر مسجدون مین نکل جاتے تھے[4]، موطاے امام مالک مین ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک گانون مین آئے جس مین قبیلہ بنو معاویہ آباد تھا اور پوچھا کہ تمھین معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھاری مسجد مین کہان نماز پڑھی تھی[5]،

قبائل اور آبادیون کے علاوہ مدینہ کے راستون مین بکثرت مسجدین آباد تھین،

---

[1] اصابہ تذکرہ حضرت ابو مریم جہنی [2] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۵ [3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت ثابت ابن الصامت انصاری رضی اللہ عنہ [4] صحیح مسلم کتاب الصیام باب من اکل فی عاشوراء فلیکف بقیۃ یومہ [5] موطا کتاب الصلوٰۃ باب ما جاء فی الدعاء،

اوران مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی، چنانچہ امام بخاری نے ایک خاص باب باندھا ہے جس کی سرخی یہ ہے (باب المساجد التی علی طرف المدینۃ والمواضع التی صلی فیہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے تحت مین اس قسم کی متعدد مسجدون کا نام لیا ہے،

ان تمام مساجد مین بہت سی مسجدین حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے زمانے تک قایم تھین، چنانچہ جن مساجد مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی انھون نے ان کو دوبارہ منقش پتھرون سے تعمیر کرادیا،[1] وفاء الوفاء مین ان مسجدون کا مفصل حال لکھا ہے، ہم اس موقع پر ان کی ایک مختصر فہرست درج کرتے ہین،

مسجد جمعہ — چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مین پہلا جمعہ ادا فرمایا تھا اس لیے وہ مسجد جمعہ کے نام سے موسوم ہوگئی،

مسجد فضیح — یہ مسجد قبا کے مشرقی جانب وادی کے کنارے ایک بلند مقام پر واقع تھی، اس کا ایک نام مسجد الشمس بھی ہے، جس کی وجہ تسمیہ بظاہر یہ ہے کہ بلند مقام پر ہونے سے سورج کی شعاعین سب سے پہلے اسی مسجد پر پڑتی تھین،

مسجد بنو قریظہ — بنو قریظہ کے مکانات کے کھنڈر اسی کے متصل تھے، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ محاصرہ کے زمانے مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذؓ کی تیمارداری کے لیے جو مسجد متعین کردی تھی، وہ بظاہر یہی مسجد تھی،

مشربہ ام ابراہیم — یہ ایک باغ کے اندر ایک بالاخانہ تھا، اور حضرت ماریہ قبطیہؓ اسی مین رہتی تھین، آپ نے چونکہ اس مین نماز ادا فرمائی تھی اس لیے اخیر مین اس نے مسجد کی صورت اختیار کرلی، تاہم

[1] فتح الباری جلد اول صفحہ ۴۷۱،

کوئی دیوار قایم نہین کی گئی بلکہ ادھر ادھر سے پتھر کھڑے کر دیئے گئے،

مسجد بنو ظفر	یہ مسجد بقیع کے مشرقی جانب واقع تھی،

مسجد بنو معاویہ	اس مسجد کا نام مسجد اجابہ بھی ہے جس کی وجہ جیسا کہ صحیح مسلم کتاب الفتن مین ہے کہ

اس مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا مقبول ہوئی تھی،

مسجد فتح	چونکہ غزوۂ احزاب مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مین فتح کی دعائین مانگی تھین

اس لیے اس کا ایک نام مسجد احزاب بھی ہے، جس کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے، اس کے آس پاس اور تین مسجدین تھین جو اسی نام سے موسوم تھین،

مسجد قبلتین	یہ مسجد وادی عقیق کے کنارے واقع تھی بعض لوگون کے نزدیک چونکہ تحویل

قبلہ اسی مسجد مین ہوئی تھی اس لیے اس کا یہ نام پڑگیا،

مسجد السقیا	حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا ایک قطعہ زمین تھا جس مین ایک کنوان تھا جس کو

سقیا کہتے تھے، یہ مسجد اسی کنوئین کے متصل آباد تھی،

مسجد ذباب	ذباب ایک پہاڑ کا نام ہے جس پر یہ مسجد واقع تھی،

مسجد احد	یہ مسجد کوہ احد کے متصل واقع تھی،

ان مساجد کے علاوہ وفاء الوفا مین اور مسجدون کے نام بھی مذکور ہین جن کو ہم اختصار کے خیال سے نظر انداز کرتے ہین،

مدینہ اور حوالی مدینہ کے علاوہ عرب کے جن ممالک مین اسلام پھیلا وہان صحابہ کرام نے مسجدین تعمیر کین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد صحابہ کو بت شکنی کے لیے طائف بھیجا تو حکم دیا کہ جہان جہان بت نصب تھا وہین مسجد تعمیر کی جائے تاکہ خدا وہان پوجا جائے جہان پوجا نہین جاتا تھا[1]،

---

[1] اسد الغابہ تذکرۂ نعیم بن غیلان بن سلمہ الثقفی،

آفتاب اسلام کی شعاعین سواحل یمن پر پڑین اور یہان کا ایک قبیلہ عبد القیس اسلام لایا تو اس قبیلہ نے جو مسجد تعمیر کی اس کو یہ شرف حاصل ہوا کہ مسجد نبوی صلعم کے بعد جمعہ کی سب سے پہلی نماز اسی مسجد مین ادا کی گئی[1]،

صنعاء مین بھی کوہ ضبیل کے پاس ایک مسجد تھی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہان حضرت دبر بن یحنس کلبی کو اشاعت اسلام کے لیے بھیجا تو فرمایا کہ اس مسجد مین جانا[2]، حضرت طلق بن علی سے روایت ہے کہ جب ہماری قوم کا وفد آپکی خدمت مین حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہمارے ملک مین ایک گرجا ہے تو آپ نے ان لوگون کی درخواست پر اپنے وضو کا پانی عنایت فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ گرجے کو توڑ ڈالو اور اس پانی کو چھڑک کر وہان مسجد بنا لو چنانچہ ان لوگون نے واپس جا کر حسب ارشاد مسجد تعمیر کر لی[3]، ابو داود مین ایک روایت ہے،

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو حکم دیتے تھے کہ اپنے
یامرنا بالمساجد ان نصنعھا فی دیارنا	دیار مین عمدہ مسجدین بنائین اور ان کو پاک و صاف
و ان نصلح صنعتھا و نطھرھا	رکھین،

ابو داود کتاب الصلوٰۃ باب اتخاذ المساجد فی الدور مین اس حدیث کو درج کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ وہ مسجدین تھین جو آپ کے حکم سے صحابہ اپنے گھرون مین بنا لیتے تھے، لیکن دیار کے لفظ سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ حکم باہر کے مسلمانون کے متعلق ہوگا، بہر حال اسلام جہان جہان پھیلا وہان مسجدین تعمیر ہوئین یہی وجہ ہے کہ جب آپ کہین فوج کشی کرتے تھے تو ساتھ ساتھ یہ ہدایت بھی کرتے تھے،

اذا رأیتم مسجدًا او سمعتم مؤذنا فلا	اگر کہین مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سنو تو وہان کسی کو

[1] بخاری کتاب الجمعہ باب الجمعہ فی القری والمدن [2] اصابہ تذکرہ حضرت دبر بن یحنس کلبی [3] صحیح نسائی کتاب المساجد باب اتخاذ البیع المساجد

تقتلوا احدا[۱] — قتل نہ کرو،

خلفاء راشدین کے زمانے مین فتوحات کے ساتھ ساتھ جا بجا اسلام اور مسلمان دونون پھیل گئے، اس لیے خلفاء راشدین رض نے بہ کثرت مسجدین تعمیر کروائین، حضرت ابوبکر رض کا زمانہ تو نہایت مختصر اور پر آشوب تھا، لیکن حضرت عمر رض کے عہد مین، ہر شہر مین کم از کم ایک ورنہ بعض بعض شہرون مین متعدد مسجدین تعمیر ہوئین، چنانچہ انھون نے شام کے تمام عمال کو لکھا کہ ہر ہر شہر مین ایک ایک مسجد تعمیر کی جائے[۲]، کوفہ آباد کیا گیا تو حضرت عمر رض کے حکم سے ہر قبیلہ کے لیے الگ الگ مسجدین تعمیر ہوئین، چنانچہ جب کوفہ والون نے حضرت سعد رض کی شکایت کی کہ وہ ٹھیک طور پر نماز نہین پڑھاتے تو حضرت عمر رض نے ایک ایک مسجد مین اس کی تحقیقات کروائی[۳]، اسی طرح بصرہ کی آبادی کے ساتھ ہر قبیلے کے لیے الگ الگ مسجدین تعمیر ہوئین[۴]

عراق فتح ہوا تو ہر جگہ مسجدین تعمیر کی گئین سب سے پہلے حضرت سعد رض نے مداین مین جامع مسجد تعمیر کروائی، پھر حضرت حذیفہ بن الیمان رض نے اس کی عمارت کو اور وسیع و مستحکم کیا، اس کے بعد بہ ترتیب کوفہ اور انبار کی مسجدین تعمیر ہوئین[۵]،

حضرت عتبہ بن فرقد موصل کے گورنر مقرر ہوئے تو انھون نے ایک مسجد تعمیر کروائی[۶]، حضرت عمر رض نے ان کو معزول کر کے حضرت ہرثمہ بن عرفجہ البارقی کو وہان کا والی مقرر کیا تو انھون نے وہان

---

[۱] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین [۲] حسن المحاضرہ جلد ۲ ص ۲۳ ذکر جوامع مصر، حسن المحاضرہ کی اصل عبارت یہ ہے، لما فتح عمر البلاد کتب الی ابی موسیٰ وھو علی البصرہ یامرہ ان یتخذ مسجد للجماعۃ ویتخذ للقبائل مساجد فاذا کان یوم الجمعۃ انضموا الی مسجد الجماعۃ وکتب الی سعد بن ابی وقاص وھو علی الکوفۃ بمثل ذالک وکتب الی عمرو بن العاص وھو علی مصر بمثل ذالک وکتب الی امراء اجناد الشام ان لا ینبذوا الی القری وان ینزلوا المدائن وان یتخذوا فی کل مدینۃ مسجدا واحدا ولا تتخذ القبائل مساجد وکان الناس متمسکین بامر عمر وعہدہ [۳] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب وجوب القراءۃ للامام والماموم فی الصلوٰۃ کلہا فی الحضر والسفر [۴] حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۱۳۳ ذکر جوامع مصر [۵] فتوح البلدان ص ۲۹۸ [۶] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عتبہ بن فرقد رض

مسلمانون کی ایک مستقل نوآبادی قایم کی اور ان کے لیے ایک جامع مسجد تعمیر کروائی،[۱]

حضرت سعید بن عامر بن حذیمؓ جزیرہ کے والی مقرر ہوئے تو رقہ اور رہا کی مسجدین تعمیر کرائین، ان کے انتقال کے بعد حضرت عمیر بن سعدؓ ان کے قایم مقام ہوئے تو دیار ربیعہ اور دیار مضر مین متعدد مسجدین تعمیر کرائین،[۲]

مصر فتح ہوا تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے وہان نہایت عظیم الشان مسجد تعمیر کرائی اور تقریباً اسی صحابہ نے اس کا قبلہ سیدھا کیا، اس مسجد مین بخور بھی سلگایا جاتا تھا،[۳]

شام مین لاذقیہ فتح ہوا تو حضرت عبادہ بن صامتؓ کے حکم سے ایک جامع مسجد تیار ہوئی اور بعد کو اس کو اور توسیع دی گئی،[۴]

حضرت عثمان بن العاصیؓ نے بحری حملہ کرتے توج کو فتح کیا تو وہان عرب کی ایک نوآبادی قایم کی اور وہان متعدد مسجدین بنوائین،[۵]

حضرت عمرؓ نے جدید مسجدون کی تعمیر کے ساتھ مسجد نبوی اور مسجد حرام کی تجدید و توسیع بھی کی، ازواج مطہرات کے حجرون کے علاوہ مسجد نبوی کے آس پاس کے اور تمام مکانات نہایت گران قیمت پر خرید لیے حضرت عباسؓ اول اول اپنا مکان دینا نہین چاہتے تھے، لیکن اخیر مین انھون نے بھی اس کو وقف کر دیا، اب حضرت عمرؓ نے مسجد کو از سر نو اینٹ سے تعمیر کیا، ستون پہلے کھجور کے تھے، انھون نے لکڑی کے ستون لگوائے[۶] مسجد کا طول پہلے ۱۰۰ گز تھا، انھون نے ۱۴۰ گز کر دیا، عرض مین بھی ۲۰ گز کا اضافہ ہوا،

تجدید عمارت کے ساتھ حضرت عمرؓ نے مسجد نبوی کے ایک گوشہ مین ایک چبوترہ بھی بنوایا

---

[۱] فتوح البلدان صفحہ ۳۴۲ [۲] فتوح البلدان صفحہ ۱۰۷ [۳] حسن المحاضرہ صفحہ ۵۸ جلد اول [۴] فتوح البلدان صفحہ ۱۳۹ [۵] فتوح البلدان صفحہ ۳۹۴ [۶] ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی بناء المساجد،

کہ جو لوگ شور و شغب کرنا یا اشعار وغیرہ پڑھنا چاہیں وہیں جاکر پڑھیں[1]،

سنہ ۱۷ھ میں حرم کی عمارت کو بھی بہت کچھ وسعت دی جن لوگون نے بالکل خانہ کعبہ کے متصل مکانات بنوا لیے تھے حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ کعبہ خدا کا گھر ہے اور گھر کے لیے صحن چاہیے لیکن تم نے اولٹے کعبہ ہی کو دبا لیا ہے، اس نے تم کو نہین دبایا ہے، چنانچہ اس غرض سے تمام مکانات منہدم کروا دیئے، پہلے خانہ کعبہ کی کوئی دیوار نہ تھی، حضرت عمرؓ نے اس کے گرد چار دیواری بنوائی اور اس پر چراغ جلوائے[2]،

کعبہ پر اگرچہ غلاف ہمیشہ سے چڑھایا جاتا تھا چنانچہ جاہلیت مین نطع اور مغافر کا غلاف چڑھاتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمنی کپڑون کے غلاف چڑھوائے، لیکن حضرت عمرؓ نے قباطی کا غلاف تیار کروایا جو نہایت عمدہ مصری کپڑا ہوتا ہے[3]۔

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت مین بہ کثرت نو آبادیان قایم ہوئین اور بہ کثرت مسجدین تعمیر ہوئین انھون نے حضرت امیر معاویہؓ کو غزوہ بحریہ کی اجازت دی تو ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دیا کہ متعینہ فوج کے علاوہ تمام سواحل پر جدید فوجی آدمی آباد کرائے جائین ان کو جاگیرین اور جلاوطن شدہ لوگون کے مکانات دیئے جائین، مسجدین تعمیر کرائی جائین اور ان کے زمانے سے پیشتر جو مسجدین تعمیر ہو چکی ہین ان کو وسعت دیجائے[4]،

حضرت عثمانؓ نے مسجد نبوی اور حرم محترم کو بھی بہت کچھ وسعت دی، پہلے پہل جب انھون نے توسیع مسجد نبوی کا ارادہ کیا تو لوگون نے اگرچہ مخالفت کی اور قدیم ہیئت کو بدلنا پسند نہین کیا[5] لیکن بالآخر سب لوگ راضی ہو گیے، اور اب حضرت عثمانؓ نے نہایت اہتمام کے ساتھ ربیع الاول سنہ ۲۹ھ

---

[1] موطا کتاب الصلوٰۃ لعمل فی جامع الصلوٰۃ [2] بخاری باب بنیان الکعبہ [3] معجم البلدان ذکر مسجد الحرام [4] فتوح البلدان صفحہ ۱۵۴ [5] فتوح البلدان صفحہ ۱۳۵ [6] صحیح مسلم باب فضل بناء المساجد،

۲۵ھ مین تعمیر کا کام شروع کر دیا، اور پورے دس مہینے مین کام ختم ہوا[۱]، حضرت عمرؓ کے زمانے تک دیوار کچی اینٹ کی تھی، انھون نے منقش پتھرون کی دیوارین قایم کین، اور اس پر چونے کی سفیدی کروائی حضرت عمرؓ نے لکڑی کے ستون لگوائے تھے، انھون نے منقش پتھرون کے ستون قایم کرادئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک گویا چھپر کی چھت تھی، انھون نے ساکھو کی چھت بنوائی،[۲]

حضرت عثمانؓ نے حرم محترم کی عمارت کو اور بھی وسعت دی، اور گرد کے تمام مکانات خرید کر گروا دیے اور ان کی زمین کو حرم مین شامل کر دیا، انھون نے مسجد حرام مین یہ جدت کی کہ رواق بنوائے جن کو ان کے اولیات مین شمار کیا جاتا ہے،[۳]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد مین اگرچہ بہت کم مسجدین تعمیر ہوئین، تاہم یہ سلسلہ بالکل منقطع نہین ہوا، فتوح البلدان مین ہے کہ انھون نے حضرت اشعث بن قیسؓ کو آذربایجان کا والی مقرر کیا، وہ آئے تو دیکھا کہ وہان کے لوگ مسلمان ہو کر قرآن مجید پڑھ چکے ہین، انھون نے اردبیل ایک نیا شہر آباد کیا، وہان بہت سے عرب بسائے اور ایک مسجد تعمیر کروائی،[۴] اس کے علاوہ ان کے عہد مین ہم کو اور کسی جدید مسجد کا نام نہین ملتا،

حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے مین بہ کثرت نوآبادیان قایم ہوئین اور نوآبادیون کے ساتھ مساجد کا تعمیر ہونا لازمی تھا، انھون نے جزیرۂ قبرس کو فتح کیا تو وہان ایک شہر آباد کرایا اور بارہ ہزار فوجی آدمی متعین کیے جنھون نے وہان متعدد مسجدین تعمیر کین،[۵] ان کے عہد مین افریقہ فتح ہوا تو عقبہ بن نافع فہری نے جو وہان کے گورنر تھے وہان مسلمانون کی ایک مستقل نوآبادی قایم کی، بہت سے مکانات اور ایک

۱؎ خلاصۃ الوفا صفحہ ۱۳۴، ۲؎ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی بناء المساجد ۳؎ فتوح البلدان صفحہ ۵۲،

۴؎ فتوح البلدان صفحہ ۳۳۳، ۵؎ فتوح البلدان صفحہ ۱۶۰،

جامع مسجد بنوائی، حضرت امیر معاویہؓ نے ان مسجدون مین بھی توسیع واضافہ کیا جوان سے پہلے تعمیر ہو چکی تھین مثلاً انھون نے زیاد کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا تو اس نے وہان کی مسجد کو نہایت وسعت دی اور اس کو اینٹ اور چونے سے بنوایا اور ساکھو کی چھت بنوائی،[۱]

حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے مین فن تعمیر مین بھی ایک جدید ترقی ہوئی یعنی حضرت عبد الرحمن بن سمرہؓ جو ان کی جانب سے سجستان کے عامل تھے آئے تو اپنے ساتھ کابل سے چند غلام لائے جھون نے انکے محل مین کابلی طرز کی ایک مسجد تعمیر کی،[۲] مصر مین جو مسجدین تعمیر ہوئی تھین اب تک ان مین منارے نہین تھے حضرت سلمہ بن مخلد نے جو حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے، ۵۳ھ مین مساجد مین منارے بنوائے،[۳]

انصاب حرم

حرم کے حدود سے چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہین اس لیے اس کے گرد ہر طرف پتھر کھڑے کر دیئے گئے تھے جن کو انصاب حرم کہتے تھے ہر زمانے مین ان پتھرون کی تجدید ہوتی رہی، سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت تمیم بن اسیدؓ کو اس خدمت پر مامور کیا،[۵] اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اس کی تجدید کرائی،[۶]

حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے مین پھر تجدید و اصلاح کی ضرورت پیش آئی تو انھون نے حضرت کرز بن علقمہؓ سے یہ کام لیا،[۷]

---

[۱] فتوح البلدان صفحہ ۳۴۶ [۲] فتوح البلدان صفحہ ۴۰۵ [۳] فتوح البلدان صفحہ ۴۰۴ [۴] اصابہ تذکرہ سلمہ بن مخلد [۵] اسد الغابہ تذکرہ حضرت تمیم بن اسیدؓ [۶] اسد الغابہ تذکرہ حضرت مخرمہ بن نوفل [۷] اسد الغابہ تذکرہ حضرت کرز بن علقمہؓ،

خدمات متفرقہ

مسجد کی صفائی | ایک بار کسی نے مسجد نبوی میں تھوک دیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا تو اس قدر برہم ہوئے کہ چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا، ایک صحابیہ اٹھیں اور اس کو مٹا دیا، اور اس جگہ خوشبو لگائی، آپ نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ خوب کام کیا۔[1]

ایک صحابیہ تھیں جو ہمیشہ مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھیں، یہ ایک ایسا نیک کام تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نہایت قدر فرماتے تھے، چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو صحابۂ کرام نے ان کو راتوں رات دفن کر دیا، اور آپ کو اطلاع نہ دی، آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ مجھے کیوں نہیں خبر کی؟ بولے وہ حضور استراحت فرما رہے تھے ہم نے تکلیف دینا گوارا نہیں کیا۔[2]

مسجد میں روشنی کا انتظام | صحابۂ کرام کھجور کی شاخوں کی مشعل بنا کر لاتے تھے، اور مسجد نبوی میں روشنی کرتے تھے، مدتوں یہی حالت رہی، اس کے بعد حضرت تمیم داریؓ کا ایک تجارت پیشہ غلام جس کا نام فتح تھا، بیت المقدس سے زیتون کا تیل اور قندیل لایا، اور مسجد میں روشنی کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کس نے روشنی کی ہے؟ غلام کا نام معلوم ہوا تو اس کا نام فتح کے بجائے سراج رکھ دیا، جس کے معنی چراغ جلانے والے کے ہیں۔[3] حضرت عمرؓ نے مساجد میں اور بھی وسیع پیمانے پر روشنی کا

---

[1] نسائی کتاب الصلوٰۃ باب تخلیق المسجد [2] سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی القبر

[3] اسد الغابہ تذکرۂ سراج،

انتظام کیا، چنانچہ ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہ نے مسجدون مین قندیلون کی جگمگاہٹ دیکھی تو بولے کہ "عمرؓ نے جس طرح ہماری مساجد کو روشن کیا، اسی طرح خدا انکی قبر مین بھی اجالا کرے"[1]

مسجد مین بخور کا انتظام - ایک بار حضرت عمرؓ کے پاس مال غنیمت مین عود کا ایک بنڈل آیا جس کو انھون نے حسب معمول مسلمانون مین تقسیم کرنا چاہا، لیکن کافی نہوا، اس بے حکم دیا کہ انگیٹھی مین رکھکر مسجد مین سلگا یا جائے، تاکہ تمام مسلمان اس سے فائدہ اٹھائین ان کے بعد تمام خلفاء نے اس انتظام کو قایم رکھا[2]

مسجد کی نگرانی - حضرت عمرؓ نہایت اہتمام کے ساتھ مسجد کی نگرانی فرماتے تھے عموماً عشاء کے بعد مسجد مین آتے اور کسی بیکار شخص کو دیکھتے تو نکال دیتے، البتہ نمازی اس سے مستثنی تھے، حضرت عثمانؓ کا بھی یہی حال تھا، ایک دن عصر کی نماز کے لیے آئے تو دیکھا کہ مسجد کے کسی گوشہ مین ایک درزی بیٹھا ہوا ہے، اس کو نکل جانے کا حکم دیا، لوگون نے کہا، "وہ مسجد مین جھاڑو دیتا ہے، دروازے بند کرتا ہے، کبھی کبھی چھڑکاؤ بھی کرتا ہے" بولے، "مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ کاریگرون کو مسجد سے الگ رکھو"[3]

اذان - صحابہ کرام اذان کو نہایت ثواب کا کام سمجھتے تھے، اس لیے اس خدمت کو نہایت شوق کے ساتھ انجام دیتے تھے، حضرت عمرؓ فرماتے تھے اگر مین موذن ہوتا تو میرا کام مکمل ہوجاتا[4] حضرت ابن ام مکتوم اور حضرت بلالؓ نے تو اپنی زندگی ہی اس خدمت پر وقف کردی تھی، اور اس کو نہایت مستعدی کے ساتھ انجام دیتے تھے، مسجد نبوی کے متصل ایک صحابیہ کا مکان سب سے بلند تر تھا، حضرت بلالؓ صبح تڑکے وہین آجاتے اور طلوع فجر کا انتظار کرتے جب صبح طلوع ہوتی تو اسی مکان کے اوپر چڑھکر اذان دیتے، اذان دینے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے، جب آپ کاشانہ نبوت سے

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ۔ [2] خلاصۃ الوفا صفحہ ۷۔ [3] خلاصۃ الوفا صفحہ ۸۔ [4] اسد الغابہ تذکرہ ابو الوقاص،

ہوا مدہوتے تو اقامت کہتے، [1]

امامت | امامت نہایت ذمہ داری کا کام ہے، لیکن صحابہ کرام اس خدمت کو نہایت شوق کے ساتھ انجام دیتے تھے، مہاجرین پہلے پہل مدینہ میں آئے تو حضرت سالم مولی ابی حذیفہؓ امامت کرتے تھے، حضرت عمرو بن سلمہؓ کا قبیلہ مسلمان ہوا تو ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم میں کون امامت کرے گا؟ آپ نے فرمایا جس کو قرآن سب سے زیادہ یاد ہو، حضرت عمرو بن سلمہؓ کا سن اگرچہ صرف سات آٹھ برس کا تھا، تاہم ان کو قرآن سب سے زیادہ یاد تھا، اس لیے ان لوگوں نے انہی کو امام بنایا، اور وہ عمر بھر ان کے امام رہے، حضرت ابن ام مکتومؓ کو امامت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنا خلیفہ بنایا تھا، حضرت معاذ بن جبلؓ اپنی قوم کے امام تھے، لیکن پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ لیتے تھے تب اپنی مسجد میں جا کر امامت کرتے تھے حضرت اسید بن حضیرؓ اپنی قوم کے امام تھے، وہ بیمار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کو آئے، ان لوگوں نے کہا کہ "ہمارا امام بیمار ہے،" فرمایا "وہ بیٹھ کر نماز پڑھیں تو تم لوگ بھی بیٹھکر نماز ادا کرو"، [2] تمام خلفاء اور فرائض خلافت کے ساتھ یہ فرض بھی ادا کرتے تھے،

حجاج کی خدمت، | صحابہ کرام حجاج کی خدمت کو بڑے ثواب کا کام سمجھتے تھے اور نہایت فیاضی کے ساتھ ان کے آرام و آسایش کا سامان بہم پہنچاتے تھے، حضرت عمرؓ نے اہل مکہ کو عام حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھروں میں دروازے نہ لگائیں، تاکہ تمام حجاج بلا روک ٹوک ان میں قیام کر سکیں، مکہ و مدینہ کے راستہ میں انھوں نے سرائیں، چوکیاں اور کنوئیں تیار کرائے تھے کہ حجاج ان سے متمتع ہو سکیں، سقایہ یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت زمانہ جاہلیت میں حضرت عباسؓ کے خاندان سے متعلق تھی، اور عہد اسلام میں بھی انکا یہ خاندانی شرف قایم رہا، ایام حج میں ان کے خاندان کے لوگ، دودھ،

---

[1] ابو داود کتاب الصلوٰۃ ابواب الاذان [2] ابو داود کتاب الصلوٰۃ الباب الامامۃ،

شہد اور ستو کی سبیل چلاتے تھے، لیکن حضرت عبداللہ ابن عباسؓ حاجیون کو صرف نبیذ پلاتے تھے، ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپکا خاندان بخیل ہے یا محتاج؟ بولے "نہ بخیل ہے نہ محتاج، جو صرف یہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی مانگا، تو ہم نے آپ کو نبیذ پلائی، آپؐ نے فرمایا تم نے خوب کیا ایسا ہی کرتے رہو، اس لیے ہم آپ کے ارشاد مین کسی قسم کا تغیر کرنا نہین چاہتے"[۱]

[۱] ابوداؤد کتاب المناسک باب فی نبیذ السقایہ،

علمی خدمات

تعلیم قرآن

اگرچہ صحابۂ کرام نے قرآن مجید کی تعلیم کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام مکۂ معظمہ ہی کے زمانے سے شروع کر دیا تھا، چنانچہ آپ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت ابن ام مکتومؓ کو بیعت عقبہ اولی کے بعد اس غرض سے مدینہ بھیجا تھا کہ لوگون کو قرآن مجید کی تعلیم دین[1]، لیکن ہجرت کے بعد مسجد نبوی مین ایک مستقل حلقۂ درس قایم ہو گیا اور اصحاب صفہ شب و روز قرآن مجید کی تعلیم و تعلم مین مصروف رہنے لگے، سنن ابن ماجہ مین ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاشانۂ نبوت سے برآمد ہوئے تو آپ کو مسجد مین دو حلقے نظر آئے ایک مین لوگ تلاوت و دعا کرتے تھے اور دوسرے حلقے والے تعلیم و تعلم مین مصروف تھے آپ نے فرمایا "دونون نیک کام کر رہے ہین، ایک گروہ تلاوت و دعا کرتا ہے، دوسرا قرآن مجید کی تعلیم حاصل کر رہا ہے، مین صرف معلّم بنا کر بھیجا گیا ہون" یہ کہکر اسی حلقۂ درس مین بیٹھ گئے[2]، اس حلقہ مین درس و تدریس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص قرآن مجید پڑھتا جاتا تھا اور دوسرے لوگ سنتے جاتے تھے، ایک بار اسی حالت مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ نکلے تو قاری جو قرآن پڑھ رہا تھا رُک گیا اور ادب سے سلام کیا، آپ بیچ مین بیٹھ گئے۔ اور ہاتھ سے اشارہ فرمایا لوگ حلقہ قایم کر کے آپ کے گرد بیٹھ گیے[3]،

[1] مسند جلد ۴ صفحہ ۲۸۴ و بخاری کتاب التفسیر سبح اسم ربک الاعلیٰ [2] سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء و الحث علی طلب العلم [3] ابوداؤد کتاب العلم باب فی القصص

اصحاب صفہ نہایت نادار اور مفلس تھے اس لئے ان میں کچھ لوگ دن کو شیریں پانی بھر لاتے، جنگل سے لکڑیاں چن لاتے اور ان کو بیچ کر جو آمدنی ہوتی اس کو وجہ معاش میں صرف کرتے۔[۱] لیکن اس مصروفیت کی وجہ سے ان کو دن میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا، اس بنا پر تعلیم کا وقت رات کو مقرر کیا تھا، مسند ابن حنبل میں ہے،

فکانوا اذا جنھم اللیل انطلقوا الی معلم لھم بالمدینۃ فید رسون اللیل حتی یصبحوا[۲]

جب رات ہو جاتی تھی تو یہ لوگ ایک معلم کے پاس جاتے تھے، اور صبح تک پڑھتے تھے،

اس طرح جو لوگ تعلیم و تربیت حاصل کر چکتے تھے ان کو قرا کہا جاتا تھا اور باہر کے مسلمانوں کو مذہبی تعلیم کی ضرورت ہوتی تھی تو یہی لوگ بھیجے جاتے تھے، چنانچہ ایک بار کچھ لوگ باہر سے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ کچھ لوگوں کو کر دیجئے کہ ہم کو قرآن اور سنت کی تعلیم دیں، آپ نے ستر انصار کو جو قرار کے نام سے مشہور تھے ساتھ کر دیا لیکن ان لوگوں نے دھوکے سے ان کو شہید کر دیا،[۳]

باہر سے جو مہاجرین آتے وہ بھی اہل صفہ میں داخل ہو جاتے اور قرآن مجید کی تعلیم حاصل کر کے اپنے وطن واپس جاتے، ابوداؤد میں حضرت عبادہ بن صامتؓ سے اجمالاً مروی ہے،

علمت ناسا من اھل الصفۃ القرآن والکتاب فاھدی الی رجل منھم قوسا،[۴]

میں نے اصحاب صفہ میں سے چند لوگوں کو قرآن کی اور لکھنے کی تعلیم دی، ان میں سے ایک نے مجھے ایک کمان ہدیۃً بھیجی،

---

[۱] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب ثبوت الجنۃ للشہید [۲] مسند جلد ۳ صفحہ ۱۳۷ [۳] مسلم کتاب الامارۃ باب ثبوت الجنۃ للشہید [۴] ابوداؤد کتاب البیوع باب فی کسب المعلم،

لیکن مسند کی روایت مین تصریح ہے کہ یہ شخص مہاجر تھا اور اس نے اپنے وطن مین پہونچکر ان کی خدمت مین ہدیۃً یہ کمان بھیجی تھی،[1] اس سلسلہ سے الگ انصار کا ہر گھر مہمان خانہ ہونے کے ساتھ ایک مستقل مکتب بن گیا تھا، باہر سے جو مہاجر آتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو انصار کے سپرد کر دیتے، اور وہ لوگ مہمانداری کے ساتھ اس دلسوزی سے ان کو قرآن پاک کی تعلیم دیتے کہ یہ لوگ نہایت شکر گذاری کے ساتھ واپس جاتے، چنانچہ وفد عبد القیس آیا تو اس منت شناسی اعتراف کے ساتھ واپس گیا،

ان الانصار یعلمونا کتاب ربنا	انصار ہم کو ہمارے خدا کی کتاب اور ہمارے
وسنۃ نبینا،[2]	پیغمبر کی سنت سکھاتے ہین،

وفد بنو تمیم آیا تو مدت تک مدینہ مین رہکر قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتا رہا،[3]

بعض اوقات مہاجرین کو بھی یہ خدمت انجام دینی ہوتی تھی، چنانچہ حضرت وردانؓ طایف سے آئے تو آپ نے ان کو حضرت ابان بن سعیدؓ کے حوالے کیا کہ ان کے مصارف کا بار اٹھائین اور قرآن مجید کی تعلیم دین،[4]

نظام حکومت کے قایم ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو امراء و عمال مقرر فرمائے ان کا سب سے مقدم فرض کتاب اور سنت کی تعلیم دینا قرار دیا، چنانچہ استیعاب تذکرہ معاذ بن جبلؓ مین ہے،

بعثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آپ نے ان کو یمن کے ایک حصہ کا قاضی مقرر
قاضیا الی الجند من الیمن لیعلم الناس	فرماکر بھیجا کہ وہان کے لوگون کو قرآن مجید

[1] مسند جلد ۵ صفحہ ۳۲۴ [2] مسند جلد ۳ صفحہ ۴۳۲ [3] اسد الغابہ تذکرہ عمرو بن اہتم،

[4] اصابہ تذکرہ وردان جد الفرات،

القرآن وشرایع الاسلام،   اور احکام اسلام کی تعلیم دین،

چنانچہ انھون نے وہان پہونچکر ایک خطبہ دیا جس مین لوگون کو اسلام اور تفقہ فی القرآن پر آمادہ کیا اور کہا کہ "جب قرآن مجید پڑھ چکنا تو مجھ سے پوچھنا کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون؟ وہ لوگ قرآن مجید پڑھ چکے تو ان سے یہ سوال کیا[۲]، اس کے بعد اگرچہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے مین تعلیم قرآن کے متعلق کوئی خاص یا جدید انتظام نہین کیا گیا، لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت مین نہایت وسیع پیمانہ پر تعلیم قرآن کا سلسلہ قایم کیا، تمام ممالک مفتوحہ مین تعلیم قرآن کے لیے مکاتب قایم کیے، اور بعض حالتون مین قرآن مجید کی جبری تعلیم کا انتظام کیا، چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابوسفیان تھا، خاص اس کام پر مامور کیا کہ بدوؤن کے قبائل مین دورہ کرکے ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن مجید یاد نہو اس کو سزا دے[۲]،

حضرت عبادہ بن صامتؓ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے عہد نبوت ہی مین قرآن مجید کی تعلیم دیا کرتے تھے، شام فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے وہان کے مسلمانون کی تعلیم کے لیے انہی کو منتخب کیا اور ان کے ساتھ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کو بھی کردیا، ان مین حضرت عبادہؓ نے حمص مین قیام کیا، حضرت ابوالدرداءؓ دمشق کو گئے، اور حضرت معاذؓ نے فلسطین مین اقامت اختیار کی، اس کے بعد حضرت عبادہ بن صامتؓ بھی فلسطین چلے گیے[۴]، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کا گورنر مقرر کرکے بھیجا تو ان کے ساتھ حضرت عمران بن حصینؓ کو بھی کردیا کہ لوگون کو فقہ اور قرآن کی تعلیم دین[۵]،

حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی تعلیم کی توسیع واشاعت کے لیے اور بھی مختلف ذرایع

---

[۱] دارمی باب الاقتداء بالعلماء صفحہ ۴۰ [۲] اصابہ تذکرہ اوس بن خالدؓ [۳] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبادہ بن صامتؓ [۴] فتوح البلدان صفحہ ۳۸۴،

اختیار کیے، ضروری سورتوں یعنے بقرہ، نسآء، مائدہ، حج اور نور کی نسبت حکم دیا کہ تمام مسلمانوں کو ان کا سیکھنا لازمی ہوگا، کیونکہ ان مین احکام اور فرائض مذکور ہین[1]، عمال کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآن مجید پڑھ چکے ہون ان کو بھیجدین کہ ان کی تنخواہین[2] مقرر کردی جائین

ان تدابیر سے قرآن مجید کی تعلیم نے بہ تدریج اس قدر وسعت حاصل کی کہ ایک بار خراج کا کچھ مال بچ گیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت سعد وقاصؓ کو اجازت دی کہ طلباے قرآن کو تقسیم کردیا جائے دوسرے سال بھی یہ نوبت پیش آئی تو انھون نے لکھا کہ" پہلے سال صرف سات آدمی تھے اور اس سال ستر ہین[3]، ایک بار جب فوجی افسرون کو لکھا کہ میرے پاس حفاظ قرآن کو بھیجدو کہ ان کو جابجا قرآن کی تعلیم کے لیے معلم بناکر بھیجون، تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے لکھا کہ صرف میری فوج مین تین سو سے زاید حافظ موجود ہین[4]،

حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی تعلیم کے ساتھ صحت تلفظ کا بھی نہایت اہتمام کیا، ہرجگہ تاکیدی حکم بھیجدیا کہ قرآن مجید کے ساتھ صحت اعراب کی تعلیم دی جائے، اس کے ساتھ یہ حکم دیا کہ جو شخص علم لغت کا ماہر نہ ہو وہ قرآن مجید نہ پڑھانے پائے[5]، ان کے بعد اور خلفا نے بھی اس سلسلہ کو قایم رکھا، چنانچہ حضرت عثمانؓ کے زمانے مین آذربائجان دوبارہ فتح ہوا تو کچھ لوگ وہان اشاعت اسلام کے لیے آباد کردیے گیے، ان کی کوششون کا یہ نتیجہ ہوا کہ حضرت علیؓ کے زمانے تک یہ لوگ مسلمان ہوکر قرآن مجید پڑھ چکے تھے[6]، حضرت علیؓ کی نسبت ایک روایت ہے کہ انھون نے طلباے قرآن کے وظیفے دو دو ہزار مقرر فرمائے[7]

---

[1] کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۲۸، [2] کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۱۷، [3] اصابہ تذکرہ بشیر بن ربیعہ، ۲۳۰، [4] کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۱۷، [5] کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۲۸، [6] فتوح البلدان صفحہ ۳۲۶، [7] کنز العمال جلد ۱ صفحہ

حضرت امیر معاویہؓ نے جزیرۂ قبرس فتح کیا تو مجاہدین جبر کو قرآن مجید کی تعلیم کے لیے متعین کیا[1]
بعض صحابہ ذاتی طور پر بھی لوگون کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے، حضرت عکرمہؓ کا
بیان ہے کہ حضرت عباسؓ میرے پانوؤن مین بیڑیان ڈالکر قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے تھے[2]
کوفہ مین حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک مستقل حلقۂ درس قایم ہوگیا تھا، چنانچہ
اس حلقے کے کچھ لوگ شام مین آئے تو حضرت ابوالدرداؓ نے ان سے قرآن
پڑھوا کر سنا،[3]

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۴۴ [2] دارمی صفحہ ۴۳، [3] بخاری کتاب التفسیر، تفسیر واللیل اذا یغشی،

تعلیم حدیث

صحابۂ کرام اشاعت حدیث کے لیے تمام ممالک مفتوحہ مین پھیل گئے تھے اور لوگون کو نہایت شوق کے ساتھ حدیث کی تعلیم دیتے تھے، حضرت ابوادریس خولانیؓ کا بیان ہے کہ مین حمص کی مسجد مین گیا تو ایک حلقہ مین جس مین ۳۲ صحابی تھے بیٹھ گیا، ایک شخص روایت حدیث کرچکتا تو دوسرے صاحب اس سلسلہ کو شروع کرتے[1] نضر بن عاصم اللیثی کا بیان ہے کہ مین کوفہ کی مسجد مین گیا تو ایک حلقہ نظر آیا، جو نہایت خاموشی کے ساتھ ایک شخص کی طرف کان لگائے ہوئے تھا، دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہؓ بن یمان ہین،[2]

حضرت ابو الدرداءؓ دمشق مین رہتے تھے، اور جب درس دینے کے لیے مسجد مین آتے تھے تو ان کے ساتھ طلبہ کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے،[3] لیکن علم حدیث کا سب سے بڑا دار العلم مدینہ تھا، حضرت جابر بنؓ عبد اللہ خاص مسجد نبوی مین بیٹھکر حدیث کا درس دیتے تھے، علامہ سیوطی حسن المحاضرہ مین لکھتے ہین،

کان لجابر بن عبد اللہ حلقۃ فی المسجد النبوی یوخذ عنہ العلم،[4]	جابر بن عبد اللہؓ کا حلقۂ درس مسجد نبوی مین تھا، اور لوگ ان سے علم حاصل کرتے تھے،

ابو العالیہ سے روایت ہے کہ ہم بصرہ مین صحابہ کے مرویات سنتے تھے، لیکن اس پر کافی

---

[1] مسند جلد ۵ صفحہ ۳۲۸ [2] مسند ج ۵ ص ۳۸۶ [3] تذکرۃ الحفاظ ترجمہ حضرت ابو الدرداءؓ [4] حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۸۰،

اعتماد نہین ہوتا تھا، اس لیے خود مدینہ مین آکر ان کی زبان[۱] سے ان کو سنتے تھے،

حضرت عبد اللہ بن عباس[۲] کا بیان ہے کہ اکثر حدیثین انصار کے یہان ملین،

بعض صحابہ کو اگرچہ سلطنت کی طرف سے روایت حدیث کی ممانعت تھی، لیکن سلطنت کا دباؤ ان کو اس مقدس فرض کے ادا کرنے سے روک نہین سکتا تھا، حضرت ابوذر غفاری[۳] اسی قسم کے صحابی تھے، لیکن وہ علانیہ کہتے تھے کہ "اگر تم لوگ میری گردن پر تلوار رکھدو اور مجھے معلوم ہو کہ ایک کلمہ بھی جس کو مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے ادا کرسکون گا تو قبل اس کے کہ تلوار اپنا کام کرے مین[۳] اس کو ادا کردون گا"،

خود امرار و سلاطین کو ضرورت ہوتی تھی تو وہ صحابۂ کرام کو طلب فرماتے تھے، اور روایت حدیث کی درخواست کرتے تھے، ایک دن حضرت زید بن ثابت[۴] ٹھیک دوپہر کے وقت مروان کے دربار سے نکلے، لوگون کو تعجب ہوا کہ مروان نے اسوقت ان کو کیون تکلیف دی؟ ان سے دریافت کیا تو فرمایا کہ "مجھ سے بعض حدیثون کے متعلق پوچھنا تھا[۴]"

حضرت امیر معاویہ[۵] نے حضرت عبد الرحمان بن شبل[۵] کو لکھ بھیجا تھا کہ "لوگون کو احادیث کی تعلیم دو اور جب میرے خیمہ کے پاس کھڑے ہو تو مجھے حدیثین سناؤ[۵]"

لوگ صحابۂ کرام کی خدمت مین طلب علم کے لیے آتے تھے تو وہ نہایت کشادہ دلی کے ساتھ ان کا خیر مقدم کرتے تھے، حضرت ابو ہرون عبدی[۶] کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت ابو سعید خدری[۶] کی خدمت مین حاضر ہوتے تھے تو وہ کہتے تھے کہ "مرحبا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمھارے پاس دنیا کے گوشے سے بہت سے لوگ علم حاصل کرنے کے لیے آئین گے[۶]"

---

[۱] مسند دارمی باب الرحلۃ فی طلب العلم صفحہ ۷۵، [۲] بخاری کتاب العلم باب العلم قبل القول والعمل، [۳] ترمذی ابواب العلم باب فی الحث علی تبلیغ السماع [۴] مسند جلد ۳ صفحہ ۴۴۴ [۵] ترمذی ابواب العلم باب ماجاء فی الاستیصاء بمن یطلب العلم ترمذی مین ہے کہ شعبہ نے ہرون عبدی کی تضعیف کی ہے،

تم لوگ ان کے ساتھ بھلائی کرنا"۔

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ ہم لوگ ایک بار حضرت ابوہریرہؓ کی عیادت کو گئے، جب آدمیوں سے اذیکا گھر بھر گیا تو انھوں نے خاکساری سے اپنے پانوں سمیٹ لیے، اور فرمایا کہ ایک دن ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوئے آپ لیٹے ہوے تھے، ہم لوگوں کو دیکھا تو اسی طرح پانوں سمیٹ لیے اور فرمایا کہ میرے بعد تمھارے پاس لوگ تحصیل علم کے لیے آئین گے، ان کو مرحبا کہنا، تحیت دینا اور علم سکھانا[۱]،

ایک بار حضرت سعد بن ہشامؒ مدینہ آئے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کی کیفیت پوچھی، انھون نے کہا حضرت عائشہؓ آپ کے وتر کی بہت بڑی عالم ہین، انھون نے حضرت حکیم بن افلح کے ساتھ ان کی خدمت مین حاضر ہونا چاہا، انھون نے انکار کیا تو ان کو قسم دلائی اور اب وہ ساتھ ہو گئے، دروازے پر اذن طلب کیا، بولین کون؟ بولے حکیم بن افلح، پھر فرمایا ساتھ مین کون ہے؟ بولے سعد بن ہشام، فرمایا "ہشام بن عامر جو احد مین شہید ہوے؟ بولے ہان"، فرمایا "نہایت اچھا آدمی تھا"، اس تعرف کے بعد انھونے کہا کہ "آپ کے خلق کا حال بیان فرمائیے"، بولین "آپ کا خلق قرآن تھا، کیا تم قرآن نہین پڑھتے" پھر پوچھا "آپ رات کو تہجد کیونکر پڑھتے تھے؟ بولین کیا تم سورۂ مزمل نہین پڑھتے؟ اس کے بعد اس تفصیل کے ساتھ ان کے تمام سوالات کے جوابات دیئے۔ کہ انھون نے پلٹ کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا "خدا کی قسم اس کا نام حدیث ہے"[۲]

اس تمدنی دور مین سب سے پہلے طلبہ کی علمی قابلیت کا امتحان لیا جاتا ہے، پھر اس کو اساتذہ کے فیض تعلیم سے متمتع ہونے کا موقع ملتا ہے، لیکن صحابۂ کرام کی درس گاہ مین طالبان علم سے صرف

---

[۱] سنن ابن ماجہ باب الوصاۃ بطلبۃ العلم۔ [۲] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی صلاۃ اللیل،

خلوص نیت کا امتحان لیا جاتا تھا، ایک بار حضرت ابو الدرداءؓ کے پاس مدینہ سے ایک آدمی آیا اور کہا کہ "مین آپ کی خدمت مین صرف ایک حدیث کے لیے حاضر ہوا ہون، جس کی آپ روایت کرتے ہین"، بولے کسی ضرورت سے تو نہین آئے؟ تجارت کی غرض سے تو نہین آنا ہوا؟ اس نے کہا "نہین" تو حدیث کی روایت[1] کی،

صحابۂ کرام حدیث کی روایت فرماتے تو طالبان حدیث کا ہجوم ہو جاتا، ایک بار شفیا اصبحیؒ مدینہ آئے تو دیکھا کہ ایک شخص کے گرد بھیڑ لگی ہوئی ہے، پوچھا یہ کون ہین؟ لوگون نے کہا "ابو ہریرہؓ"، وہ درس دے چکے تو انھون نے تنہائی مین جا کر ایک حدیث کی درخواست[2] کی،

حضرت ابو سعید خدریؓ روایت حدیث کرتے تھے تو سامنے آدمیون کی دیوار کھڑی ہو جاتی تھی[3]، ایک صحابی حدیث بیان کرتے تھے تو ان کے گرد آدمیون کا اسقدر ہجوم ہو جاتا تھا کہ ان کو کوٹھے پر چڑھ کر حدیث بیان[4] کرنا پڑتا تھا،

---

[1] ترمذی ابواب العلم باب ما جاء فضل الفقہ علی العبادۃ یہ حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ مین بھی ہے [2] ترمذی ابواب الزہد، [3] مسلم کتاب الصلوٰۃ باب القراۃ فی الظہر والعصر [4] مسند جلد ۵ صفحہ ۵۸،

تعلیم فقہ

جس قدر اکابر صحابہ تھے تقریباً سب فقہی مسائل کی تعلیم مین مصروف تھے اور اس کو اپنا مذہبی فرض خیال کرتے تھے،

ایک بار حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بصرہ کی مسجد مین آخر رمضان مین خطبہ دیا جس مین لوگون کو صدقۂ فطر کی ترغیب دی، یہ لوگ احکام شریعت سے اس قدر ناواقف تھے کہ ان کو صدقۂ فطر کے تعین و مقدار کا حال بھی معلوم نہ تھا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو معلوم ہوا تو بولے یہان مدینہ کے کون لوگ ہین؟ اوٹھین اور اپنے بھائیون کو تعلیم دین، کیونکہ انھین یہ معلوم نہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر آزاد، غلام، مرد، عورت اور چھوٹے بڑے پر ایک صاع کھجور یا جو اور نصف صاع گیہون، صدقۂ فطر مین مقرر فرمایا ہے[1]،

موطاے امام مالک مین ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک بار منبر پر چڑھکر لوگون کو تشہد سکھایا[2]،

موطاے امام محمد مین ہے کہ انھون نے عرفات مین خطبہ پڑھا اور حج کے تمام مسائل سکھائے[3]، اسی طرح اور متعدد خطبون مین مسائل فقہ کی تعلیم دی لیکن تمام ممالک مفتوحہ کی فقہی تعلیم کے لیے یہ طریقہ کافی نہین تھا، اس لیے انھون نے اور بھی متعدد طریقے اختیار کیے، مثلاً

(۱) اکثر امرا و عمال کے پاس اہم مذہبی احکام اور مسائل لکھ لکھ کر روانہ کرتے رہتے تھے، چنانچہ

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب کم یودی فی صدقۃ الفطر [2] موطاے امام مالک کتاب الصلوٰۃ باب التشہد فی الصلوٰۃ [3] موطاے امام محمد، ۲۲۷،

نماز پنجگانہ کے متعلق تمام عمال کے نام ایک مفصل ہدایت نامہ بھیجا جس کو امام مالک نے مؤطا میں نقل کیا ہے، اسی طرح عمال کے نام اور بھی مختلف مسائل لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے،

(۲) اضلاع کے عمال اور افسر جو مقرر کرتے تھے وہ عالم او فقیہ ہوتے تھے اور تمام فرائض کے ساتھ ان کو تعلیم فقہ کا فرض بھی ادا کرنا ہوتا تھا، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بصرہ کے گورنر ہو کر آئے تو علی الاعلان فرمایا،

بعثنی الیکم عمر لاعلمکم کتاب ربکم وسنۃ نبیکم[1]	مجھکو عمرؓ نے تمھارے پاس اس لیے بھیجا ہے کہ تمھارے خدا کی کتاب اور سنت کی تعلیم دوں،

(۳) خاص اس مقصد کے لیے ممالک مفتوحہ میں فقہا اور معلمین مقرر کیے، شام فتح ہوا تو حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابو درداءؓ، اور حضرت عبادہ بن صامتؓ کو بھیجا کہ لوگون کو قرآن مجید کی تعلیم دین اور فقہ کے مسائل سکھائین[2]، حضرت عبدالرحمن بن غنمؓ کو بھی شام مین یہ خدمت تفویض ہوئی اور انھون نے شام کے تمام تابعین کو فقہ سکھائی[3]، بصرہ کے لوگون کی تعلیم کے لیے حضرت عمران بن حصینؓ اور حضرت عبداللہ بن معقلؓ کو روانہ فرمایا اور ان کے ساتھ آٹھ بزرگ اور بھی اسی غرض سے روانہ فرمائے[4]، مصر مین تعلیم فقہ کے لیے حضرت حیان بن ابی جبلہؓ کو ایک جماعت کے ساتھ روانہ فرمایا[5]، مدائن مین حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس خدمت پر مامور تھے[6]،

غرض تمام ممالک مین فقہا اور معلمین پھیلے ہوئے تھے اور نہایت سرگرمی کے ساتھ مسائل

---

[1] دارمی صفحہ ۷۴ باب البلاغ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتعلیم السنن [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبادہ بن صامتؓ [3] تذکرۃ الحفاظ ترجمہ عبدالرحمن بن غنم اشعریؓ [4] طبقات الحفاظ تذکرہ عمران بن حصینؓ واسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن معقلؓ [5] تہذیب تذکرہ حیان بن ابی جبلہؓ [6] یعقوبی جلد دوم صفحہ ۱۷۳،

شریعت کی تعلیم دیتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جب کوفہ سے روانہ ہوئے تو اپنے اصحاب و تلامذہ کو جمع کرکے کہا خدا کی قسم! میرے خیال مین، دین، فقہ اور تعلیم قرآن کی حالت ملک کے اور صوبون سے تمھارے یہان بہتر ہو گئی ہے[1]

حضرت امیر معاویہؓ نے بھی اپنے عہد مین اس نظام کو قایم رکھا، چنانچہ قاضی ابن عبدالبر حضرت ربیعہ بن عمرو الجرشیؓ کے حال مین لکھتے ہین،

کان یفقہ الناس زمن معاویۃؓ | وہ حضرت امیر معاویہؓ کے عہد مین لوگون کو فقہ کی تعلیم دیتے تھے،

عملی تعلیم

لیکن اس کے علاوہ صحابۂ کرام عملی طریقہ سے بھی لوگون کو مسائل شرعیہ کی تعلیم دیتے تھے، ایک بار حضرت عثمانؓ نے وضو کرنا شروع کیا، پہلے بالترتیب تین بار ہاتھ دھوئے، پھر کلی کی ناک صاف کی اور تین بار منھ دھویا، اس کے بعد تین بار دایان ہاتھ اور تین بار بایان ہاتھ کہنی تک دھویا پھر تین بار سر کا مسح کیا، پھر تین بار دایان پاؤن، پھر تین بار بایان پاؤن دھویا، ان تمام جزئیات کو عملاً نمایان کرکے فرمایا کہ "مینے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے ہوے دیکھا ہے اور جو شخص میری طرح وضو کرکے اس خشوع کے ساتھ نماز پڑھیگا کہ اس کے دل مین وسوسے نہ پیدا ہون تو خدا اس کے تمام اگلے گناہون کو معاف کر دیگا،

حضرت علیؓ نے بھی اسی طرح سنن وضو کی تعلیم فرمائی، چنانچہ وہ نماز پڑھ کے آئے تو وضو کا پانی طلب کیا، صحابہ سمجھ گئے کہ آپ پانی کیا ہو گا؟ اس سے صرف عملی تعلیم مقصود ہے[2]

حضرت عبداللہ بن زیدؓ اور حضرت امیر معاویہؓ نے بھی اسی طریقہ سے سنن وضو کی تعلیم دی

---

[1] مستدرک جلد اول صفحہ ۲۰۵ [2] استیعاب تذکرہ ربیعہ بن عمرو الجرشی [3] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الوضوء ثلاثاً ثلاثاً باب صفۃ وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم،

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا[1]

ایک بار حضرت ابو مالک اشعریؓ نے لوگون کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کیا تمھارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے متعلق روایت کرون یہ کہکر اٹھے اور صف بندی کی، پہلی صف مین مردون کو اور ان کے پیچھے بچون کو کھڑا کیا، پھر نماز پڑھائی،[2]

ایک بار حضرت ابو سلیمان بن مالک حویرثؓ ایک مسجد مین آے اور فرمایا کہ مین نماز پڑھنا نہین چاہتا صرف مقصود یہ ہے کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز سکھاؤن،[3]

---

[1] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الوضو مرتین [2] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب مقام الصبیان من الصف
[3] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب النہوض فی الفرد،

تعلیم تحریر و کتابت

اسلام آیا تو قریش میں صرف سترہ آدمی[1] لکھنا جانتے تھے جن میں شفا بنت عدویہؓ کے علاوہ سب کے سب مرد[2] تھے، ابو داؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شفا نے حضرت حفصہؓ کو بھی لکھنا سکھایا تھا[3]، انصار اگرچہ مکہ والوں سے زیادہ متمدن تھے تاہم ان میں تحریر و کتابت کا رواج مکہ والوں سے بھی کم تھا اوس وخزرج کے قبائل میں صرف چند لوگ لکھنا جانتے تھے، اور بعض یہود مدینہ کے بچوں کو لکھنے کی تعلیم دیتے تھے اس طرح اسلام کے ابتدائی زمانے میں انصار میں حضرت سعد بن عبادہؓ، منذر بن عمرو، ابی بن کعب، زید بن ثابت، رافع بن مالک، اسید بن حضیر، معن بن عدی، بشیر بن سعد، سعد بن ربیع، اوس بن خولی اور عبداللہ بن ابی لکھنا جانتے تھے[3]، لیکن اسلام کے زمانے اس کو بہت ترقی ہوئی، اسیران بدر گرفتار ہو کر آئے تو ان میں جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا فدیہ یہ قرار دیا کہ یہ لوگ انصار کے بچوں کو لکھنا سکھا دیں، چنانچہ انصار کے بچوں نے ان سے لکھنا شروع کیا، حضرت عبداللہ بن سعید بن العاصیؓ بھی جاہلیت میں لکھنا جانتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی حکم دیا کہ مدینہ کے لوگوں کو لکھنا سکھائیں[4]، حضرت عبادہ بن صامتؓ اہل صفہ کو قرآن مجید کی جو تعلیم دیتے تھے تحریر و کتابت بھی اس کا جزو تھی[5]،

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۷۷، [2] ابو داؤد کتاب الطب باب ما جاء فی الرقی [3] فتوح البلدان صفحہ ۴۷۹،
[4] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن سعید بن العاصیؓ، [5] مسند جلد ۵ صفحہ ۳۱۵،

خلفا کے زمانے مین اس کو اور بھی ترقی ہوئی، چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانے مین جو مکاتب قایم ہوے ان مین لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا، انھون نے تمام اضلاع مین احکام بھیجدیئے تھے کہ بچون کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے، ابو عامر سلیم جو رواۃ حدیث مین ہین ان کی زبانی روایت ہے کہ مین بچپن مین گرفتار ہوکر مدینہ مین آیا تو یہان مجھکو مکتب مین بٹھایا گیا، معلم مجھ سے جب میم لکھواتا تھا اور مین اچھی طرح نہین لکھ سکتا تھا، تو کہتا تھا کہ گول لکھو جس طرح گائے کی آنکھین ہوتی ہین[۱]،

حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت مین حمران بن ابان کو جو مسیب بن نجبہ فزاری کا غلام تھا خرید لیا اور اس کو لکھنا سکھا کر اپنا میر منشی مقرر کیا،[۲]

---

[۱] معجم البلدان لغت حاضر بحوالہ الفاروق [۲] فتوح البلدان صفحہ ۳۶۰،

افتاء

اگرچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی مین مہاجرین مین حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، اور انصار مین حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اس خدمت کو انجام دینے لگے تھے،[1] لیکن آپ کے بعد تمام مسائل شرعیہ کا دار مدار صحابۂ کرام کی ذات پر رہگیا تھا، اس لیے ان بزرگون کے دروازون پر تشنگان علم کی بھیڑ لگی رہتی تھی، چنانچہ حضرت قزعہ کا بیان ہے کہ مین حضرت ابو سعید خدریؓ کی خدمت مین حاضر ہوا تو وہ فتوی دے رہے تھے، اور لوگ ان پر ٹوٹے پڑتے تھے، مین نے انتظار کیا، جب بھیڑ بھاڑ چھٹی تو مین نے خود سفر کے روزے کے متعلق سوال کیا،[2]

خلفاے راشدین کے عہد مین حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانے مین، حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ، حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ یہ خدمت انجام دیتے تھے، اور حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت مین اس صیغہ کو بالکل باضابطہ کردیا،

(۱) مثلاً حضرت ابو بکرؓ کے زمانے مین اگرچہ چند منتخب بزرگ اس خدمت کو انجام دیتے تھے تاہم اور لوگون کو فتوے دینے کی ممانعت نہ تھی لیکن حضرت عمرؓ نے چند اکابر صحابہ کو اس خدمت کے لیے مخصوص کرلیا اور بقیہ صحابہ کو فتوی دینے کی ممانعت کردی، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ وغیرہ

[1] اسد الغابہ تذکرہ معاذ بن جبلؓ۔ [2] ابو داود کتاب الصیام باب فی الصوم فی السفر،

فقہاء صحابہ مین تھے اور خود حضرت عمرؓ ان کو خزانۃ العلم کہتے تھے لیکن جب انھون نے بغیر اجازت فتویٰ دینا شروع کیا تو انھون نے ان کو روک دیا[۱]،

(۲) جو صحابہ جس فن مین ممتاز تھے ان کو اسی شاخ مین فتویٰ دینے کا مجاز کیا، چنانچہ شام کے سفر مین بمقام جابیہ جو خطبہ دیا اس مین یہ الفاظ فرمائے،

من اراد القران فلیات ابیا و من اراد ان یسأل الفرائض فلیات زیدا و من اراد ان یسأل الفقہ فلیات معاذ،

جن لوگون کا مقصود قران مجید ہو وہ ابی ابن کعب کے پاس آئین جو لوگ فرایض کے متعلق سوال کرنا چاہین وہ زید کے پاس آئین، جن لوگون کو فقہ کے متعلق دریافت کرنا ہو وہ معاذ کے پاس جائین،

(۳) سوال کرنے والون کو صرف عملی مسائل کے پوچھنے کی اجازت دی، چنانچہ ایک شخص کے متعلق جب معلوم ہوا کہ وہ مسلمانون کی فوجی چھاؤنیون مین متشابہات قرآن کے متعلق سوال کرتا ہے تو اس کو سزا دی اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھ بھیجا کہ اس کے پاس کوئی مسلمان بیٹھنے نہ پائے[۲]،

صحابہ کرام جن پابندیون کے ساتھ فتوے دیتے تھے وہ حسب ذیل ہین،

(۱) خلیفہ وقت کے فتویٰ کو اپنے فتویٰ پر ناقد العمل سمجھتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حج کے متعلق فتویٰ دیا اور بعد کو معلوم ہوا کہ امیر المومنین (عمرؓ) نے دوسرا تغیر کیا ہے تو لوگون کو خود ہدایت فرمائی کہ میرے فتویٰ پر عمل نہ کرو امیر المومنین آ رہے ہین ان کی تقلید کرو[۳]،

(۲) جو فتوے دیتے تھے دوسرے صحابہ سے اس کی تصویب کرا لیتے تھے، اگر ان کی راے مین وہ فتویٰ صحیح نہین ہوتا تھا تو وہ آزادی کے ساتھ اس کی مخالفت کرتے تھے، ایک بار ایک شخص نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت سلمان بن ربیعہؓ سے ایک مسئلہ پوچھا انھون نے جواب دے کر

---

[۱] مسند دارمی صفحہ ۸۴ [۲] مسند دارمی ص ۳۱ [۳] نسائی کتاب الحج ترک التسمیہ عند الاہلال،

کہا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے پاس جاؤ وہ بھی ہماری تائید کرینگے، وہ آئے تو انھون نے کہا اگر مین ان کی تائید کردن تو گمراہ ہو جاؤن مین تمھین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے موافق فتویٰ دیتا ہو

(۳) عرف دینی مسائل کا جواب دیتے تھے جو عملاً وقوع پذیر ہوتے تھے، ہمارے فقہا کی طرح فرضی مسایل کے جواب نہین دیتے تھے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا قول تھا کہ "جو شخص ہر مسئلہ کا جواب دیتا ہے وہ پاگل ہے"، ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت ابی بن کعبؓ سے ایک مسئلہ پوچھا تو انھون نے کہا کیا یہ ہو چکا؟ بولا نہین،، فرمایا "انتظار کرو جب ہو چکے تو ہم غور کر کے تمھین جواب دینگے"[۱] اور صحابہ سے بھی اسی قسم کے اقوال مذکور ہین،

(۴) اگر کسی نے مسئلہ کا جواب معلوم نہ ہوتا تو ہمارے علما کی طرح حیلہ بازیان نہین کرتے تھے بلکہ صاف صاف کہدیتے تھے کہ ہمین معلوم نہین،

ایک دفعہ کسی نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے کوئی مسئلہ پوچھا انھون نے کہا معلوم نہین، وہ واپس ہوا تو بولے کہ "ابن عمرؓ نے خوب کہا کہ مجھے معلوم نہین"[۲]

(۵) مسئلہ کے متعلق جس قدر معلوم ہوتا اس سے زیادہ جواب نہین دیتے تھے، ایک بار کسی نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ وتر واجب ہے یا نہین؟ بولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مسلمانون نے وتر پڑھا ہے، وہ بار بار پوچھتا رہا مگر انھون نے اس فقرے کے سوا یہ نہین کہا کہ "واجب ہے"[۳]

ابو داؤد کتاب الفرائض باب ما جاء فی التعلیب۔ [۱] مسند دارمی ص ۳۱ و ۳۲ [۲] دارمی ص ۳۵،

علم التفسیر

احادیث کی کتابون مین اگرچہ قرآن مجید کی تفسیر کے متعلق صحابۂ کرام سے بہت کم روایتین منقول ہین، تاہم جو کچھ ہین وہی قرآن مجید کا مغز ہین،

قرآن مجید صرف عقائد، احکام اور اخلاق کا مجموعہ ہے، قصص انبیاء نے اگرچہ اس مین تاریخی عنصر بھی شامل کردیا ہے، لیکن ان کا جو حصہ قرآن مجید مین مذکور ہے، وہ نہایت سادہ مختصر اور صحیح ہے، صحابۂ کرام سے ان کے متعلق کوئی صحیح روایت مذکور نہین، لیکن بعد کو ان کے متعلق بے سروپا روایات کا جو دفتر بے پایان تیار ہوگیا، اس کے متعلق علامہ ابن خلدون لکھتے ہین،

وقد جمع المتقدمون فی ذالک واوعوا الا ان کتبھم ومنقولاتھم تشتمل علی الغث والسمین والمقبول والمردود والسبب فی ذالک ان العرب لم یکونوا اھل کتاب ولا علم انما غلبت علیھم البداوۃ والامیۃ واذا تشوقوا الی معرفۃ شئی مما تشوق الیہ النفوس البشریۃ فی اسباب المکونات وبدء الخلیقۃ واسرار	متقدمین نے ان تمام چیزون کو اپنی کتابون مین جمع کردیا ہے، لیکن ان کی کتابون مین بری بھلی، مقبول اور مردود ہر قسم کی روایتین مذکور ہین، اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب اہل کتاب اور اہل علم نہ تھے، بلکہ وحشی اور جاہل تھے؛ اس لیے ان کو جب مخلوقات کی تکوین، عالم کی آفرینش اور اسرار کائنات کے جاننے کا شوق ہوتا تھا، تو اہل کتاب یعنی یہود اور ان کے مقلدین نصاری سے پوچھتے تھے، لیکن اس وقت عرب مین

الوجود فانما یساءلون عنہ اھل الکتاب قبلھم ویستفید ونہ منھم وھم اھل التوراۃ من الیھود ومن تبع دینھم من النصاریٰ واھل التوراۃ الذین بین العرب یومئذ بادیۃ مثلھم ولا یعرفون من ذٰلک الا ما تعرفہ العامۃ من اھل الکتاب ومعظمھم من حمیر الذین اخذوا بدین الیھودیۃ فلما اسلموا بقوا علی ماکان عندھم مما لا تعلق لہ بالاحکام الشرعیۃ التی یحتاطون لھا مثل اخبار بدء الخلیقۃ وما یرجع الی الحدثان والملاحم وامثال ذٰلک وھؤلاء مثل کعب الاحبار ووھب بن منبہ وعبداللہ بن سلام وامثالھم فامتلات التفاسیر من المنقولات عندھم[1]

جو یہود آباد تھے، وہ بھی انہی کی طرح وحشی تھے، ان باتوں کا علم انکو صرف اتنا ہی تھا، جتنا ایک عامی کو ہو سکتا ہے، ان میں زیادہ تر قبیلہ حمیر کے وہ لوگ تھے جنھوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا، اس لئے جب یہ لوگ اسلام لائے تو جن چیزوں کو احکام شرعیہ سے تعلق نہ تھا ان کو اسی قدیم حالت پر قایم رکھا، مثلاً آفرینش عالم، واقعات تاریخی، اور مذہبی لڑائیوں کے حالات وغیرہ، اس قسم کے لوگوں میں کعب احبار، وہب بن منبہ اور عبداللہ بن سلام وغیرہ ہیں، اس بنا پر متقدمین کی تفسیریں ان ہی منقولات سے بھر گئیں،

لیکن اس نکتہ کو سب سے پہلے صحابۂ کرام ہی نے سمجھا تھا مثلاً حضرت کعب احبار رضؓ کو اگرچہ صحابۂ کرام ثقہ سمجھتے تھے، تاہم امیر معاویہؓ نے ان کے متعلق صاف الفاظ میں فرمادیا تھا،

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۴۸۱،

ان کان من اصدق ھؤلاء المحدثین الذین یحدثون عن اھل الکتاب وان کنا مع ذلک لیبتلو علیہ الکذب،

اگرچہ ان محدثین مین جو اہل کتاب سے روایت کرتے ہین وہ سب سے زیادہ سچے ہین، تاہم ہم ان کو جھوٹ سے بری نہین پاتے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ عموماً لوگون کو تفسیر کے متعلق اہل کتاب کی طرف رجوع کرنے سے روکتے تھے، ایک بار انھون نے فرمایا، "تم لوگ اہل کتاب سے کیا پوچھتے ہو؟ تمھاری کتاب تو خود تازہ اور غیر مخلوق ہے اور اس مین مذکور ہے کہ یہود نے کتاب اللہ کو بدل دیا تھا اور اس مین اپنے قلم سے تغیرات[1] کر دیے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ اگرچہ نہایت کثیر الروایۃ صحابی تھے، لیکن وہ بھی اہل کتاب سے روایت نہین کرتے تھے[2]،

حضرت آدم علیہ السلام نے جنت مین جس درخت کا پھل کھایا، وہ کون سا درخت تھا؟ عصائے موسیٰ کا طول کیا تھا؟ سفینۂ نوح کتنا بڑا تھا؟ یہ اور اسی قسم کی بہت سی بیکار باتون کے متعلق تفسیرون مین جو دور از کار روایتین مذکور ہین، وہ انہی تفسیرون کا اندوختہ ہین، لیکن صحابۂ کرام اس قسم کی ادھیڑ بن مین اپنا وقت ضایع نہین کرتے تھے، صحابۂ کرام عرب تھے، اور عربی کلام کے رموز و اسرار سے واقف تھے، اس لیے قرآن مجید کا اکثر حصہ ان کے لیے متن بھی تھا اور تفسیر بھی، البتہ جب کوئی لفظ یا کوئی آیت سمجھ مین نہین آتی تھی، تو

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کرتے تھے اور آپ اس کی تفسیر فرما دیتے تھے، احادیث مین اس قسم کی بہت سی مثالین موجود ہین، مثلاً جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی،

[1] بخاری کتاب الاعتصام باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاتسألوا اہل الکتاب عن شئی [2] فتح الباری جلد ۸ ص ۱۲۰،

ولم یلبسوا ایمانهم بظلم — اور جن لوگون نے اپنے ایمان کو ظلم سے مخلوط نہین کیا،

توصحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ہم مین کس نے ظلم نہین کیا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

ان الشرک لظلم عظیم ۝ — شرک بہت بڑا ظلم ہے،

جس سے معلوم ہوگیا کہ آیت مین ظلم سے شرک مراد ہے،[1]

ایک بار حضرت عائشہ رض نے

من یعمل سوء یجزبہ، — جو شخص کوئی برائی کریگا اس کا بدلہ پائیگا،

کے متعلق آپ سے سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ اس بدلے سے مراد وہ مصیبتین ہین جو بندون کو بھگتنی پڑتی ہین، یہان تک کہ اگر انسان کی کوئی چیز گم ہوجائے اور وہ اس کے لیے پریشان ہو تو وہ بھی اسی مین داخل ہے،[2]

قرآن مجید کی اس آیت سے

یا ایھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم، — مسلمانو! تم پر صرف تمھاری ذات کی ذمہ داری ہے، جب تم نے ٹھیک راہ پالی تو جو شخص گمراہ ہوا وہ تم کو کچھ نقصان نہین پہنچا سکتا،

بظاہر امر بالمعروف والنہی عن المنکر کا سد باب ہوجاتا ہے، ایک صحابی کے دل مین یہ بات کھٹکی اور انھون نے آپ سے یہ سوال کیا، آپ نے فرمایا اس آیت پر صرف اس وقت عمل کرنا چاہئے، جب ہوا پرستی عام ہوجائے، اور ہر شخص صرف اپنی رائے پر عمل کرنے لگے، ورنہ جب تک لوگون مین ہدایت کے قبول کرنے کا مادہ موجود ہے امر بالمعروف کا فرض ساقط نہین ہوسکتا،[3]

---

[1] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ ولم یلبسوا ایمانہم بظلم، [2] ترمذی کتاب التفسیر تفسیر سورہ بقر، [3] ترمذی کتاب التفسیر تفسیر سورۂ مائدہ،

بعض آیتین اس قسم کی تھین جن پر تاریخی حیثیت سے اعتراض ہوتا تھا، در صحابۂ کرام آپ سے ان کا جواب پوچھتے تھے، مثلاً ایک بار آپ نے ایک صحابی کو نجران کے عیسائیون کے پاس بھیجا، تو ان لوگون نے اعتراض کیا کہ قرآن مجید مین حضرت مریم علیہا السلام کو ہارون کی بہن کہا گیا ہے، حالانکہ حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے زمانے مین بہت فصل ہے، ان سے اس کا جواب بن نہین آیا، اس لیے انھون نے واپس آکر آپ سے اس کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیون نہین کہدیا کہ یہود اپنے قدیم انبیاء و صلحا کے نام پر اپنی اولاد کا نام رکھتے تھے،[1] اس لیے حضرت مریمؑ کے بھائی کا نام اسی طریقہ پر ہارون رکھا گیا تھا،

۲۔ بعض اوقات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تفسیر کے متعلق صحابۂ کرام کا امتحان لیتے تھے، اور جب ان سے جواب بن نہین آتا تھا تو خود آیت کی تفسیر فرما دیتے تھے، قرآن مجید مین ایک آیت ہے،

کشجرۃ طیبۃ اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء توتی اکلہا کل حین،
مثل اس پاک درخت کے جسکی جڑ ثابت ہے اور اس کی شاخ آسمان مین ہے اور وہ ہمیشہ پھلتا رہتا ہے،

ایک بار صحابہ کا مجمع تھا آپ نے پوچھا کہ یہ کون سا درخت ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے دل مین اگرچہ اس کا جواب آیا، لیکن انھون نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی موجودگی مین کچھ بولنا خلاف ادب سمجھا، بالآخر آپ نے خود بتایا کہ یہ کھجور کا درخت ہے،[2]

صحابۂ کرام کو آپ کی زبان مبارک سے تفسیر کے سننے کا اس قدر شوق تھا کہ ایک بار جب آپ نے حالت سفر مین بہ آواز بلند یہ آیت پڑھی،

یا ایہا الناس اتقوا ربکم ان زلزلۃ
لوگو اپنے خدا سے ڈرو، قیامت کا زلزلہ بڑی

---

[1] ترمذی کتاب التفسیر تفسیر سورۂ مریمؑ، [2] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ کشجرۃ طیبۃ اصلہا ثابت،

الساعۃ شئ عظیم ٥ چیز ہے،

تو صحابہ کرام نے اپنی سواریون کو تیزی کے ساتھ دوڑایا کہ آپ اس آیت کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہین، چنانچہ پاس پہنچے تو آپنے پوچھا تمھین معلوم ہے کہ یہ کون سا دن ہے بولے اس کا علم تو صرف خدا اور خدا کے رسول کو ہے، اس کے بعد آپ نے وقایع قیامت کو بیان کیا،

۳۔ بعض اوقات اکابر صحابہ علمی صحبتین منعقد کرتے تھے اور ان مین قرآن مجید کی تفسیر کے متعلق بہت سے نکتے حل ہو جاتے تھے، ایک بار صحابہ کا مجمع تھا، حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ آیت ایود احدکم ان تکون لہ جنۃ کس کے بارے مین نازل ہوئی ہے، صحابہ نے کہا، اس کا علم تو خدا کو ہے، حضرت عمرؓ سخت برہم ہوئے اور کہا کہ یا تو یہ کہو کہ جانتے ہین، یا یہ کہو کہ نہین جانتے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اگرچہ بہت کم سن تھے، اور اس لئے کچھ کہتے ہوئے ڈرتے تھے، تاہم حضرت عمرؓ کی ہمت افزائی سے اجمالاً اس قدر کہا کہ یہ آیت ایک عمل کی مثال ہے، حضرت عمرؓ نے مزید تشریح کی اور کہا کہ اس دولتمند شخص کے عمل کی مثال ہے، جس نے اطاعت الٰہی کی بعد شیطان کے اغوا سے گناہون کا مرتکب ہوا، اس لیے خدا نے اس کے تمام اعمال کو برباد کر دیا،[۲]

ایک بار تمام کبار صحابہ جمع تھے حضرت عمرؓ نے اذا جاء نصر اللہ والفتح کی تفسیر پوچھی، سب نے کہا کہ جب فتح حاصل ہو تو ہم کو اس آیت مین تسبیح و استغفار کا حکم دیا گیا، حضرت عمرؓ خاموش رہے، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو؟ انھون نے کہا کہ اس آیت مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر دی گئی ہے، حضرت عمرؓ نے کہا مین بھی یہی جانتا ہون،[۳]

---

[۱] ترمذی کتاب التفسیر تفسیر سورہ حج [۲] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ ایود احدکم ان تکون لہ جنۃ
[۳] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ فسبح بحمد ربک،

۴- بعض اوقات لوگ صحابۂ کرام سے تفسیر کے متعلق سوال کرتے اور وہ اس کا جواب دیتے

قرآن مجید مین ہے،

لاتحسبن الذین یفرحون ۃ الخ — جو لوگ خوش ہوتے ہین وہ یہ گمان نہ کرین،

ایک بار مروان نے اپنے دربان کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت مین بھیجا اور کہا کہ اگر یہ گناہ ہے تو ہر شخص پر عذاب ہونا چاہئے، انھون نے کہا کہ اس آیت کا تم سے تعلق نہین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو بلایا اور ایک سوال کیا، انھون نے اس کے اصلی جواب کو مخفی رکھکر دوسری بات بتادی، اور جس علم کو مخفی رکھا، اس پر خوش ہوئے، اور جو جواب دیا اس پر داد طلب کی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی،[1]

جس آیت مین چار بیویون تک کی اجازت دی گئی ہو اس کے الفاظ یہ ہین،

وان خفتم الاتقسطوا فی الیتامی فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث وربٰع، — اگر تمھین ڈر ہو کہ یتیمون کے بارے مین انصاف نہ کرسکوگے تو عورتون مین سے حسب خواہش دو دو تین تین چار چار سے نکاح کرلو،

لیکن بظاہر آیت کے پہلے اور پچھلے ٹکڑون مین باہم ربط نہین معلوم ہوتا، یتیمون کے معاملے مین عدم انصاف اور چار نکاح کی اجازت مین باہم کیا تعلق ہے؟

ایک بار حضرت عروہؓ نے حضرت عایشہؓ سے اس کے متعلق سوال کیا، تو انھون نے کہا کہ بعض اوقات یتیم لڑکیان جائداد مین ولی کی شریک ہوتی ہین، وہ ان سے نکاح کرلیتا ہے، اور مہر اور عورتون سے کم دیتا ہے، ایسی حالت مین ان سے نکاح کرنے کی ممانعت کی گئی[2]

[1] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ لاتحسبن الذین یفرحون بما اتوا [2] بخاری کتاب التفسیر باب وان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامیٰ

اور دوسری عورتون سے نکاح کا حکم دیا گیا،

ازواج مطہرات مین جن دو بی بیون نے آپ سے مظاہرہ کیا تھا، ان کے نام ایک برس سے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ حضرت عمرؓ سے پوچھنا چاہتے تھے بالآخر ایک سفر حج مین یہ موقع ملا اور انھون نے بتایا کہ عائشہؓ اور حفصہؓ تھین[1]،

مناسک حج مین سے ایک رکن کوہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا بھی ہے، قرآن مجید مین اس کے متعلق حسب ذیل الفاظ ہین،

ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ	صفا و مروہ کی پہاڑیان شعایر الٰہی مین سے ہین،
فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح	پس جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے، تو کچھ مضایقہ
علیہ ان یطوف بھما ہ	نہین اگر ان کا بھی طواف کرلے،

حضرت عروہؓ نے اس کے متعلق حضرت عائشہؓ سے کہا کہ خالہ جان! اس کے تو معنی یہ ہین کہ اگر کوئی طواف نہ کرے تب بھی کوئی ہرج نہین، فرمایا، بھانجے تم نے ٹھیک نہین کہا، یہ آیت انصار کی شان مین نازل ہوئی ہے، اوس و خزرج اسلام سے پہلے مناۃ کی جے پکارا کرتے تھے، منات مشلل مین نصب تھا اس لیے وہ لوگ صفا و مروہ کے طواف کو برا جانتے تھے، اسلام لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم لوگ پہلے ایسا کرتے تھے اب کیا حکم ہے؛ اس پر خدا نے ارشاد فرمایا کہ صفا و مروہ کا طواف کرو، اس مین کوئی مضایقہ کی بات نہین[2]،

قرآن مجید کی ایک آیت یہ ہے،

یستفتونک فی النساء قل اللہ یفتیکم	عورتون کی نسبت لوگ تجھ سے پوچھتے ہین، کہدے
فیھن وما یتلی علیکم فی الکتاب فی یتامی	کہ خدا ان کے حق مین فیصلہ کرتا ہے، اس کتاب یعنی

[1] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ وان تظاہرا علیہ [2] بخاری باب وجوب الصفا والمروہ،

النساء التی لا تو تو نھن ما کتب لھن وترغبون ان تنکحو ھن،

قرآن مین جو کچھ تم لوگون کو پڑھکر سنایا گیا ہے ان یتیم لڑکیون کی نسبت جن کو تم مقررہ حقوق نہیں دیتے ہو اور نہ ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو،

حضرت عائشہؓ سے حضرت عروہؓ نے اس کا مطلب دریافت کیا، تو بولین کہ اس آیت مین جو یہ ارشاد ہوا ہے کہ اس قرآن مین پہلے جو کچھ ان کے بارے مین پڑھکر سنایا گیا ہے اس سے وہی پہلی آیت مراد ہے، یہ آیت ان اولیا سے متعلق ہے، جو یتیم لڑکیون کو نہ خود اپنے نکاح مین لاتے کہ وہ دولت حسن سے محروم ہین اور نہ دوسرے سے ان کا نکاح کرنا پسند کرتے کہ جائداد مشترکہ سے ہاتھ سے نکل جانے کا خوف ہے۔

اسی سورۃ مین ایک آیت اور ہے،

حتی اذا استیاس الرسل وظنوا انھم قد کذبوا جاءھم نصرنا

یہان تک کہ جب پیغمبر ناامید ہوگئے اور ان کو خیال ہوا کہ وہ جھوٹ بولے گئے، تو ہماری مدد آگئی،

حضرت عروہؓ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کُذِبُوا ہے، (جھوٹ بولے گئے یعنی ان سے جھوٹ وعدہ کیا گیا) یا کُذِّبُوا؟ (وہ جھٹلائے گئے) فرمایا کُذِّبُوا، عروہ نے کہا کہ اس کا تو ان کو یقین تھا کہ وہ جھٹلائے گئے، یہ ظن وخیال تو نہ تھا، اس لئے کُذِبُوا، (ان سے جھوٹ وعدہ کیا گیا) صحیح ہے، بولین معاذ اللہ پیغمبر الٰہی خدا کی نسبت یہ گمان نہین کرسکتے کہ اس نے ان سے امداد ونصرت کا جھوٹ وعدہ کیا، عروہ نے پوچھا تو پھر آیت کا مطلب کیا ہے، فرمایا یہ پیغمبرون کے پیروون سے متعلق ہے کہ جب وہ ایمان لائے اور توریت کی تصدیق کی اور ان کی قوم نے ان کو ستایا اور نصرت الٰہی مین ان کو تاخیر نظر آئی، یہان تک کہ پیغمبر اپنی قوم کے

ے صحیح مسلم کتاب التفسیر وصحیح بخاری کتاب النکاح،

منکرین کے ایمان سے نا امید ہو گئے تو ان کو خیال ہوا کہ شاید اس تاخیر کے سبب مومنین بھی ہماری تکذیب نہ کر دین کہ اسی حالت مین دفعتۃً خدا کی مدد نازل ہوئی،[۱]

اس قسم کی اور بھی متعدد مثالین احادیث کی کتابون ملتی ہین،

۵- بعض آیتین اس قسم کی تھین جو خاص خاص اشخاص یا خاص خاص قبائل کے متعلق نازل ہوئی تھین، اس لیے وہی لوگ اس کی صحیح تفسیر کر سکتے تھے، مثلاً ایک بار ایک صحابی نے رومیون پر اس جوش کے ساتھ حملہ کیا کہ ان کی صف جنگ کے اندر گھس گئے، اس پر تمام لوگون نے شور کیا کہ سبحان اللہ وہ اپنی ذات کو ہلاکت مین ڈالتے ہین، جس سے قرآن مجید کی آیت لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کی طرف اشارہ تھا، اس غزوہ مین حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی موجود تھے، انھون نے کہا تم اس آیت کے یہ معنی سمجھتے ہو، حالانکہ یہ ہم انصار کے بارے مین نازل ہوئی ہے، جب خدا نے اسلام کو غالب کر دیا اور اس کے بہت سے اعوان و انصار پیدا ہو گئے، تو ہم مین بعض لوگون نے چھپے چوری کہا کہ ہماری جائداد برباد ہو گئی، اب اسلام کے بہت سے حامی اور انصار پیدا ہو گئے، اس لئے اب ہم کو اپنی جائداد کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے، اس لئے خدا نے ہمارے خیال کی تردید کی اور فرمایا،

وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ، — خدا کی راہ مین صرف کرو، اور اپنی ذاتون کو ہلاکت مین نہ ڈالو،

اس بنا پر جہاد ہلاکت نہین ہے، بلکہ جہاد کو چھوڑ کر معاش کی فکر مین مصروف ہو جانا ہلاکت ہے،[۲]

۶- کبھی کبھی بعض اشخاص کسی آیت کی غلط تفسیر کرتے تھے، صحابۂ کرام کو خبر ہوتی تھی

---

[۱] بخاری تفسیر سورۂ یوسفؑ [۲] ترمذی کتاب التفسیر تفسیر سورۂ بقرہ،

توان کی غلطیون پر تنبیہ کرتے تھے، اس طرح اس آیت کی صحیح تفسیر معلوم ہو جاتی تھی، مثلاً قرآن مجید مین ہے،

فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین، — اس دن کا انتظار کر جس دن آسمان سے دھوان نمودار ہوگا،

ایک بار ایک شخص نے اس کی تفسیر بیان کی کہ قیامت کے دن ایک ایسا دھوان اٹھے گا جو منافقین کو بہرا اور اندھا کر دیگا، لیکن مسلمانون کو اس سے صرف اس قدر زکام ہو گی جتنی زکام مین ہوتی ہے، ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس کا تذکرہ کیا، وہ ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے تھے برہم ہو کر اوٹھ بیٹھے اور کہا کہ جو علم رکھتے ہون وہ بولین اور جو جاہل ہون وہ خاموش رہین یہ کہنا کہ ہم نہین جانتے یہ بھی علم ہے خدا نے خود اپنے پیغمبر کی نسبت فرمایا ہے کہ کہدو کہ مین تم سے معاوضہ نہین مانگتا اور تم سے بناوٹ کی کوئی بات نہین کہتا، اس آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ قریش نے اسلام قبول کرنے مین لیت ولعل کیا، اس لیے آپ نے ان کو قحط کی بددعا دی، چنانچہ ایسا قحط پڑا کہ سب مردار اور ہڈیان تک کھانے لگے، اسی حالت مین لوگ آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ فضا دھوئین سے بھر اوٹھی ہے، چنانچہ یہ آیت اسی کے متعلق ہے،

ایک بار مروان نے اہل حجاز کو ایک خطبہ مین یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی ترغیب دی، حضرت عبدالرحمان بن ابی بکرؓ نے اسپر اعتراض کیا، اس نے انکو گرفتار کرنا چاہا، وہ حضرت عائشہؓ کے گھر مین چھپ گئے تو مروان نے تنقیص کے طور پر کہا، قرآن مجید کی آیت والذی قال لوالدیہ اف لکما اتعدانني انہی کے بارے مین نازل ہوئی ہے، حضرت عائشہؓ نے پردے سے کہا کہ بجز برأۃ افک کے ہم لوگون کے بارے مین کوئی آیت نازل نہین ہوئی،

۱؎ بخاری کتاب التفسیر تفسیر الٓم غلبت الروم ۲؎ بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورہ احقاف،

۷۔ قرآن مجید کی صحیح تفسیر کا دار مدار تمامتر عربیت پر ہے لیکن مفسرین نے عربیت کے اصول و قواعد کو چھوڑ کر متعدد غلطیاں کی ہین، مثلاً قرآن مجید مین ہے،

اذا اردنا ان نہلک قریۃ امرنا مترفیہا ففسقوا فیہا،

جب ہم کسی گاؤن کو برباد کرنا چاہتے ہین تو اس کے دولتمندون کو حکم دیتے ہین اور وہ لوگ فسق و فجور مین مبتلا ہو جاتے ہین،

لیکن اگر اس آیت مین امر کے معنی حکم کے لیے جائین، جیسا کہ عام مفسرین نے لیے ہین تو اس سے لازم آتا ہے کہ خدا ہی ان کو فسق و فجور کا حکم دیتا ہے، حالانکہ خدا برائیون کا حکم نہین دیتا، مفسرین کے دل مین یہ اعتراض کھٹکا ہے، اور انھون نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہین، لیکن خصائص ابن جنی مین متعدد شواہد سے ثابت کیا ہے کہ امر کے معنی کلام عرب مین کثرت کے بھی آتے ہین، اس آیت کی تفسیر یہ ہوگی، کہ جب ہم کسی شہر کو تباہ کرنا چاہتے ہین تو بہت سے امرار پیدا کر دیتے ہین، اور امارت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مبتلائے فسق و فجور ہو جاتے ہین، جو تباہی کا پیش خیمہ ہے اور اس تفسیر پر کوئی اعتراض نہین پڑتا،

صحابۂ کرام سے بڑھ کر عربیت کا کون ماہر ہو سکتا تھا؟ اس لیے انھون نے اس قسم کے موقعون پر ٹھیک وہی تفسیر کی ہے جو ادب و عربیت کا اقتضا تھا، چنانچہ صحیح بخاری مین حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے اس آیت کی جو تفسیر منقول ہے اس مین انھون نے امر کے معنی کثرت ہی کے لیے ہین، ان کے اصلی الفاظ یہ ہین،

کنا نقول للحی اذا کثروا فی الجاہلیۃ امر بنو فلان[1]،

زمانۂ جاہلیت مین جب کوئی قبیلہ بڑھ جاتا تھا تو ہم کہتے تھے کہ امر بنو فلان،

---

[1] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ اذا اردنا ان نہلک قریۃ الخ۔

لیکن صحابۂ کرام کی بحث وجستجو، تحقیق وتلاش، رد وکد جو کچھ تھی اس کا تعلق صرف تفسیر کے اس حصے کے ساتھ تھا جو ضروری، کارآمد اور عملی تھا، غیر ضروری مباحث مثلاً تخلیق عالم، اسرار کائنات تاریخ قدیم اور قصص انبیا سے انھوں نے کبھی اعتنا نہین کیا، یہی وجہ ہے کہ ان کے متعلق صحابۂ کرام سے بروایت صحیحہ ایک حرف بھی مروی نہین ہے، متاخرین کے دماغ کا سب سے بڑا جولانگاہ آیات متشابہات ہین، لیکن صحابۂ کرام اس بحث مین پڑنا بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے، چنانچہ ایک شخص کو جو آیات متشابہات کے متعلق سوال کرتا پھرتا تھا، حضرت عمرؓ نے سخت سزا دی اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ کوئی مسلمان اس کے پاس بیٹھنے نہ پائے، [1]

ان آیات کے علاوہ قرآن مجید کی اور متعدد آیتون کی تفسیرین صحابۂ کرام سے احادیث کی کتابون مین منقول ہین، لیکن ہم ان کو بخوف طوالت قلم انداز کرتے ہین،

---

[1] مسند دارمی صفحہ ۳۱،

علم حدیث

یہ مسلم ہے کہ حدیث کا مقدس فن تمامتر صحابۂ کرام کا ساختہ و پرداختہ ہے، لیکن اگر یہ سوال کیا جائے کہ صحابۂ کرام نے اس فن کو کیونکر مرتب کیا؟ تو اس کے جواب کے لیے ہم کو اس سوال کے تمام اجزا کو تحلیل کر کے تفصیل کے ساتھ بتانا ہوگا کہ صحابۂ کرام نے فنِ حدیث کی کیا ضرورت سمجھی؟ اس کو کیونکر حاصل کیا؟ کیونکر محفوظ رکھا؟ ہم تک اس کو کس حزم و احتیاط کے ساتھ پہونچایا؟ ان کی روایتون کا مقصد کیا تھا؟ ان کے پاس احادیث کا تحریری ذخیرہ کس قدر تھا؟ ان سے جن لوگون نے روایتین کین انھون نے ان احادیث کا کس قدر تحریری ذخیرہ فراہم کیا؟ صحابۂ کرام نے احادیث کے کس قدر مدارج قایم کیے؟ فنِ درایت کو کس حد تک پہونچایا؟ قلت و کثرتِ روایت کی بناپر ان کے کس قدر طبقات قایم ہوے؟ اور ان کی روایات کی تعداد کیا ہے؟ چنانچہ ہم اسی ترتیب کے ساتھ ان سوالات کا جواب دینا چاہتے ہین،

فن روایت کی ضرورت عقاید، عبادات اور اخلاق کے تمام ابواب اگرچہ اُصولاً قرآن مجید مین مذکور ہین، لیکن ان کی توضیح، تفصیل اور تحدید و تعیین کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی ضرورت ہے، اس لیے وہ بھی قرآن مجید کی طرح مذہبی عقائد و اعمال کا لازمی جزو ہین اسی مقصد کے لیے فنِ حدیث کی ضرورت ہے اور صحابۂ کرام نے اس کی یہی ضرورت سمجھی تھی، چنانچہ ایک بار کسی شخص نے حضرت عمران بن حصینؓ سے کہا کہ آپ لوگ ایسی حدیثون کی روایت کرتے ہین، جن کی اصل ہم کو قرآن مجید مین نہین ملتی" وہ سخت برہم ہوے، اور فرمایا

کیا قرآن مجید میں یہ تفصیل ہے کہ ہر چالیس درہم میں ایک درہم اتنی بکریوں میں اتنی بکری اور اتنے اونٹوں میں اتنے اونٹ زکوٰۃ میں دینے چاہئیں، اس نے کہا نہیں، بولے، تو پھر تم کو یہ کیونکر معلوم ہوا؟ تم نے ہم سے سیکھا اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے[1]

صحابہ کرام نے علم حدیث کیونکر حاصل کیا

صحابہ کرام سے زیادہ کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت کا مشتاق نہ تھا، لیکن اس کا مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ مشکوٰۃ نبوت سے اقتباس نور کریں، حضرت عمرؓ عوالی میں قیام رکھتے تھے جو مدینہ سے کسی قدر دور ہے، اس لیے آپ کی خدمت میں روز حاضر ہونا ناممکن تھا، تاہم یہ معمول کر لیا تھا کہ ایک روز خود آتے تھے اور دوسرے روز اپنے پڑوسی حضرت عتبان بن مالکؓ کو بھیجتے تھے تاکہ خرمن نبوت کی خوشہ چینی سے کسی دن محروم نہ ہونے پائیں[2]

بعض صحابہ کو اس کا اس قدر شوق تھا کہ ایک ایک بات کے لیے برسوں آپ کی خدمت میں قیام کرتے تھے،

حضرت نواس بن سمعانؓ کا بیان ہے کہ لوگ جب آپ کے پاس سے رخصت ہوتے تھے تو کچھ پوچھ کر نہیں جاتے تھے، لیکن مجھے گناہ و ثواب کی حقیقت دریافت کرنی تھی، اس کے لیے میں نے ایک سال تک قیام کیا، اس کے بعد آپ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا نیکی حسن خلق کا نام ہے، اور گناہ وہ ہے جو خود تمہارے دل میں کھٹکے اور لوگوں پر اس کا افشا تمہیں ناگوار ہو[3]

اس طرح جن بزرگوں کو آپ کے فیض صحبت سے متمتع ہونے کا جس قدر موقع ملتا تھا

[1] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب ماتجب فیہ الزکوٰۃ [2] بخاری کتاب العلم باب التناوب فی العلم
[3] مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب باب تفسیر البر والاثم،

اوسی قدران کے پاس احادیث کا ذخیرہ زیادہ جمع ہو جاتا تھا، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ پر جب کثرت روایت حدیث کا الزام لگایا گیا تو انھون نے اس کا یہ جواب دیا،

ان اخوتی من المهاجرین کان یشغلهم الصفق بالاسواق وکنت الزم رسول الله صلی الله علیه وسلم علی ملاء بطنی فاشهد اذا غابوا واحفظ اذا نسوا وکان یشغل اخوتی من الانصار عمل اموالهم وکنت امرء مسکینا من مساکین الصفة اعی حین ینسون	میرے بھائی مہاجرین تجارت میں اور میرے بھائی انصار کھیتی باڑی مین مصروف رہتے تھے لیکن مین مساکین صفہ کا ایک فرد تھا، اس لیے ہروقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر رہتا تھا، اس بنا پر جب وہ لوگ غائب ہرتے تھے تو مین آپ کی خدمت مین موجود رہتا تھا، جب یہ لوگ بھولتے تھے تو مین یاد کیا کرتا تھا،

وہ معاش کی ضرورت کے علاوہ خود حدیث بنوی کے نہایت مشتاق تھے، اس لیے آپ سے سوالات کیا کرتے تھے اور آپ شوق سے ان کا جواب دیتے تھے،

ایک بار انھون نے آپ سے دریافت کیا کہ قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے سب سے زیادہ بہرہ اندوز کون ہوگا؟ فرمایا کہ" میرا خیال تھا کہ تم سے پہلے کوئی اس کا سوال نہ کرے گا، کیونکہ تم حدیث کے بڑے حریص ہو،،[2]

ان بزرگون سے الگ ازواج مطہرات اور ازواج مطہرات مین حضرت عائشہؓ ہین جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ تقرب حاصل تھا اس لیے ان کو خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کے سننے اور دیکھنے کا موقع ملتا تھا،

---

[1] بخاری کتاب البیوع [2] بخاری کتاب العلم باب الحرص علی الحدیث،

احادیث مین نہایت کثرت سے اس قسم کے واقعات ملتے ہین، جن مین حضرت عائشہؓ نے اپنی ذاتی واقفیت کی بنا پر اور صحابہ کی روایتون پر نکتہ چینی کی، اہل بیت مین بھی جو لوگ زیادہ متفحص ہوتے تھے وہ ازواج مطہرات ہی کے ذریعہ سے اس مقصد مین کامیاب ہوتے تھے۔ حضرت میمونہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خالہ تھین وہ ان کے یہان اس غرض سے سوتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز شب کی کیفیت کو ملاحظہ کرین[1]۔

شوق حدیث مین سفر لیکن صحابۂ کرام کا شوق حدیث صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت تک محدود نہ تھا، بلکہ وہ اس روحانی خزانے کی تلاش مین طرح طرح کی مشقتین برداشت کر کے سیکڑون کوس کا سفر کرتے تھے، حضرت فضالہ بن عبیدؓ مصر کے گورنر تھے، ایک صحابی اُن کی خدمت مین حاضر ہوئے اور کہا کہ مین ملاقات کے لیے نہین آیا ہون اور آپ دونون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنی تھی، اس لیے مجھے خیال ہوا کہ شاید آپ کے پاس اس کا علم ہو[2]۔

حضرت عبداللہ بن انیس جہنیؓ مصر مین مقیم تھے، وہ قصاص کے متعلق ایک حدیث کی روایت کرتے تھے۔ حضرت جابرؓ کو معلوم ہوا تو بازار مین آکر ایک اونٹ خریدا اور اس پر کجاوہ کس کر مصر کو روانہ ہوئے۔ ایک مہینے مین مصر پہونچے اور لوگون سے پوچھتے ہوئے ان کے دروازے پر گئے اور ایک حبشی غلام کے ذریعہ سے ان کو اطلاع دی، جب ان کو معلوم ہوا کہ وہ صحابی ہین تو آکر لپٹ گئے، اور پوچھا کہ آپ کیون تشریف لائے؟ بولے "قصاص کے متعلق آپ جس حدیث کی روایت کرتے ہین، اب آپ کے سوا اس کا کوئی راوی نہین ہے، اس لیے مین نے چاہا کہ قبل اس کے کہ ہم دونون مین سے کسی کو موت آئے مین آپ سے اس حدیث کو سن لون[3]۔"

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی صلاۃ اللیل [2] ابوداؤد کتاب الترجل [3] حسن المحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۸۷۔ بخاری کتاب العلم مین بھی اس کا اجمالاً تذکرہ ہے، دیکھو باب الخروج فی طلب العلم۔

ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث بیان فرمائی تھی، حضرت سائب بن خلادؓ اور حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ اس موقع پر موجود تھے، لیکن بعد میں حضرت سائبؓ کو اس حدیث کے متعلق وہم پیدا ہوا اور وہ ازالہ شک کے لیے مصر میں حضرت عقبہؓ کے پاس گئے، اور پہلے مسلمہ بن مخلد کے دروازے پر حاضر ہوئے، انھوں نے ان کو مہمان بنانا چاہا، لیکن انھوں نے کہا کہ "پہلے عقبہ سے میری ملاقات کرا دیجئے"، وہ ایک گاؤں میں تھے، وہ وہاں گئے، اور اس حدیث کی تصدیق کرکے واپس آئے،

اس کے علاوہ صحابہ کرام سیکڑوں طریقے سے احادیث کو جمع کرتے تھے[1] ایک بار حضرت زید بن خالد الجہنیؓ آستانۂ مبارک پر ٹیک لگا کر سوئے اور آپ کی نماز شب کی کیفیت[2] ملاحظہ فرمائی،

ایک بار ایک صحابی نماز پڑھ رہے تھے آپ نے ان سے کچھ کہا جس کو اور صحابہ نے نہیں سُنا، جب وہ پلٹے تو تمام صحابہ نے ان کو گھیر لیا اور کہا کہ "آپ نے کیا فرمایا"[3]

ایک بار حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو لکھا کہ نماز کے سلام کے بعد آپ کیا دعا پڑھتے تھے، انھوں نے وہ دعا لکھ بھیجی،[4]

اس تفحص و تلاش کے ذریعہ سے کان سعادت کے یہ موتی جب دامن میں آجاتے تھے تو صحابۂ کرام نشۂ مسرت سے بیخود ہو جاتے تھے، حضرت ابن الحنظلیہؓ ایک خاموش اور گوشہ نشین صحابی تھے، ایک روز وہ حضرت ابوالدرداءؓ کے پاس سے ہو کر گذرے تو انھوں نے ان کو دیکھکر کہا،

کلمۃ تنفعنا ولا تضرک — کچھ فرمایئے جو ہم کو نفع دے اور آپکے لیے مضر نہو،

---

[1] حسن المحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۸۶ [2] سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء کم یصلی باللیل [3] سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبہ [4] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ما یقول الرجل اذا سلم،

انھون نے ایک حدیث بیان کی، حضرت ابو الدرداءؓ اس قدر مسرور ہوئے کہ سر اٹھا کو کہا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے" اور بار بار اس جملے کو دہراتے رہے، اسی طرح وہ متعدد بار اُن کے پاس سے گذرے اور انھون نے کلمہ نافعہ کی استدعا کی اور انھون نے ایک حدیث بیان کردی[1]

صحابۂ کرام نے احادیث کو کیون کر محفوظ رکھا

دنیا کو تعجب ہے کہ صحابۂ کرام نے احادیث کے ذخیرے کو کیونکر اس صحت وجامعیت کے ساتھ محفوظ رکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کا ایک فقرہ بھی ہوا کے تموج مین جذب ہو کر فنا نہین ہوا؟ لیکن اگر اس کو یہ معلوم ہوتا کہ صحابہ کرام نے نہ صرف اس مقدس مجموعہ کی حفاظت کی، بلکہ آپ کے ایک ایک اشارے، ایک ایک حرکت، اور ایک ایک ادا کو محفوظ رکھا تو یہ تعجب خود بخود زایل ہو جاتا،

ایک بار لوگون نے حضرت خبابؓ سے پوچھا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر وعصر مین قرات کرتے تھے" بولے ہان، لوگون نے کہا یہ کیونکر معلوم ہوا؟ فرمایا "ہم آپ کی ریش مبارک کی حرکت سے اس کا پتہ لگا لیتے تھے[2]،

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہین کہ ہم نے یہ اندازہ کیا کہ آپ ظہر وعصر کی رکعت مین کتنی دیر تک قیام کرتے ہین۔ تو معلوم ہوا کہ اول کی دو رکعتون مین اتنی دیر جس مین تین آیتین پڑھی جائین، اور اخیر کی دو رکعتون مین اس کی نصف مدت[3]،

ایک بار حضرت عبد اللہؓ نے نماز کا طریقہ بتایا اور کہا کہ "مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیون کی گردش نظر آرہی ہے"[4]

---

[1] ابوداؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی اسبال الازار [2] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب القراءۃ فی الظہر [3] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب تخفیف الاخریین [4] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب تفریع ابواب الرکوع والسجود وضع الیدین علی الرکبتین،

پہلے جب نماز میں اشارہ کرنا یا بات چیت کرنا جائز تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز میں سلام کا جواب دیا کرتے تھے، ایک صاحب نے حضرت بلالؓ سے اس کی کیفیت پوچھی تو انھوں نے اسی طرح ہاتھ کو گردش دی جس طرح آپ ہاتھوں کو اس حالت میں گردش دیتے تھے۔

حضرت اغر مزنیؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک بار شمار کیا معلوم ہوا کہ آپ نے ایک نشست میں سو بار استغفار فرمایا۔

صحابہ کرام نے جس طرح ان اشارات وحرکات کو محفوظ رکھا تھا، اسی طرح بعض احادیث کی روایت میں ان جزئیات کی تفصیل بھی کرتے تھے،

ایک بار حضرت ابو حمید ساعدیؓ نے دس صحابہ کے مجمع میں کہا کہ "میں تم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے واقف ہوں،، ان لوگوں نے کہا کیونکر؟ تم نہ ہم سے زیادہ متبع سنت تھے، نہ ہم سے زیادہ قدیم الصحبت"، انھوں نے صلوٰۃ نبویہ کے ایک ایک جزئیات کو بیان کرنا شروع کیا، تو ان لوگوں نے تصدیق کی،

لیکن احادیث کے محفوظ رکھنے کا اصلی ذریعہ حفظ حدیث تھا، یعنی صحابہ کرام ان کو ازبر یاد کرتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں رات کے تین حصے کرتا تھا، ایک میں سوتا تھا، ایک میں نماز پڑھتا تھا اور ایک میں احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرتا تھا،

لوگوں نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے کہا کہ آپ ہم کو احادیث کے لکھنے کی اجازت نہیں دیتے،، فرمایا، "ہم حدیث کو قرآن کی طرح لکھنے کی اجازت نہیں دے سکتے لیکن جس طرح ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنکر حدیثیں یاد کر لی تھیں، تم بھی اسی طرح یاد کر لو،،

ا ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب رد السلام فی الصلوۃ ٢ ابو داؤد کتاب الصلوۃ باب فی الاستغفار ٣ ابو داؤد کتاب الصلوات باب افتتاح الصلوٰۃ ٤ مسند دارمی ص ۵۸ ٥ دارمی صفحہ ۶۷،

صحابہ کرام نے کس حزم و احتیاط کے ساتھ ہم تک احادیث کو پہونچایا

صحابۂ کرام روایت حدیث مین نہایت حزم و احتیاط سے کام لیتے تھے، بعض صحابہ مثلاً حضرت زبیرؓ سرے سے روایت ہی نہین کرتے تھے، ایک بار ان سے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے پوچھا کہ آپ تمام صحابہ کی طرح کیون نہین روایت کرتے؟ بولے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھکو امتیاز و خصوصیت حاصل تھی، تاہم مین نے آپ سے سنا ہے کہ جو شخص میری طرف جھوٹ کا انتساب کرے اس کو اپنا ٹھکانا جہنم مین بنا لینا چاہیے[۱]،

بعض صحابہ برسون قال الرسول کے لفظ سے اپنے لب کو آشنا تک نہین کرتے تھے، امام شعبی کا بیان ہے کہ مین ایک سال تک حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے پاس بیٹھا لیکن انھون نے کوئی حدیث نہین بیان کی، حضرت سائب بن یزیدؓ کا بیان ہے کہ مین نے حضرت طلحہ بن عُبید اللہؓ، حضرت سعدؓ، حضرت مقدادؓ اور حضرت عبد الرحمان بن عوفؓ کی رفاقت کی، لیکن طلحہ کے سوا کہ وہ واقعات احد بیان کرتے تھے کسی سے کوئی حدیث نہین سنی[۲]۔

حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہین کہ مین نے مدینہ سے مکہ تک حضرت سعد بن مالکؓ کی رفاقت کی، لیکن مین نے ان کی زبان سے ایک[۳] حدیث بھی نہین سنی،

بعض لوگ صحابہ کرام سے روایت حدیث کی درخواست کرتے تھے، لیکن وہ انکار کر دیتے یا ٹالدیتے تھے، ایک بار لوگون نے حضرت زید بن ارقمؓ سے کہا کہ "حدیث بیان فرمائیے" بولے ہم لوگ بوڑھے ہوئے اور بھول گئے، حدیث کی روایت کرنا تو نہایت سخت کام ہے"

ایک بار لوگون نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت حدیث کی درخواست کی تو فرمایا کہ انشاء اللہ[۴]

---

[۱] ابو داؤد کتاب العلم باب فی التشدید فی الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [۲] بخاری کتاب الجہاد باب من حدث بمشاہدہ فی الحرب [۳] سنن ابن ماجہ باب التوقی فی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ [۴] دارمی ص ۴۶

جو صحابہ روایت کرتے تھے وہ بھی نہایت کم حدیثیں بیان کرتے تھے، حضرت انسؓ بن مالک

فرماتے تھے کہ کثرت روایت سے مجھے یہ حدیث روکتی ہے، من کذب علیّ متعمداً الخ،[1]

حضرت عبداللہؓ بن مسعود مہینے میں صرف دو یا تین حدیثوں کی روایت کرتے تھے،[2]

حضرت عمرؓ لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ کثرت روایت سے روکتے تھے،

حضرت قرظہ بن کعبؓ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہم کو عراق بھیجا تو ہماری مشایعت کی، اور

کہا کہ تمھیں معلوم ہے کہ میں کیوں تمھارے ساتھ چلتا ہوں؟ سب نے کہا یہ ہماری عزت افزائی ہے،

بولے ہاں، لیکن تم ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو، جو تلاوت قرآن میں شہد کی مکھیوں کی طرح ترنم ریز ہے

پس ان کی تلاوت میں خلل انداز مت ہونا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بہت کم بیان کرنا،

اور میں تمھارا شریک رہونگا،[3]

صحابۂ کرام جب حدیث بیان کرتے تھے، تو روایت کی ذمہ داری سے گھبرا اٹھتے تھے، حضرت عمرو بن

میمون ایک تابعی تھے، ان کا بیان ہے کہ میں ہر جمعرات کو بلاناغہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں

حاضر ہوتا تھا، لیکن ان کی زبان سے کبھی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ نہیں سنا، ایک دن یہ

الفاظ ان کی زبان سے نکلے تو گردن جھکالی، میں نے دیکھا تو ان کی قمیص کے تکمے کھلے ہوئے تھے، آنکھیں ڈبڈبائی

ہوئی تھیں اگردن کی رگیں پھول گئی تھیں، حدیث کی روایت کرتے تھے تو احتیاطاً کہتے جاتے تھے اس سے

کم یا اس سے زیادہ اس کے قریب یا اس کے مشابہ یعنی یقینی طور پر یہ نہیں کہتے تھے کہ یہی الفاظ ہیں،[4]

حضرت انس بن مالکؓ جب حدیث بیان کرتے تھے، تو گھبرا اٹھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ

الفاظ ہیں، یا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوگا۔[5]

---

[1] بخاری کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم [2] دارمی صفحہ ۴۶ [3] تذکرۃ الحفاظ تذکرہ حضرت عمرؓ

[4] ابوداؤد باب التوقی فی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [5] دارمی ص ۴۶،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے کہ میں جب حدیث بیان کروں تو مجھے یہ گوارا ہے کہ مجھپر آسمان پھٹ پڑے بہ نسبت اس کے کہ آپ کی طرف اس حدیث کا انتساب کروں[1] جس کو آپ نے نہیں فرمایا،

حضرت عبد الرحمٰنؓ بن ابو ہند ایک صحابی تھے، وہ اپنے بستر پر ایک چھڑی رکھکر بیٹھتے تھے جب ان کے لڑکے اور بھتیجے علم حدیث کی تعلیم کے لیے آتے اور کہتے کہ قال رسولؐ اللہ، تو چھڑی اٹھاکر فرماتے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکر روایت کر سکتے ہو[2]،

صحابۂ کرام جس حزم واحتیاط کے ساتھ روایت کرتے تھے، اسی حزم واحتیاط کے ساتھ ان کو قبول بھی کرتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب میرے سامنے کوئی صحابی روایت کرتے ہیں تو میں ان سے قسم لیتا ہوں، جب وہ قسم کھالیتے ہیں تو میں اس روایت کی تصدیق کرتا ہوں[3]،

حضرت ابوبکر صدیقؓ نہایت نرم خو تھے، لیکن روایت کے قبول کرنے میں کسی قسم کی مداہنت نہیں کرتے تھے۔ ایک بار دادی کی میراث کے متعلق حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے ایک روایت کی تو فرمایا کہ شاہد لاؤ، حضرت محمد بن مسلمہؓ نے شہادت دی تو اس کو قبول کیا[4]،

تمام صحابہ میں حضرت عمرؓ سب سے زیادہ متشدد فی الحدیث تھے، ایک بار زدوکوب میں کسی عورت کا حمل ساقط ہوگیا، تو حضرت عمرؓ نے اس کی دیت کے متعلق صحابۂ کرام سے مشورہ فرمایا، حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام یا ایک لونڈی اس کی دیت میں دلوائی ہے، حضرت عمرؓ نے اس حدیث پر شہادت طلب فرمائی، تو حضرت محمد بن مسلمہؓ نے شہادت دی[5]،

[1] مسلم کتاب الزکوٰۃ باب التحریض علی قتل الخوارج [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبد الرحمٰن بن ابو ہند [3] ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی الاستغفار [4] ابو داؤد کتاب الفرائض باب فی الجدۃ [5] ابو داؤد کتاب الدیات، باب دیۃ الجنین،

ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کی خدمت مین حاضر ہوئے، اور کہا کہ "ابو موسیٰ اجازت چاہتا ہے، اشعری اذن چاہتا ہے، عبد اللہ بن قیس استیذان کا خواستگار ہے"، تین بار کی اذن طلبی پر بھی جب باریابی کی اجازت نہ ملی تو واپس آئے. حضرت عمرؓ نے بلا کر پوچھا کیون واپس چلے گئے؟ بولے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تین بار مین اذن نہ ملے تو واپس چلے آؤ"، فرمایا اس حدیث پر گواہ لاؤ"، حضرت ابو سعید خدریؓ نے شہادت دی تو کہا کہ مین تم کو متہم کرنا نہین چاہتا تھا، یہ تشدد صرف اس خوف کی بنا پر تھا کہ لوگ جھوٹی روایتون کے کرنے پر دلیر نہ ہو جائین، لیکن حضرت ابیؓ نے اس تشدد کو دیکھا کر کہا "عمر! اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کا عذاب نہ بنو"[1]

ایک بار حضرت عمرو بن امیۃ الضمری بازار مین چادر خرید رہے تھے، لوگون نے پوچھا کیا کروگے؟ بولے اس کو صدقہ مین دونگا، حضرت عمرؓ نے یہ سن لیا اور چلے گئے، بعد کو ملے تو کہا کہ وہ چادر کیا ہوئی؟ انھون نے کہا کہ "مین نے اپنی بی بی پر صدقہ کر دیا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بی بی کو جو کچھ دوگے وہ صدقہ ہوگا"، بولے "عمرو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا نہ کرو"، چنانچہ ان کو حضرت عائشہؓ کے پاس لائے، اور اس حدیث کی تصدیق کرائی۔[2]

ایک بار حضرت ابو مسعودؓ، حضرت ابو درداءؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ کو اسی تشدد و احتیاط کی بنا پر قید کر دیا، اور کہا یہ حدیثین روایت کرتے ہو؟[3]

ایک بار کسی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ عہد عمرؓ مین بھی تم اسی طرح حدیثون کی روایت کر سکتے تھے؟ بولے "اگر ایسا کرتے تو کوڑا کھاتے"[4]

اس تشدد کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ کے زمانے مین روایتین اس قدر منقح ہو گئین کہ حضرت

---

[1] ابو داؤد کتاب الادب باب فی الاستیذان و بخاری کتاب الاستیذان [2] مسند ابو داؤد طیالسی ص ۱۹۴

[3] المعتصر من المختصر من مشکل الآثار للطحاوی ص ۵۹ ج ۳ [4] تذکرۃ الحفاظ ترجمہ حضرت عمرؓ

امیر معاویہؓ نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ صرف حضرت عمرؓ کے زمانے کی حدیثیں روایت کیجائیں، کیونکہ وہ لوگوں کو مذہبی معاملات میں ڈرایا کرتے تھے[1]،

روایت حدیث کا مقصد | ثواب آخرت کے علاوہ علم حدیث چونکہ دنیوی عزت وجاہ کا بھی ذریعہ تھا، اس لیے اخیر زمانے میں بہت سے لوگ ایسے پیدا ہو گئے تھے، جو صرف حصولِ عزت کے لیے حدیثیں بناتے تھے اور ان کی روایت کرتے تھے، لیکن صحابہ کرام کی روایت حدیث کا مقصد حصولِ ثوابِ اخروی کے سوا اور کچھ نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ اس امانت کو اس وقت ادا کرتے تھے جب دنیوی عزت ہر شخص کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے، اور رہرا میں کو خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر اس نے امانت ادا نہیں کی تو خدا کے نزدیک ماخوذ ہوگا، چنانچہ ایک صحابی نے انتقال کے وقت ایک حدیث کی روایت کی اور کہا کہ "میں صرف حصول ثواب کے لیے اس کی روایت کرتا ہوں[2]"،

حضرت معاذ بن جبلؓ سے آپ نے فرمایا تھا کہ جو شخص توحید ورسالت کا اقرار کریگا، وہ جنتی ہوگا، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہدایت کی تھی کہ اس کا عام اعلان نہ کیا جائے، حضرت معاذ بن جبلؓ نے عمر بھر اس راز کو چھپایا، لیکن دم نزع خوفِ کتمان[3] سے اس کو افشا کر دیا،

عبید اللہ بن زیاد حضرت معقل بن یسارؓ کی عیادت کو آیا تو بولے کہ "میں تم سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں، اگر مرض الموت میں مبتلا نہوتا تو نہ بیان کرتا" آپ نے فرمایا ہے کہ "جو امیر مسلمانوں کی خیر خواہی نہ کریگا وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوگا[4]"،

صحابہ کے پاس حدیث کا تحریری ذخیرہ کس قدر تھا | صحابہ کرام اگرچہ اکثر زبانی روایتیں کرتے تھے، تاہم ان کے پاس

---

[1] مسلم کتاب الزکوٰۃ باب النہی عن المسئلہ [2] ابوداؤد باب ماجاء فی الہدی فی المشی الی الصلوٰۃ [3] مسلم کتاب الایمان باب من لقی اللہ بالایمان وہو غیر شاک فیہ دخل الجنۃ وحرم علی النار [4] مسلم کتاب الایمان باب استحقاق الوالی الغاش لرعیۃ النار،

حدیث کے بعض تحریری ذخیرے بھی موجود تھے، ابھی زمانے میں زکوۃ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دستور العمل مرتب فرمایا تھا، اس کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے محفوظ رکھا تھا، چنانچہ وہ مدتوں حضرت عمرؓ کے خاندان میں محفوظ رہا اور وہیں سے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے اس کی نقل لی۔ تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ۵۰۰ حدیثیں بھی لکھی تھیں، لیکن پھر اس مجموعہ کو جلا دیا۔

فتح مکہ کے بعد آپ نے جو خطبہ دیا تھا، اس کے متعلق یمن کے ایک صحابی ابوشاہ نے درخواست کی کہ "یا رسول اللہ! یہ میرے لیے لکھوا دیا جائے"، چنانچہ آپ نے اس کو لکھوا دیا۔[۲]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس احکام کا ایک مجموعہ تھا جس کی نسبت وہ فرمایا کرتے تھے، کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں قرآن مجید اور اس صحیفہ کے سوا اور کچھ نہیں لکھا،[۳] یہ صحیفہ وہ ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے، چنانچہ ایک صحابی کو انھوں نے اپنی تلوار کی میان سے نکالکر اس کو دکھایا۔[۴]

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا معمول تھا کہ آپ سے جو کچھ سنتے تھے لکھ لیتے تھے، قریش نے ان کو منع کیا کہ آپ مختلف حالتوں میں گفتگو کرتے ہیں، اس لیے آپکا ہر ارشاد دیث نہیں ہو سکتا، انھوں نے آپ کی خدمت میں اس کا تذکرہ کیا، تو آپ نے فرمایا کہ "لکھا کرو اس زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکل سکتا"۔[۵]

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتے تھے بیٹھکر

---

[۱] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب فی زکوۃ السائمہ [۲] ابوداؤد کتاب المناسک باب تحریم مکہ و بخاری کتاب العلم [۳] ابوداؤد کتاب المناسک باب فی تحریم المدینۃ [۴] ابوداؤد کتاب الحدود باب یقاد المسلم من الکافر [۵] ابوداؤد کتاب العلم باب فی کتابۃ العلم

لکھتے جاتے تھے، آپ نکلے تو فرمایا کہ کتاب اللہ کے ساتھ دوسری کتاب بھی لکھی جائیگی؟ اس لیے ہم نے جو کچھ لکھا تھا اس کو جمع کر کے جلا دیا۔[۱]

فرامین رسولؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اشخاص اور مختلف قبائل کے نام جو فرامین لکھوائے تھے، وہ اگرچہ زیادہ تر شخصی حیثیت رکھتے تھے، تاہم ان سے بھی شرعی مسائل مستنبط ہو سکتے تھے، اس لئے صحابہ کرام نے احادیث کا جو تحریری ذخیرہ جمع کیا تھا اسی سلسلہ میں یہ بھی داخل ہیں، اس قسم کے فرمان متعدد صحابہ کے پاس محفوظ تھے، حضرت مجاعہؓ کے بھائی کو قبیلہ بنو سدوس نے قتل کر دیا تھا، وہ آپ کے پاس آئے اور دیت طلب کی، آپ نے فرمایا کہ "میں مشرک کی دیت تو نہیں دے سکتا"، لیکن ایک فرمان لکھ دیا کہ مشرکین بنو ذہل کے یہاں سے جو خمس آئے، اس میں سے ان کو سو اونٹ دیئے جائیں، چنانچہ انھوں نے ایک حصہ وصول کر لیا، جو باقی تھا اس کے وصول کرنے سے پہلے بنو ذہل نے اس کا معاوضہ دوسرے ذرائع سے پورا کر دیا۔[۲]

حضرت یزید بن عبد اللہؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ کھڑے تھے کہ ایک پراگندہ مو شخص ہاتھ میں سرخ چمڑا لئے ہوئے آیا، ہم نے اس کو لے کے دیکھا، تو وہ فرمان تھا، ہم نے پوچھا اس کو کس نے لکھا ہے، بولا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔[۳]

جنلوگوں نے صحابہ کرام سے روایتیں کیں، انھوں نے احادیث کا کسقدر تحریری ذخیرہ فراہم کیا، خود صحابہ کرام سے جن لوگوں نے روایتیں کیں، ان کو اگرچہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ لکھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے،[۴] لیکن بہت سے صحابہ کتابت حدیث کو جائز سمجھتے تھے، حضرت عمر بن الخطابؓ نے عام حکم دیا تھا کہ "قیدوا العلم بالکتاب" یعنی علم کو لکھ لیا کرو،

---

[۱] مسند جلد ۳ صفحہ ۱۲ [۲] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسہم ذی القربیٰ [۳] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب ماجاء فی سہم الصفی [۴] مسند دارمی صفحہ ۶۷ باب من لم یر کتابۃ الحدیث

بشیر بن نہیک کا بیان ہے کہ "مین حضرت ابوہریرہؓ سے جو کچھ سنتا تھا لکھ لیتا تھا جب ان سے رخصت ہونے لگا، تو اس مجموعہ کو دکھا لیا، اور انھون نے اس کی تصدیق کی"، سعید بن جبیرؓ فرماتے ہین کہ: مین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ رات کو مکہ کے راستہ مین چلتا تھا، وہ حدیث بیان کرتے تھے تو اپنے کجاوے کی لکڑی پر لکھ لیتا تھا، پھر صبح کو صاف کر لیتا تھا، حضرت براءؓ کے تمام تلامذہ قلم سے اپنی ہتھیلیون پر لکھتے تھے، حضرت نافع حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی تمام حدیثین ان کے سامنے لکھ لیا کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک شخص کو خود حدیث لکھوائی اور اس نے لکھ لی،[۱]

حضرت زید بن ثابتؓ حدیثون کے لکھنے کے مخالف تھے، لیکن مروان بن حکم نے ان کو اپنے یہان بلوا کر بیچ مین ایک پردہ ڈالدیا اور ایک شخص کو مقرر کر دیا کہ جو حدیثین وہ بیان کرین ان کو چپکے سے لکھتا جائے،[۲] غرض اس طرح صحابۂ کرام ہی کے زمانے مین فن حدیث مدون ہو چکا تھا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے انہی اجزائے پریشان کو ایک مجموعہ کی صورت مین جمع کر دیا،

مدارج حدیث کی تعیین حدیث کے مختلف مدارج ہین، بعض روایتین متواتر ہوتی ہین یعنی ان کی روایت ایک جم غفیر کرتا ہے، بعض روایتین مشہور ہوتی ہین، جو اگرچہ درجۂ تواتر کو نہین پہونچتین، تاہم ہر زمانے مین بہ کثرت لوگ ان کی روایت کرتے ہین، بعض حدیثون کی روایت کا سلسلہ چند اشخاص تک محدود رہتا ہے یہان تک کہ بعض اوقات ایک ہی شخص کسی حدیث کی روایت کرتا ہے، یہی روایتین ہین جن کو اصطلاح مین خبر احاد کہتے ہین، اس اختلاف مدارج کا اثر ان فقہی احکام پر پڑتا ہے جو ان حدیثون مین مذکور ہوتے ہین، یا ان سے مستنبط کیے جاتے ہین، قطعیت کے لحاظ سے خبر احاد متواتر یا مشہور روایتون کے درجہ کو نہین پہنچ سکتی، اس بنا پر فقہا مین اختلاف ہے

[۱] مسند دارمی صفحہ ۶۸ و ۶۹ باب من رخص فی کتابۃ العلم [۲] مسند جلد ۲ صفحہ ۱۹۹ [۳] مسند دارمی صفحہ ۶۷،

کہ خبراحاد کے ذریعہ سے قرآن مجید کے کسی حکم عام کی تخصیص یا تنسیخ ہوسکتی ہے، یا نہین؟ امام شافعی کا مذہب ہے کہ خبر احاد کے ذریعہ سے قرآن مجید کے کسی حکم عام کی تخصیص بلکہ تنسیخ بھی کی جاسکتی ہے، اس وقت ہم اس مسئلہ پر بحث کرنا نہین چاہتے، اس موقع پر صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ خود صحابہ نے احادیث کے مختلف مدارج قایم کریے تھے، اور اس اختلاف مدارج کا جو اثر احکام پر پڑ سکتا تھا اس کے متعلق خود انھون نے اپنی اجتہادی رائے قایم کرلی تھی۔

قرآن مجید مین بہ تصریح مذکور ہے کہ اگر کسی عورت کو طلاق باین دیدیجائے تو جب تک ایام عدت گذر نہ جائین، شوہر بی بی کو گھر سے نکال نہین سکتا،

ولا تخرجوھن من بیوتھن، اور ایام عدت مین ان کو گھرون سے نہ نکالو،

اس آیت سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ایام عدت مین عورت کو سکنی کا حق حاصل ہے، اب صرف یہ بحث ہے کہ اس کو نان ونفقہ کا حق بھی حاصل ہے یا نہین؟ قرآن مجید مین اگرچہ اس کے متعلق صریح حکم نہین ہے لیکن قرآن مجید مین حاملہ عورتون کے متعلق بہ تصریح حکم دیا گیا ہے کہ اگر حاملہ عورتون کو طلاق دیجائے تو جبتک وضع حمل نہ ہو، شوہر کو نان نفقہ دینا ہوگا،

انکن اولات حمل فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن، (قرآن) اگر وہ حاملہ ہون تو زمانہ وضع حمل تک ان کے نان ونفقہ کے کفیل رہو،

حاملہ عورت کے وضع حمل کا زمانہ اس کی عدت کا زمانہ ہوتا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ عدت مین عورت کے نان ونفقہ کا بار شوہر پر ہے، اس کے علاوہ عورت کو جب سکنی کا حق حاصل ہے تو اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نان ونفقہ کا بار بھی شوہر ہی پر ہوگا،

قرآن مجید کا یہ حکم قطعی ہے اس لیے صرف قطعی دلائل ہی سے اس کی تنسیخ یا تخصیص ہوسکتی ہے، حضرت عمرؓ کے زمانے مین یہ مسئلہ پیش آیا، تو حضرت فاطمہ بنت قیس رضؓ نے شہادت دی،

کہ ان کے شوہر نے ان کو طلاق باین دی تھی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نان نفقہ اور سکنی کے حق سے محروم کر دیا تھا، لیکن چونکہ یہ خبر احاد تھی جس کے ذریعہ سے قرآن مجید کے احکام منصوصہ کو منسوخ نہین کیا جاسکتا تھا، حضرت عمرؓ نے صاف فرمادیا

ماکنا لندع کتاب ربنا وسنۃ نبینا صلعم لقول امراۃ لا ندری حفظت ام لا،

ہم خدا کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے کہنے سے نہین چھوڑ سکتے خدا جانے اس نے اصل واقعہ کو یاد بھی رکھا یا نہین

حضرت عائشہؓ بھی حضرت عمرؓ کے ہمزبان تھین، انکا خیال تھا کہ آپ نے حضرت فاطمہؓ بنت قیس کو اس بنا پر گھر سے منتقل کر دیا تھا کہ ان کا گھر سنسان اور آبادی سے دور تھا، یہ ایک خاص حالت تھی، جس پر خاص ضرورت نے مجبور کیا تھا، کوئی عام حکم نہ تھا،

درایت | حدیثون کے متعلق روایت کی حیثیت سے بحث صرف راوی کے عوارض وخصوصیات کی بنا پر ہوتی ہے، لیکن درایت کی رو سے جب کسی حدیث کی تنقید کیجاتی ہے تو راوی بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور خارجی عوارض و اسباب کو پیش نظر رکھا جاتا ہے، صحابۂ کرام کے دور مین اگرچہ درایت کے تمام اصول و قواعد مرتب نہین ہوئے تھے، تاہم اس کی ابتدا ہو چکی تھی، اور انھون نے راوی سے قطع نظر کرکے اور حیثیتون سے بھی روایات پر نظر ڈالی تھی، ایک بار حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کی کہ جو چیز آگ سے پکا دی جائے اس کے استعمال سے وضو واجب ہو جاتا ہے[۱] اس پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اعتراض کیا کہ اس بنا پر تو ہم کو روغن اور گرم پانی کے استعمال سے بھی وضو کرنا پڑیگا،

حدیث شریف مین آیا ہے کہ جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جب کوئی مسلمان

---

[۱] ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی نفقۃ المبتوتۃ [۲] ترمذی کتاب الطہارۃ باب الوضوء مما غیرت النار۔

اس کو حالت نماز میں پالینا ہے تو اس وقت خدا سے جو کچھ مانگتا ہے خدا اس کو دیدیتا ہے "صحابہ کرام کو اس کی جستجو ہوئی اور حضرت عبد اللہ بن سلامؓ نے اس کو معلوم کر لیا کہ وہ جمعہ کے دن کی سب سے آخری ساعت ہے، انھون نے حضرت ابو ہریرہؓ سے بیان کیا تو بولے کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ آپ نے تو فرمایا ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس کو حالتِ نماز مین پالے، حالانکہ دن کی آخری ساعت مین کوئی نماز نہین پڑھی جاتی "[1]

اس باب مین حضرت عائشہؓ خاص طور پر ممتاز ہین، انھون نے درایت کے رو سے جن احادیث پر اعتراضات کیے ہین ان سے درایت کے بعض اصول بھی قایم ہوتے ہین، مثلاً ان کے سامنے جب یہ روایت کی گئی کہ مردے پر اس کے اہل وعیال کے رونے سے عذاب ہوتا ہے تو انھون نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ خود قرآن مجید مین ہے،

لا تزر وازرۃ وزر اخری ایک کے گناہ کا بوجھ دوسرا نہین اوٹھا سکتا،

اس سے یہ اصول قایم ہوا کہ کوئی روایت نصوص قرآنی کے مخالف نہین قبول کی جاسکتی، چنانچہ اس اصول کی رو سے انھون نے متعدد روایتون پر اعتراضات کیے، مثلاً صحابہ کرام کے دور مین یہ خیال پھیل گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج مین خدا کو دیکھا تھا، لیکن حضرت عائشہؓ کے سامنے اس کا ذکر آیا تو بولین "جو شخص یہ روایت کرے وہ دروغ گو ہے،" اس کے بعد یہ آیت پڑھی،

لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر، خدا کو کوئی نگاہ پا نہین سکتی اور وہ نگاہون کو پالیتا ہے، وہ لطیف اور خبیر ہے،

ان کے سامنے جب یہ روایت کی گئی کہ نحوست عورت، گھوڑے اور گھر مین ہے، تو انھون نے

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب تفریع ابواب الجمعہ

اس کا انکار کیا، اور یہ آیت پڑھی،

ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا،[1]

زمین میں یا تمھارے اندر تمھیں جو مصیبتیں پہونچتی ہیں وہ پہلے سے لکھی ہوتی ہیں،

غزوۂ بدر میں جو کفار مارے گئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مدفن پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا،

ھل وجدتم ما وعد ربکم حقا، خدا نے جو تم سے وعدہ کیا تم نے اس کو پالیا،

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ یارسول اللہ آپ مردون کو پکارتے ہیں؟ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا،

ما انتم باسمع منھم ولکن لا یجیبون، تم ان سے زیادہ نہیں سنتے، لیکن وہ جواب نہیں دیسکتے،

حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ روایت کی گئی تو انھون نے کہا کہ آپ نے یہ نہیں بلکہ یہ ارشاد فرمایا تھا،

انھم لیعلمون الآن ان ما کنت اقول لھم حق ٥ وہ اس وقت یقینی طور پر جانتے ہین کہ مین ان سے جو کچھ کہتا تھا وہ سچ تھا،

اس کے بعد انھون نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی،

انک لا تسمع الموتی وما انت اے پیغمبر! تو مردون کو اپنی بات نہیں سنا سکتا اور

---

[1] یہ روایتین بترتیب عین الاصابہ فیما استدرکتہ السیدۃ عائشہ علی الصحابہ صفحہ ۲۱، ۱۹، ۱۷، ۱۰ مین موجود ہین، اخیر روایت کے علاوہ اور روایتین بخاری مین بھی ہین،

من فی القبور، | نہ ان کو جو قبرمین ہین،

مطلب یہ ہے کہ اس آیت کی رو سے کفار آپ کی آواز کو سن ہی نہین سکتے تھے[1]

عام طور پر لوگ متعہ کی حرمت مین احادیث پیش کرتے ہین، لیکن حضرت عائشہؓ سے جب ان کے ایک شاگرد نے جواز متعہ کی روایت کی نسبت پوچھا تو انھون نے اس کا جواب حدیث سے نہین دیا، بلکہ فرمایا "میرے تمھارے درمیان خدا کی کتاب ہے،" پھر یہ آیت پڑھی،

والذین لفروجھم حٰفظون الا | جو لوگ کہ اپنی شرمگاہون کی حفاظت کرتے ہین،

علی ازواجھم اوماملکت ایمانھم | بجز اپنی بی بیون یا لونڈیون کے ان پر کوئی ملامت

فانھم غیر ملومین | نہین،

اس لئے ان دو صورتون کے علاوہ کوئی اور صورت جائز نہین[2]

حضرت ابوہریرہؓ سے ایک روایت ہے کہ حرامی لڑکا تینون مین (مان باپ بچہ) بدتر ہے،

حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا یہ صحیح نہین ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک منافق تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا کرتا تھا، لوگون نے عرض کی کہ "یا رسول اللہ! اس کے علاوہ ولد الزنا بھی ہے، آپ نے فرمایا کہ وہ تینون مین بدتر ہے،" یعنی اپنے مان باپ سے زیادہ برا ہے، یہ ایک خاص واقعہ تھا عام نہ تھا، خدا خود فرماتا ہے،

ولا تزر وازرۃ وزر اخری، | کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہین اٹھاتا،

یعنی قصور تو مان کا ہے بچے کا کیا گناہ ہے[3] جس کی بنا پر وہ ان سے برا قرار دیا جائے،

احادیث مین اور بھی متعدد مثالین ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جن روایات مین کسی قسم کا اشتباہ ہو سکتا تھا، صحابۂ کرام نے ان پر تنقید کرکے اس مقدس فن کو اغلاط و اوہام سے پاک کردیا،[4]

طبقات الصحابہ | اگرچہ محدث ابوزرعہ کے قول کے مطابق صحابہ کی تعداد لاکھون سے متجاوز تھی

---

[1] بخاری غزوۂ بدر [2] اصابہ سیوطی بحوالہ حاکم [3] اصابہ سیوطی بحوالہ حاکم [4] یہ پورا ٹکڑا مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کے مضمون شائع شدہ الندوہ بابت اگست ۱۹۱۹ء سے حرف بحرف منقول ہے،

تاہم علامہ ذہبی نے طبقات الحفاظ میں جن صحابہ کا تذکرہ کیا ہے اور جن کی نسبت لکھا ہے کہ صحاح میں ان سے حدیثیں مروی ہیں ان کی تعداد صرف ایکسو پانچ ہے لیکن تفحص و تلاش سے اس پر اور صحابہ کے ناموں کا بھی اضافہ ہو سکتا ہے، چنانچہ مسند ابوداؤد طیالسی جو دوسری صدی کے اخیر میں تصنیف ہوئی ہے، اس میں تقریباً ڈھائی سو صحابہ سے روایتیں ہیں،

علامہ ذہبی کی رائے کے مطابق ان ایک سو پانچ صحابہ میں اٹھائیس صحابہ ایسے ہیں جن کے نام سے علم حدیث کے اکثر صفحات مزین ہیں، لیکن ان اٹھائیس صحابہ میں عام محدثین کی تصریح کے مطابق، صحابہ سب سے زیادہ کثیر الروایات ہیں، اور علم حدیث میں نصف سے زیادہ صرف ان ہی کی روایتیں ہیں اور چونکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ "جس نے کم از کم چالیس حدیثیں بھی میری امت کو پہونچادیں اس کا حشر علماء کے ساتھ ہوگا، اس لئے محدثین نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ جن کی روایتیں چالیس سے کم ہونگی وہ قلیل الروایات شمار کیے جائینگے، اس بناء پر قلت و کثرتِ روایت کی حیثیت سے محدثین نے صحابہ کے چار طبقے قرار دیئے ہیں،

(۱) **پہلا طبقہ** یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں،

(۲) **دوسرا طبقہ** یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں پانچسو یا پانچسو سے زیادہ ہیں،

(۳) **تیسرا طبقہ** یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے زیادہ ہیں،

(۴) **چوتھا طبقہ** یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے کم ہیں،

لیکن چونکہ پانچسو سے چالیس تک کے رواۃ زیادہ ہیں، اس لیے ہم نے اس کے دو حصے کر دیئے ہیں، سو سے پانچسو تک ایک طبقہ اور چالیس سے سو تک دوسرا طبقہ، اس تفصیل کی رو سے ہم نے صحابہ کے پانچ طبقے قرار دیئے ہیں،

(۱) وہ صحابہ جنکی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں،

(۲) وہ صحابہ جن کی روایتیں پانچسو یا پانچسو سے زیادہ ہین مگر ہزار سے کم۔

(۳) وہ صحابہ جن کی روایتین سو یا سو سے زیادہ ہین مگر پانچسو سے کم

(۴) وہ صحابہ جن کی روایتین چالیس یا چالیس سے زیادہ ہین مگر سو سے کم

(۵) وہ صحابہ جن کی روایتین چالیس سے کم ہین،

عام محدثین اگرچہ پہلے طبقے مین صرف چھ صحابہ یعنی حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت جابر بن عبد اللہؓ، اور حضرت انس بن مالکؓ کو داخل کرتے ہین، لیکن شاہ ولی اللہ صاحب نے کثیر الروایہ صحابہ مین آٹھ بزرگون کا نام لیا ہے، چنانچہ ازالۃ الخفاء مین لکھتے ہین،

صحابہ رضوان اللہ علیہم باعتبار کثرت وقلت روایت حدیث بر چہار طبقہ اند مکثرین کہ مرویات ایشان ہزار حدیث فصاعداً یا زیادہ، ومتوسطین کہ مرویات ایشان پانصد حدیث فصاعداً باشد ہمثل ابو موسیٰ وبراء بن عازبؓ وجمعیکہ مرویات ایشان چہل حدیث باشد فصاعداً تا سہ صد وچہار صد، در حدیث شریف آمدہ است من حفظ علی امتی اربعین حدیثا حشر مع العلماء او کما قال ومقلین کہ مرویات ایشان تا چہل نمی رسد، جمہور محدثین گفتہ اند کثیر الروایت کہ مکثرین از صحابہ ہشت کس اند، ابو ہریرہؓ وعائشہؓ وعبد اللہ بن عمرؓ وعبد اللہ بن عباسؓ وعبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ وانسؓ وجابرؓ وابو سعید خدریؓ (صفحہ ۲۱۴ مقصد دوم)

لیکن شاہ صاحب کا دعویٰ محدثین کی تصریحات کے بالکل خلاف ہے، چنانچہ علامہ ابن صلاح لکھتے ہین،

عن احمد بن حنبل قال ستۃ من اصحاب النبی ﷺ اکثروا الروایۃ عنہ عمروا

امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے کہ چھ صحابہ کثیر الروایت ہین اور انھون نے طویل عمرین پائی ہین، ابو ہریرہؓ

ابوھریرۃ وابن عمر وعائشۃ وجابر بن عبد اللہ وابن عباس وانس

ابن عمرؓ، عائشہؓ، جابرؓ، ابن عباسؓ، انسؓ،

علامہ عینی حضرت عائشہؓ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں

وکانت واحد الستۃ الذین ھم اکثر الصحابۃ روایۃ[1]

حضرت عائشہؓ ان چھ صحابہ میں تھیں جو کثیر الروایت ہیں،

لیکن اصل یہ ہے کہ عام محدثین نے حضرت ابوسعید خدریؓ کا نام کثیر الروایت صحابہ کے ساتھ نہیں لیا، حالانکہ ان کی مرویات ایک ہزار سے زیادہ ہیں[2]، شاہ صاحب حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کو طبقۂ اول میں داخل کرتے ہیں حالانکہ ان کی روایتوں کی تعداد صرف سات سو ہے[3] اس لیے کثیر الروایت صحابہ جنکا نام طبقۂ اول میں لیا جاسکتا ہے سات ہیں، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ، حضرت جابر بن عبد اللہؓ حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ،

شاہ صاحب نے دوسرے طبقہ میں حضرت براء بن عازبؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا نام لیا ہے، حالانکہ ان دونوں کی حدیثیں پانچسو سے بہت کم ہیں اس لیے یہ لوگ دوسرے طبقہ میں نہیں بلکہ تیسرے طبقہ میں داخل ہیں،

مرویات صحابہ کی تعداد

بہرحال قلت وکثرت روایت کی بنا پر صحابہ کے پانچ طبقے ہیں جن کے نام اور تعداد روایات کی تفصیل حسب ذیل ہے،

طبقہ اول یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں، اس طبقہ میں سات بزرگ ہیں،

[1] عمدۃ القاری جلد اول ص ۵۰ [2] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۱۳۵ [3] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص

نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ	نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ
۱	حضرت ابوہریرہؓ	۵۳۷۴	۵	حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ	۱۵۴۰
۲	حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۲۶۶۰	۶	حضرت انس بن مالک انصاریؓ	۱۲۸۶
۳	حضرت عائشہؓ صدیقہ،	۲۲۱۰	۷	حضرت ابوسعید خدریؓ	۱۱۷۰
۴	حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۱۶۳۰			

طبقہ دوم یعنی وہ صحابہ جن کی روایتین پانچسو یا پانچسو سے زائد ہین، اس طبقہ مین صرف چار صحابہ ہین،

نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ	نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ
۱	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	۸۴۸	۳	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	۵۸۶
۲	حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ	۷۰۰	۴	حضرت عمر بن الخطابؓ	۵۳۹

طبقہ سوم یعنی وہ صحابہ جن کی روایتین سو یا سو سے زیادہ ہین مگر پانچسو سے کم ہین اس طبقہ مین چھبیس صحابہ ہین،

نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ	نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ
۱	ام المومنین حضرت ام سلمہؓ	۳۷۸	۷	حضرت عبادہ بن صامتؓ	۱۸۱
۲	حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ	۳۶۰	۸	حضرت ابوالدرداءؓ	۱۷۹
۳	حضرت براء بن عازبؓ	۳۰۵	۹	حضرت ابوقتادہ انصاریؓ	۱۷۰
۴	حضرت ابوذر غفاریؓ	۲۸۱	۱۰	حضرت ابی بن کعبؓ	۱۶۴
۵	حضرت سعد بن ابی وقاصؓ	۲۱۵	۱۱	حضرت بریدہ بن حصیب اسلمیؓ	۱۶۴
۶	حضرت سہل بن سعد انصاریؓ	۱۸۸	۱۲	حضرت معاذ بن جبلؓ	۱۵۷

نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ	نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ
۱۳	حضرت ابو ایوب انصاریؓ	۱۵۰	۲۰	حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ	۱۳۰
۱۴	حضرت عثمان بن عفانؓ	۱۴۶	۲۱	حضرت ثوبانؓ مولی النبیؐ	۱۲۷
۱۵	حضرت جابر بن سمرۃؓ	۱۴۶	۲۲	حضرت اسامہ بن زیدؓ	۱۲۸
۱۶	حضرت ابوبکر صدیقؓ	۱۴۲	۲۳	حضرت نعمان بن بشیرؓ	۱۲۴
۱۷	حضرت مغیرہ بن شعبہؓ	۱۳۶	۲۴	حضرت سمرہ بن جندب فزاریؓ	۱۲۳
۱۸	حضرت ابوبکرہؓ	۱۳۰	۲۵	حضرت ابومسعود عقبہ بن عمرؓ	۱۰۲
۱۹	حضرت عمران بن حصینؓ	۱۳۰	۲۶	حضرت جریر بن عبداللہ البجلیؓ	۱۰۰

طبقہ چہارم یعنی وہ صحابہ جن کی تعداد روایت چالیس سے سو تک ہے، اس طبقہ میں ۳۳ صحابہ ہیں،

نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ	نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ
۱	حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ	۹۵	۹	حضرت ابورافع قبطیؓ	۶۸
۲	حضرت زید بن ثابتؓ	۹۲	۱۰	حضرت عوفؓ بن مالک اشجعی	۶۷
۳	حضرت ابوطلحہ زید بن سہلؓ	۹۲	۱۱	حضرت عدیؓ بن ابی حاتم الطائی	۶۶
۴	حضرت زید بن ارقمؓ	۹۰	۱۲	حضرت عبدالرحمن بن ابی اوفیؓ	۶۵
۵	حضرت زید بن خالد الجہنیؓ	۸۱	۱۳	ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ	۶۵
۶	حضرت کعب بن مالک اسلمیؓ	۸۰	۱۴	حضرت عمار بن یاسرؓ	۶۲
۷	حضرت رافع بن خدیجؓ	۷۸	۱۵	حضرت سلمان فارسیؓ	۶۴
۸	حضرت سلمہ بن اکوعؓ	۷۷	۱۶	ام المومنین حضرت حفصہؓ	۶۰

نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ	نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ
۱۷	حضرت جبیر بن مطعم قرشیؓ	۶۰	۲۶	حضرت ام ہانیؓ	۴۶
۱۸	حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ	۵۸	۲۷	حضرت ابوجحیفہ بن وہب سوائیؓ	۴۵
۱۹	حضرت واثلہ بن اسقع کنانیؓ	۵۶	۲۸	حضرت بلال بن رباح تمیمیؓ	۴۴
۲۰	حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ	۵۵	۲۹	حضرت عبداللہ بن مغفلؓ	۴۳
۲۱	حضرت فضالہ بن عبید انصاریؓ	۵۰	۳۰	حضرت مقداد بن اسود کوفیؓ	۴۲
۲۲	حضرت عمر بن عنبسہؓ	۴۸	۳۱	حضرت ام عطیہ انصاریہؓ	۴۱
۲۳	حضرت کعب بن عمرو انصاریؓ	۴۷	۳۲	حضرت حکیم بن حزام اسدیؓ	۴۰
۲۴	حضرت فضلہ بن عبید اسلمیؓ	۴۶	۳۳	حضرت سہل بن حنیف انصاریؓ	۴۰
۲۵	ام المومنین حضرت میمونہؓ	۴۶			

طبقہ پنجم یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے کم ہیں، اس طبقہ میں پچپن صحابہ ہیں

نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ	نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ
۱	حضرت زبیر بن عوامؓ	۳۸	۸	حضرت فضل بن عباسؓ	۲۵
۲	حضرت فاطمہ بنت قیسؓ	۳۴	۹	حضرت عامر بن ربیعہؓ	۲۲
۳	حضرت خباب بن الارتؓ	۳۲	۱۰	حضرت ربیع بنت معوذؓ	۲۱
۴	حضرت عیاض بن حماد تمیمیؓ	۳۰	۱۱	حضرت اسید بن حضیر اشہلیؓ	۱۸
۵	حضرت مالک بن ربیعہ ساعدیؓ	۲۸	۱۲	حضرت خالد بن ولیدؓ	۱۸
۶	حضرت عبداللہ بن سلامؓ	۲۵	۱۳	حضرت عمر بن حریثؓ	۱۸
۷	حضرت ام قیس بنت محصنؓ	۲۴	۱۴	حضرت خولہ بنت حکیمؓ	۱۵

نمبر	نام	تعداد احادیث مروی	نمبر	نام	تعداد احادیث مروی
۱۵	حضرت ثابت بن ضحاک رض	۱۴	۲۸	حضرت سائب بن خلاد رض	۵
۱۶	حضرت معاویہ بن حکیم سلمی رض	۱۳	۲۹	حضرت خفاف غفاری رض	۵
۱۷	حضرت عروہ بن ابی جعد الاسدی رض	۱۳	۳۰	حضرت ذو مخبر حبشی رض	۵
۱۸	حضرت بسرہ بنت صفوان رض	۱۱	۳۱	حضرت مالک بن ہبیرہ کندی رض	۴
۱۹	حضرت عروہ بن مضرس رض	۱۰	۳۲	حضرت زید بن حارثہ رض	۴
۲۰	حضرت مجمع بن یزید رض	۱۰	۳۳	حضرت ثابت بن ودیعہ رض	۲
۲۱	حضرت سلمہ بن قیس رض	۷	۳۴	حضرت کعب بن عیاض اشعری رض	۲
۲۲	حضرت قتادہ بن لقمان رض	۷	۳۵	حضرت کلثوم بن حصین غفاری رض	۲
۲۳	حضرت قبیصہ بن مخارق عامری رض	۶	۳۶	حضرت دحیہ کلبی رض	۲
۲۴	حضرت عاصم بن عدی قضاعی رض	۶	۳۷	حضرت جدامہ بنت وہب رض	۲
۲۵	حضرت سلمہ بن نعیم اشجعی رض	۵	۳۸	حضرت مالک بن یسار رض	۱
۲۶	حضرت مالک بن صعصعہ رض	۵	۳۹	حضرت عبد اللہ بن زمعہ رض	۱
۲۷	حضرت محجن بن ادرع رض	۵	۴۰	حضرت کلثوم بن علقمہ رض	۱

ان کے علاوہ جو صحابہ باقی رہ گئے ہیں چونکہ وہ صغار صحابہ ہیں اور ان کی روایت کتب حدیث میں اس قدر کم ہے کہ وہ شمار میں نہیں آئی ہے، اس لئے ہم نے ان کا ذکر نہیں کیا، مختلف طبقات میں ہم نے جن صحابہ کا نام لیا ہے ان کی مجموعی تعداد ایک سو پچیس ہے اور مسلمانوں کے پاس احادیث کا جو سرمایہ باقی ہے وہ انہی بزرگوں کا فیض ہے،

علم فقہ

علم فقہ کی تدوین و ترتیب میں صحابۂ کرام کے مساعی جمیلہ کا جو حصہ شامل ہے اس کی تاریخ حسب ذیل عنوانات میں بیان کی جاسکتی ہے۔

(۱) صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکر علم فقہ کی تعلیم حاصل کی؟

(۲) فقہائے صحابہ کے کس قدر طبقات قایم ہوئے؟

(۳) انھوں نے تابعین کو کیونکر فقہ کی تعلیم دی؟ اور فقہ کے مسائل کیونکر مدون کیے؟

(۴) انھوں نے اصول فقہ کے کس قدر مسائل ایجاد کیے؟

(۵) صحابۂ کرام کے اختلافی مسائل کا منشا کیا تھا؟

صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکر فقہ کی تعلیم حاصل کی

عہد نبوت میں علم فقہ بلکہ کوئی علم مدون و مرتب نہ تھا کہ صحابۂ کرام باقاعدہ اس کی تعلیم حاصل کرتے، سوال و استفسار کے ذریعہ سے بے شبہہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسایل دریافت کیے جاسکتے تھے۔ لیکن صحابۂ کرام کچھ تو فرط ادب سے، اور کچھ اس لیے کہ خود قرآن مجید نے سوالات کرنے کی ممانعت کردی تھی، آپ سے بہت کم مسائل دریافت کرتے تھے، مسند دارمی میں حضرت عبد اللہ بن عباس رض سے روایت ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف تیرہ[۱۳] مسائل دریافت کیے تھے جو کل کے کل قرآن مجید میں مذکور ہیں[۱]، اس بنا پر آپ سے علم فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کا صرف یہ طریقہ تھا کہ صحابۂ کرام

---

[۱] مسند دارمی ص ۲۹،

آپ کے تمام اعمال مثلاً وضو، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا بغور مطالعہ کرتے تھے اور قرائن و امارات سے ان کے شروط، وارکان کو مباح، واجب اور منسوخ وغیرہ قرار دیتے تھے۔[1]

صحابیات کو بے شبہہ اس طریقۂ تعلیم سے فائدہ اٹھانے کا کم موقع ملتا تھا۔ اس کے ساتھ بہت سے مخصوص نسوانی مسائل عام طور پر بیان بھی نہیں کیے جاسکتے تھے اس لیے ان کو زیادہ تر آپ سے سوال و استفسار کی ضرورت پیش آتی تھی اور اس طرح فقہ کے بہت سے مسائل واضح اور منقح ہوجاتے تھے، انصاریہ عورتیں اس باب میں خاص طور پر ممتاز تھیں، چنانچہ خود حضرت عائشہؓ کو اعتراف ہے،

نعم النساء، نساء الانصار لم یکن یمنعهن الحیاء ان یتفقهن فی الدین[2]	انصاریہ عورتیں کس قدر اچھی ہیں کہ تفقہ فی الدین سے ان کو حیا باز نہیں رکھ سکتی تھی،

جو صحابہ مدینہ سے باہر رہتے تھے ان کو بھی ہر وقت اس کا موقع نہیں مل سکتا تھا، اس لیے وہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر چند روز قیام کرتے تھے اور فقہی تعلیم حاصل کرکے واپس جاتے تھے تو خود اپنی قوم کے معلم بن جاتے تھے، چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت انہی بزرگوں کی شان میں نازل ہوئی ہے،

فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون[3]	تم میں ہر قوم سے ایک گروہ کیوں نہیں نکلتا جو تفقہ فی الدین حاصل کرے اور جب اپنی قوم میں واپس جائے تو ان کو ڈرائے شاید وہ لوگ ڈر جائیں،

چنانچہ احادیث کی کتابوں میں اس قسم کی متعدد سفارتوں کا ذکر ہے جو قبائل عرب سے آپ کی خدمت میں آئیں اور مذہبی تعلیم حاصل کرکے واپس گئیں، وفد عبدالقیس نے خدمت مبارک میں آکر عرض کیا کہ

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ ۱۱۲، [2] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب استحباب استعمال المغتسلۃ من الحیض فرصۃ من مسک فی موضع الدم [3] تفسیر ابن کثیر ص ۸۸،

ہم ایک طویل مسافت طے کر کے آئے ہیں، درمیان میں کفار مضر حائل ہیں اس لیے اشہر حرم کے سوا حاضر خدمت نہیں ہو سکتے، ہم کو وہ احکام سکھائے جائیں جن کی ہم اپنی قوم کو تعلیم دیں، آپ نے ایمان، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور خمس کا حکم دیا اور چند ظروف شراب کے استعمال کی ممانعت فرمائی اور کہا کہ اس کو یاد کر لو، اور پلٹ کر اپنی قوم کو بھی اس سے مستفید کرو۔[1]

قبیلہ بنو سعد کی طرف سے حضرت ضمام بن ثعلبہؓ آئے اور نماز، اور روزے وغیرہ کے متعلق چند سوالات کر کے کہا کہ میں اپنی قوم کی طرف سے قاصد بنکر آیا ہوں[2]، غرض اس طرح اکثر صحابہ فقہ کے ضروری اور عملی مسائل سے واقف ہو گئے تھے۔

طبقات فقہاء صحابہ فقہائے صحابہ کے تین طبقے ہیں

(۱) مکثرین، یعنی وہ صحابہ جن سے بکثرت مسائل منقول ہیں،

(۲) مقلین، یعنی وہ صحابہ جن سے بہت کم مسائل مروی ہیں،

(۳) متوسطین، یعنی وہ صحابہ جو ان دونوں طبقوں کے بین بین ہیں،

پہلے طبقے میں صرف سات بزرگ یعنی حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ داخل ہیں، علامہ ابن حزم کا بیان ہے کہ اگر ان بزرگوں کے فتاوے جمع کیے جائیں تو ہر ایک کے فتاوی سے ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں، چنانچہ ابو بکر محمد بن موسیٰ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے فتاوی کو بیس جلدوں میں جمع کیا ہے،

دوسرے طبقے میں بکثرت صحابہ داخل ہیں اور ان سے صرف دو ایک مسائل منقول ہیں، یہاں

---

[1] بخاری کتاب العلم باب تحریض النبی صلعم وفد عبد القیس علی ان یحفظوا الایمان والعلم [2] بخاری کتاب العلم باب القرأۃ والعرض علی المحدث۔

تک کہ ان سب کے مسائل کو ایک مختصر سے رسالے مین جمع کیا جا سکتا ہے،

متوسطین مین صرف تیرہ صحابی یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، اور حضرت معاذ بن جبلؓ شامل ہین، اور ان سب کے فتاوے کو علیحدہ علیحدہ مختصر رسالون مین جمع کیا جا سکتا ہے[1]،

صحابہ کرام نے تابعین کو کیونکر فقہ کی تعلیم دی؟

موجودہ فقہ کی بنیاد صرف چار صحابہ، یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے فتاوی نے ڈالی،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ مین باقاعدہ فقہ کی تعلیم دیتے تھے اور ان کے تلامذہ ان کے احکام و فتاوی کو لکھ لیا کرتے تھے، چنانچہ علامہ ابن قیم اعلام الموقعین مین لکھتے ہین،

لم یکن احد لہ اصحاب معروفون حررو افتیاہ و مذاھبہ فی الفقہ غیر ابن مسعود[2]	ابن مسعود کے سوا کسی صحابی کے تلامذہ نے ان کے فتاوی اور مذاہب فقہ کو نہین لکھا،

ان کے تلامذہ مین حضرت علقمہؓ نہایت نامور ہوئے، علقمہ کے انتقال کے بعد ان کے شاگرد ابراہیم نخعی مسند نشین ہوئے اور انھون نے فقہ کو اس قدر ترقی دی کہ ان کے عہد مین فقہ کا ایک مختصر سا مجموعہ تیار ہو گیا جس کے سبب سے بڑے حافظ حماد تھے، امام ابوحنیفہؒ نے انھی سے تعلیم پائی اس لیے فقہ حنفی کی بنیاد صرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فتاوی و احکام پر قایم ہوئی چنانچہ شاہ ولی اللہ

[1] اعلام الموقعین ص ۱۳ مین یہ پوری تفصیل مذکور ہے [2] اعلام الموقعین ص ۲۲،

صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں،

کان ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ الزمھم بمذھب ابراھیم واقرانہ لا یجاوزہ الا ماشاء اللہ[1]	امام ابوحنیفہ ابراہیم اور ان کے اقران کے مذہب کے سخت متبع تھے اور اس سے بہت کم ہٹتے تھے،

حضرت زید بن ثابتؓ مدینہ میں رہتے تھے اور ان کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا، اور ان کے تمام تلامذہ میں حضرت سعید بن مسیب، عطاء بن یسار، عروہ، اور قاسم وغیرہ نہایت ممتاز تھے، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بھی مدینہ ہی میں مقیم تھے اور ان کی روایتوں کے سب سے بڑے جامع حضرت نافع تھے، امام مالک نے انھی دونوں بزرگوں کے تلامذہ یعنی نافع سعید بن مسیب عروہ اور قاسم سے تعلیم حاصل کی تھی[2] اس لیے انھوں نے انھی کے مذہب پر اپنی فقہ کا سنگ بنیاد رکھا، چنانچہ شاہ صاحب لکھتے ہیں،

ولذلک تری مالکا یلازم محجتھم[3]	اس لیے مالک اہل مدینہ کی روش کو لازم پکڑتے ہیں،

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تلامذہ نے مکہ کو دارالعلوم بنایا تھا، چنانچہ جب فقہ کی تدوین و ترتیب کی ابتدا ہوئی تو سب سے پہلے انھی مقامات میں کتابیں لکھی گئیں، امام مالک اور عبدالرحمٰن بن ابی ذئب نے مدینہ میں، ابن جریج اور ابن عیینہ نے مکہ میں، امام ثوری نے کوفہ میں اور ربیع بن صبیح نے بصرہ میں کتابیں لکھیں، جن میں امام مالک کی کتابوں کو نہایت قبول عام حاصل ہوا[4]

تدوین مسائل جن مسائل کے متعلق مصرح حدیثیں موجود تھیں اور ان میں باہم کوئی تعارض نہ تھا ان کی بناپر فتوی دینا نہایت آسان کام تھا اور اس فرض کو بہت سے صحابہ انجام دیتے تھے، لیکن جن مسائل کے متعلق سرے سے حدیث ہی موجود نہیں تھی

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر ص ۱۱۶ [2] الدیباج المذہب تذکرہ امام مالک [3] حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۶

[4] حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۶،

(۱) ان کی تدوین کا پہلا طریقہ استنباط و اجتہاد تھا اور اس باب میں صرف حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ خاص طور پر ممتاز تھے، چنانچہ شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں[1]،

واما غیر ھولاء الاربعۃ فکانوا یروون دلالۃ ولکن ماکانوا یمیزون الارکان والشروط من الآداب والسنن ولم یکن لھم قول عند تعارض الاخبار وتقابل الدلیل الا قلیلا کابن عمر وعائشۃ وزید بن ثابت	ان چاروں کے سوا اور صحابہ مطلب سمجھتے تھے لیکن ارکان و شروط یعنی آداب و سنن میں امتیاز نہیں کرتے تھے اور جن روایتوں میں تعارض ہوتا تھا یا دلائل متضاد قایم ہوتے تھے ان میں بہت کم داخل دیتے تھے مثلاً ابن عمرؓ، عائشہؓ اور زید بن ثابتؓ،

(۲) دوسرا طریقہ یہ تھا کہ جو مسائل پیش آتے تھے ان کے متعلق غور و فکر کرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ وہ حل ہو جاتا تھا،

ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سامنے ایک مسئلہ پیش ہوا، جس پر وہ غور و فکر کرتے رہے، جب کتاب و سنت سے ہدایت نہیں ملی تو خود اپنی راے قایم کی، لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی فیصلہ کیا تھا تو بیحد مسرور ہوئے حضرت عمرؓ ایک ایک مسئلہ کے متعلق مختلف رائیں قائم کرتے تھے تو ان کو بطور یادداشت کے لکھ لیا کرتے تھے اور اُن میں محو و اثبات کرتے رہتے تھے، چنانچہ پھوپھی کے متعلق ایک یادداشت لکھی تھی جسکو اخیر میں مٹا دیا،

(۳) بہت سے مسائل تمام صحابہ کے مشورے سے طے کیے جاتے تھے اور انپر گویا تمام صحابہ کا اجماع ہو جاتا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے اس طریقہ کی ابتدا کی اور حضرت عمرؓ نے اس سے بکثرت کام لیا، شاہ صاحب لکھتے ہیں،

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۶

کان من سیرۃ عمر انہ کان یشاور الصحابۃ ویناظرھم حتی تنکشف الغمۃ ویاتیہ الثلج فصار غالب قضایاہ وفتاواہ متبعۃ فی مشارق الارض ومغاربہا،

حضرت عمرؓ کا یہ طریقہ تھا کہ صحابہ سے مسائل فقہیہ کے متعلق مشورہ ومناظرہ کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کے دل میں یقین واطمینان کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی، یہی وجہ ہے کہ تمام دنیا میں ان کے فتاوے کی پیروی کیگئی

صحابہ نے اصول فقہ کے کس قدر مسائل ایجاد کیے

صحابۂ کرام نے اگرچہ استنباط مسائل کے لیے اصول وقواعد منضبط نہیں کیے تھے تاہم ان کے تھوڑے کلام سے اصول فقہ کے بہت سے قواعد معلوم ہو سکتے ہیں، مثلاً فقہا نے ایک اصول یہ قایم کیا ہے العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب یعنی احکام کے استنباط میں صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ شارع کے الفاظ عام ہیں یا خاص، اس سے بحث نہیں کہ حکم عام ہے یا خاص، مثلاً قرآن مجید کی یہ آیت "اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا الخ" اگرچہ باتخصیص خطبہ کے متعلق نازل ہوئی ہے لیکن الفاظ میں خطبہ کی تخصیص نہیں ہے بلکہ عام حکم ہے کہ قرآن کو خاموشی کے ساتھ سننا چاہیے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر امام قرأت فاتحہ کرے تو مقتدی کو خاموش رہنا چاہیے، صحابۂ کرام میں حضرت ابوذر غفاریؓ اسی اصول کے قائل تھے، چنانچہ قرآن کی اس آیت

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم

جو لوگ چاندی سونا جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی بشارت دیدو

کے متعلق حضرت امیر معاویہؓ کا خیال تھا کہ یہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور سونا چاندی کے جمع کرنے پر عذاب انہی کے ساتھ مخصوص ہے، لیکن حضرت ابوذر غفاریؓ کو اصرار تھا کہ (انھا لفینا وفیھم)[1] وہ ہمارے اور ان کے دونوں کے بارے میں ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک ہمیشہ

[1] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ والذین یکنزون الذھب، اگر وہ شان نزول ہی کو عام سمجھتے ہوں گے تو یہ مثال صحیح نہ ہوگی

پیسہ کا جمع کرنا ناجائز تھا،

فقہاء کا ایک اصول مفہوم مخالف ہے، مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ حضرت نمازی لوگ جنت میں داخل ہونگے تو گو اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ بے نمازی لوگ جنت میں داخل نہ ہوں گے، لیکن خوامخواہ اس کے مخالف جو نتیجہ نکلیگا وہ بھی ہوگا صحابہ نے بعض موقعوں پر اس اصول سے کام لیا ہے ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا کہ جن لوگوں نے کسی کو خدا کا شریک بنایا وہ مرنے کے بعد دوزخ میں جائینگے، انھوں نے جب یہ روایت بیان کی تو فرمایا کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ جن لوگوں نے کسی کو خدا کا شریک نہیں بنایا وہ جنت میں داخل ہونگے،

فقہاء کا ایک اصول یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنے اصولاً تمام چیزیں مباح ہیں، البتہ جب شارع ان کو حرام کردیتا ہے تو حرام ہوجاتی ہیں، اس لیے جب تک تحریم کا کوئی سبب نہو ہر چیز کو استعمال کیا جاسکتا ہے،

ایک دفعہ حضرت عمرؓ ایک تالاب کے پاس اترے حضرت عمرو بن العاصؓ بھی ہمسفر تھے، انھوں نے لوگوں سے پوچھا کہ اس میں درندے تو پانی نہیں پیتے؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ نہ بتانا،[1] اس سے ثابت ہوا کہ جب حرمت کی کوئی ظاہری وجہ موجود نہ ہو تو اباحت اشیاء کے لحاظ سے ہر چیز سے بے تکلف فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے،

فقہاء نے ایک اصول یہ قایم کیا ہے کہ حدود شرعیہ شبہات سے زائل ہوجاتی ہیں، مثلاً بیٹا اگر باپ کی کوئی چیز چرائے تو اس شبہہ کی بنا پر کہ وہ باپ کے مال میں اپنا حق سمجھتا تھا اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا، صحابہ کرام نے بعض موقعوں پر اس اصول سے کام لیا،

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں استغاثہ کیا کہ میرے غلام نے میری بیوی کی

---

[1] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ ومن الناس من یتخذ من دون اللہ انداداً [2] موطا امام مالک،

آئینہ چرایا جس کی قیمت ساٹھ درہم تھی، فرمایا کہ "تمہارا غلام تھا اور تمہاری ہی چیز چرائی اس پر ہاتھ نہین کاٹا جاسکتا"،[1]

اصول فقہ مین سب سے اہم چیز قیاس ہے اور درحقیقت موجودہ فقہ کی تمام تر بنیاد قیاس ہی پر قایم ہے، تاہم حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک مسائل فقہ مین صرف قرآن، حدیث، اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا، لیکن حضرت عمرؓ کے عہد خلافت مین جب تمدن کی وسعت نے گوناگون مسائل پیدا کر دیے اور قرآن وحدیث کی تصریحات ان جزئیات کے لیے کافی نہوئین تو قیاس کی ضرورت پیش آئی، چنانچہ حضرت عمرؓ نے قضاۃ کے متعلق حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو جو فرمان لکھا اس مین بہ تصریح قیاس سے کام لینے کی ہدایت کی،

الفهم الفهم فیما یختلج فی صدرك	جو مسائل تم کو قرآن وحدیث مین نہ ملین اور ان کی
مما لم یبلغك فی الکتاب والسنۃ	نسبت تمھین خلجان ہو تو پہلے انپر غور کرو پھران کے
واعرف الامثال والاشباہ ثم قس	مشابہ واقعات کو جمع کرکے انپر قیاس
الامور عند ذالك	کرو،

فقہا نے قیاس کے لیے دو شرطین لگائی ہین، ایک یہ کہ حکم قرآن وحدیث مین منصوص نہو دوسرے یہ کہ مقیس ومقیس علیہ مین کوئی علت مشترک ہو، حضرت عمرؓ کے فرمان مین یہ دونون شرطین موجود ہین، پہلی شرط کے متعلق صاف تصریح ہے (مما لم یبلغك فی الکتاب والسنۃ) اور دوسری شرط ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے (واعرف الامثال والاشباہ)

صحابہ کرام کے اختلافی مسائل کا منشا کیا تھا؟ عہد نبوت کے بعد جب تمام صحابہ ممالک مفتوحہ مین پھیلے تو ان کے سامنے نہایت کثرت سے نئے نئے مسائل اور نئے نئے واقعات آئے، اس لئے ان بزرگون کو

---

[1] موطائے امام مالک،

جو کچھ حدیثین یاد نہین یا جو کچھ قرآن و حدیث سے مستنبط ہوسکتا تھا ان کے مطابق انکا جواب دیا، لیکن جن مسائل
کے متعلق ان کا خزانۂ معلومات احادیث و روایت سے خالی نہ تھا ان کے متعلق صحابۂ کرام کے درمیان اختلافات کے مختلف اسباب پیدا ہو گیے مثلاً
(۱) ایک صحابی نے کسی مسئلہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ سنا تھا، لیکن دوسرے
صحابی کو اس کے سننے کا اتفاق نہین ہوا تھا، اس لیے انھون نے اپنے اجتہاد سے کام لیا، جس کی مختلف
صورتین پیدا ہو گیئن، ایک یہ کہ یہ اجتہاد بالکل حدیث کے مطابق واقع ہوا، مثلاً ایک عورت کا شوہر
تعیین مہر کیے بغیر مر گیا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس کے متعلق استفتا کیا گیا تو انھون نے کہا کہ
اس کے متعلق مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ معلوم نہین ہے، لوگون نے بہت اصرار کیا تو
اس کو مہر مثل اور میراث دلوایا، اور عدت گذارنے کا حکم دیا، معقل بنؓ یسار نے اس جواب کے
بعد شہادت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک عورت کے متعلق اس صورت مین
یہی فتوی دیا تھا، جس سے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نہایت مسرور ہوے، دوسری صورت یہ کہ
دو صحابیون مین اختلاف ہوا، اس کے بعد ایک حدیث نکل آئی جس سے ایک صحابی کو اپنے اجتہاد
سے رجوع کرنا پڑا، مثلاً حضرت ابوہریرہؓ کے نزدیک، جو شخص رمضان مین صبح تک حالت جنابت
مین رہے اس کا روزہ صحیح نہین ہوسکتا، لیکن بعض ازواج مطہرات کے ذریعہ سے ان کو اس کے
خلاف روایت مل گئی تو انھون نے اس مذہب سے رجوع کیا، تیسری صورت یہ کہ حدیث تو ملی
لیکن انھون نے اپنی رائے سے رجوع نہین کیا، بلکہ خود حدیث کو ناقابل عمل قرار دیا،
مثلاً ایک بار حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے شہادت دی کہ ان کے شوہر نے ان کو تین طلاق
دی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اس سے ان کو نفقہ دلوایا، اور نہ اس کے مکان مین رہنے
کی اجازت دی، لیکن حضرت عمرؓ نے اس شہادت کو قبول نہین کیا اور فرمایا کہ ایک عورت کے کہنے
سے مین کتاب اللہ کو نہین چھوڑ سکتا، چوتھی صورت یہ کہ ایک صحابی کو سرے سے حدیث ہی نہین

معلوم ہوئی، مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ غسل کے وقت عورتون کو بال کھولنے کا حکم دیتے تھے، لیکن حضرت عائشہؓ کو یہ معلوم ہوا تو انھون نے فرمایا کہ ابن عمرؓ عورتون کو سر منڈوانے ہی کا حکم کیون نہین دیدیتے، مین خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہاتی تھی، اور مجھے اس سے زیادہ کچھ نہین کرنا پڑتا تھا کہ تین بار سر پر پانی ڈال لون،

(۲) یا مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کیا، صحابہ کرام نے اس کو دیکھا تو بعض نے اس کو عبادت پر اور بعض نے اباحت پر محمول کیا، مثلاً زمانہ حج مین نزول تحصیب کے متعلق حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا خیال ہے کہ وہ سنن حج مین سے ہے، اور حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نزدیک یہ محض ایک اتفاقی واقعہ تھا،

(۳) یا مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل کو مختلف صحابہ نے دیکھا اور وہم وظن کی بنا پر سب نے اس کی مختلف حیثیتین قایم کرلین مثلاً حجۃ الوداع کے متعلق صحابہ نے مختلف رائین قایم کی ہین، بعض کے نزدیک آپ متمتع تھے، بعض کے نزدیک قارن تھے، اور بعض کے نزدیک مفرد تھے، چنانچہ جس طرح یہ وہم پیدا ہوا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس کی تشریح کی ہے،

(۴) سہو ونسیان کی بنا پر بھی بعض اختلافات پیدا ہوئے، مثلاً حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب مین عمرہ کیا تھا، لیکن حضرت عائشہؓ نے اس کو سہو ونسیان کا نتیجہ قرار دیا،

(۵) بعض اختلافات روایت کے تمام جزئیات کے محفوظ نہ رکھنے سے پیدا ہوئے، مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے خود حضرت عمرؓ سے یہ روایت کی کہ "میت پر اس کے اہل وعیال کے رونے سے عذاب ہوتا ہے"، حضرت عائشہؓ نے اس روایت کو سنا تو فرمایا کہ انھون نے حدیث کو صحیح طور پر یاد نہین رکھا، واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودیہ مرگئی تھی اور اس کے اہل وعیال اس پر نوحہ کر رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا گذر ہوا تو فرمایا کہ لوگ اس پر رو رہے ہین، اور اس پر قبر مین عذاب ہو رہا ہے، لیکن حضرت عمرؓ نے غلطی سے رونے کو عذاب کی علت قرار دیا اور اس کی بنا پر ہر میت کے لیے اس حکم کو عام کر دیا، حالانکہ یہ دو الگ الگ واقعے تھے اور ان مین باہم علت و معلول کا تعلق نہ تھا،

(۶) اختلاف کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ صحابہ مین کسی حکم کی علت مین اختلاف پیدا ہوا، اس لیے اس کے نتائج بھی مختلف صورتون مین ظاہر ہوئے، مثلاً احادیث مین جنازے کے لیے کھڑے ہو جانے کا حکم آیا ہے جس کے مختلف اسباب بنائے جاتے ہین، بعض صحابہ کے نزدیک اس کی علت تعظیم ملائکہ ہے، اور اس صورت مین مسلمان اور کافر دونون کے جنازے کے لیے کھڑا ہو جانا چاہیے کیونکہ فرشتے دونون کے ساتھ ہوتے ہین، بعض کے نزدیک خوف موت اس کا سبب ہے، اور اس صورت مین بھی یہ حکم کافر اور مومن دونون کے لیے عام ہے. لیکن ایک روایت مین ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک یہودی کا جنازہ گذرا، تو آپ نے یہ پسند نہین کیا کہ وہ آپ کے سر کے اوپر سے گذر جائے اس لئے کھڑے ہو گئے، اور اس صورت مین یہ حکم صرف کافر کے لیے مخصوص ہے،

(۷) اختلاف کا ایک سبب الجمع بین المختلفین ہے، یعنی یہ کہ ایک چیز کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو متضاد حکم موجود ہین، صحابہ کرام نے ان دونون مین تطبیق دی تو باہم اختلاف پیدا ہو گیا، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے غزوۂ خیبر مین متعہ کی اجازت دی، پھر غزوۂ اوطاس مین اس کا حکم دیا، اس کے بعد اس کی ممانعت کر دی، آپ کے اس طرز عمل کے متعلق حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا خیال ہے کہ متعہ کا اصلی حکم اب تک باقی ہے، اجازت اور ممانعت دونون ضرورت کی بنا پر تھین، اور بوقت ضرورت ان دونون پر عمل کیا جا سکتا ہے، لیکن عام صحابہ کا فتوی یہ ہے کہ متعہ کی اجازت محض ضرورۃً تھی، لیکن ممانعت نے اس کو ہمیشہ کے لیے منسوخ کر دیا۔[۵]

۵ یہ پوری بحث حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۱۳ اور ۱۱۴ سے ماخوذ ہے،

علم اسرار الدین

صحابۂ کرام کا زمانہ اگرچہ عقلی ترقی کا زمانہ نہ تھا تاہم وہ اتنا جانتے تھے کہ شریعت کے احکام داوامر مصالح عقلی پر مبنی ہین، اس بنا پر ان کو جب کوئی بات خلاف عقل نظر آتی تھی تو اس کے متعلق فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کر کے اپنی تشفی کر لیتے تھے ایک بار آپ نے ارشاد فرمایا کہ "بی بی کے ساتھ مباشرت کرنا ثواب کا کام ہے"، اس پر صحابہ نے تعجب سے پوچھا کہ اس مین کون سی ثواب کی بات ہے؟ ارشاد ہوا کہ "اگر کوئی شخص کسی دوسری عورت سے ملوث ہوتا تو کیا گنہگار نہوتا؟"[1]

ایک بار آپنے فرمایا کہ "جب دو مسلمان باہم لڑتے ہین، تو قاتل و مقتول دونون جہنمی ہوتے ہین، اس پر ایک صحابی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ قاتل کا جہنمی ہونا تو ظاہر ہے لیکن مقتول کیون جہنمی ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ "وہ اپنے بھائی کے قتل کا آرزومند تھا"[2]،

قرآن مجید مین قصر نماز کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے،

لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان یفتنکم الذین کفروا،	اگر تم کفار کی فتنہ انگیزی کے خوف سے قصر نماز کرو تو کوئی ہرج کی بات نہین،

لیکن ظاہر ہے کہ یہ رخصت مشروط بہ فتنہ ہے۔ ہر سفر پر اس آیت کا انطباق نہین ہو سکتا چنانچہ عرب مین امن و امان کے قایم ہونے پر بھی یہ حکم باقی رہا تو حضرت عمرؓ کو اس پر استعجاب ہوا اور انھون نے آپ سے اسکی وجہ دریافت فرمائی، ارشاد ہوا کہ یہ خدا کا صدقہ ہے اور اس کے صدقے

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الضحیٰ [2] بخاری کتاب الایمان باب المعاصی من امر الجاہلیۃ،

کو قبول کر و یا

صحابہ کرام کے انہی استفسارات وسوالات نے درحقیقت علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی اور
اخیر زمانے مین امام غزالی، خطابی اور ابن عبد السلام وغیرہ اور سب سے اخیر مین شاہ ولی اللہ صاحب
نے اس پر ایک عظیم الشان عمارت قایم کردی، چنانچہ خود شاہ صاحب لکھتے ہین،

بعد ما مهد النبی صلعم اصوله وفروعه واقتفى اثره فقهاء الصحابة كامیری المومنین عمر وعلی وزید وابن عباس وعایشة وغیرهم. حثوا عنه وابدوا وجوها منه[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فن کے اصول وفروع مرتب کیے اور فقہاء صحابہ مثلاً امیر المومنین عمرؓ، علیؓ، زید بن ثابتؓ، ابن عباسؓ اور عایشہؓ نے اس کا اتباع کیا، اس سے بحث کی، اور اس کے وجوہ بیان کیے،

شاہ صاحب نے بالتخصیص جن صحابہ کا نام لیا ہے انھون نے احکام شرعیہ کے جو علل واسباب بیان کیے ہین وہ کتب احادیث مین بہ تفصیل مذکور ہین، مثلاً آپ صلح حدیبیہ کے بعد عمرہ ادا کرنے کے لیے تشریف لاے، تو صحابہ کرام کو طواف کی حالت مین دوڑکر اور اکڑ کر چلنے کا حکم دیا، جس کی وجہ یہ تھی کہ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مدینہ مین ایک وبائی بخار پھیلا ہوا تھا، جس مین اکثر صحابہ مبتلا تھے، طواف مین ضعف کا اثر محسوس ہوتا تھا، تو کفار شماتت کرتے تھے کہ مدینہ کے بخار نے ان کو چور کر دیا، اس بنا پر آپ نے صحابہ کو یہ حکم دیا کہ ضعف کا اثر محسوس نہونے پاے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ حکم محض ایک وقتی سبب کی بنا پر دیا گیا تھا اور جب وہ زائل ہو گیا تو اس حکم کو بھی بدل جانا چاہیے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس خیال کو یہ کہکر ظاہر کر دیا کہ اب اسلام کو قوت حاصل ہو گئی اور کفار فنا ہو گئے، تاہم چونکہ یہ عہد نبوت کی یادگار ہے، اس لیے ہم اس کو قایم رکھتے ہین[2]

[1] ابو داود کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ المسافر [2] حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر، صفحہ ۷ [3] ابو داود کتاب المناسک باب فی الرمل،

حدیث شریف مین آیا ہے کہ جب تک پھل کی حالت قابل اطمینان نہو جائے اس کو فروخت نہین کرنا چاہئے، حضرت زید بن ثابتؓ نے اس حکم کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ لوگ عہد رسالت مین پھلون کو فروخت کر ڈالتے تھے، لیکن جب فصل کا زمانہ آتا تھا اور بایع قیمت کا تقاضا کرتا تھا تو مشتری حیلے حوالے کرتا تھا کہ پھل کو فلان فلان روگ لگ گئے، اس طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین بہ کثرت مقدمات آنے لگے تو آپ نے یہ حکم دیا،[۱]

ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ غسل جمعہ واجب ہے یا نہین؟ بولے نہین، غسل جمعہ کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ابتدا مین تمام صحابہ نہایت مفلس تھے، کمبل پہنتے تھے، اپنی پیٹھ پر بوجھ لاد کر چلتے تھے، مسجد نہایت تنگ تھی، ایک دن تپتے ہوے دن مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ کے لئے تشریف لائے، لوگ پسینے مین شرابور تھے اور اس کی بو سے ہر شخص کو تکلیف محسوس ہو رہی تھی، اس لیے آپ نے حکم دیا کہ جمعہ کے دن غسل کر کے اور خوشبو لگا کر آؤ، لیکن اب خدا کے فضل سے یہ حالت بدل گئی ہے، اب لوگ بال کے کپڑے نہین پہنتے، محنت مزدوری نہین کرتے، مسجد وسیع ہو گئی ہے، اور پسینہ کی بو پھیل کر لوگون کو اذیت نہین دیتی،[۲] اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ حکم کا وجود و عدم، علت کے وجود و عدم پر مبنی ہوتا ہے اور اب چونکہ غسل جمعہ کی علت موجود نہین ہے اس لیے وہ واجب بھی نہین ہے،

لیکن ان بزرگون مین حضرت عائشہؓ نے[۳] سب سے زیادہ ان اسرار کی پردہ دری کی ہے، اور بکثرت مسائل کے علل و اسباب بیان کیے ہین، مثلاً عہد نبوت مین عورتون کی اخلاقی حالت چونکہ قابل اعتماد تھی اس لیے ان کو حضور صلاۃ اور شرکت جماعت کی اجازت تھی، لیکن جب

---

[۱] بخاری کتاب البیوع باب بیع الثمار قبل ان یبدو صلاحہا [۲] ابو داود کتاب الطہارۃ باب الرخصۃ فی ترک الغسل یوم الجمعۃ [۳] ماخوذ از سیرت عائشہؓ،

اخیر زمانے مین عورتون کے نظام اخلاق مین انحطاط پیدا ہو گیا، تو حضرت عائشہؓ نے صاف صاف کہدیا،

لو ادرک رسول اللہ صلعم ما احدث النساء لمنعھن المساجد کما منعہ نساء بنی اسرائیل[1]،

عورتون نے اپنی حالت مین جو تغیرات پیدا کرلئے ہین اگر رسول اللہ صلعم ان کو دیکھتے تو ان کو مسجد مین آنے سے روکدیتے، جیسا کہ بنو اسرائیل کی عورتین روک دی گئی تھین،

قرآن مجید کی مکی اور مدنی سورتون مین متعدد فروق و امتیازات ہین، مثلاً جو سورتین مکہ مین نازل ہوئین ان مین زیادہ تر عقاید اور وقایع اخروی کا ذکر ہے، اور مدنی سورتون مین تدریجاً اوامر و نواہی کا مطالبہ کیا گیا ہے، کیونکہ اسلام ایک جاہل قوم مین آیا، اس لیے اس کو پہلے خطیبانہ او واعظانہ طریقہ سے جنت اور دوزخ کا حال سنایا گیا، جب اس سے لوگ متاثر ہو چکے تو اسلام کے احکام، قوانین اور اوامر و نواہی نازل ہوئے، اگر زنا و شراب خواری وغیرہ سے اجتناب کا پہلے ہی دن مطالبہ کیا جاتا تو دفعۃً کون اس نامانوس آواز کو سنتا؟ اس قسم کے امتیازات و فروق کے دریافت کرنے پر یورپ کے علماے مستشرقین کو بڑا ناز ہے لیکن حضرت عائشہؓ نے پہلے ہی دن اس راز کو فاش کر دیا تھا صحیح بخاری مین ان سے مروی ہے،

انما نزل اول ما نزل منہ سورۃ من المفصل فیھا ذکر الجنۃ والنار حتی اذا ثاب الناس الی الاسلام نزل الحرام والحلال ولو نزل اول شیء لا تشربوا الخمر لقالوا لا ندع

قرآن کی سب سے پہلی سورت جو نازل ہوئی وہ مفصل کی سورت ہی، جس مین جنت دوزخ کا ذکر ہی یہان تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوے تو پھر حلال و حرام اترا اگر پہلے یہ اترتا کہ شراب مت پیو تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز شراب نہ چھوڑین گے،

[1] ابو داؤد کتاب الصلوۃ باب ما جاء فی خروج النساء الی المسجد،

الجن ابدا ولو نزل القرآن لقالوا لا ندع الزنا ابدا لقد نزل بمكة وانا جارية العب بل الساعة موعدهم والساعة ادهى وامر وما نزلت سورة البقرة والنساء الا وانا عنده (باب تاليف القرآن)

اور اگر یہ اترتا کہ زنا نہ کرو تو کہتے کہ ہم ہرگز زنا نہ چھوڑینگے، مکہ مین جب مین کھیلتی تھی تو یہ اترا کہ ان کے وعدہ کا دن قیامت ہے، اور قیامت نہایت سخت اور نہایت تلخ چیز ہے، سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء جب اتری تو مین آپکی خدمت مین تھی،

اسلام کے ظہور سے پہلے مدینہ کے قبائل باہم خانہ جنگیون مین مصروف تھے، جن مین ان کے اکثر ارباب اوعاجو اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے ہر نئی تحریک کی کامیابی مین رکاوٹ پیدا کرتے ہین قتل ہوگئے، انصار ان لڑائیون سے اس قدر چور ہوگئے تھے کہ اسلام آیا تو سب نے اس کو اپنے لیے رحمت سمجھا، چونکہ ارباب ادعا کا طبقہ مفقود ہوچکا تھا، اس لیے ان کی راہ مین کسی نے موانع نہین پیدا کیے، اس طریقہ سے خداے پاک نے ہجرت سے پہلے مدینہ مین اسلام کی ترقی کے راستے صاف کردیے تھے، یورپ کے فلسفہ تاریخ نے آج اس نکتہ کو حل کیا ہے، لیکن حضرت عائشہؓ نے ان سے پہلے ہم کو بتا دیا تھا،

کان یوم بعاث یوما قدمہ اللہ لرسولہ صلعم فقدم رسول اللہ صلعم وقد افترق ملوھم وقتلت سرواتھم وجرحوا فقدمہ اللہ لرسولہ فی دخولھم الاسلام، فی الجاہلیۃ،

جنگ بعاث وہ واقعہ تھا جس کو خدا نے اپنے رسول کے لیے پہلے ہی سے پیدا کر دیا تھا، رسول اللہ صلعم مدینہ مین آئے تو انصار کی جمعیت منتشر ہوگئی تھی اور ان کے سردار مارے جاچکے تھے، اس لیے خدا نے اپنے رسول کے لیے ان کے حلقۂ اسلام مین داخل ہونے کے لیے یہ واقعہ پہلے ہی سے مہیا کردیا تھا،

جن نمازون مین چار رکعتین ہوتی ہین، قصر کی حالت مین ان کی صرف دو رکعتین ادا کی جاتی ہین،

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چار میں سے دو سہولت کی خاطر ساقط کر دی گئی ہیں، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی یہ وجہ بتاتی ہے،

فرضت الصلوٰۃ رکعتین ثم هاجر النبی صلعم ففرضت اربعا و ترکت صلوٰۃ السفر علی الاول، (بخاری باب ہجرت)

مکہ میں دو رکعتیں نماز فرض تھیں، جب آپ نے ہجرت فرمائی تو چار فرض کی گئیں اور سفر کی نماز اپنی قدیم حالت پر چھوڑ دی گئی،

عبادت کا تو خدا نے ہر وقت حکم دیا ہے لیکن احادیث میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ نماز عصر اور نماز فجر کے بعد کوئی نماز یعنی نفل و سنت بھی جائز نہیں، اس لیے بظاہر اس ممانعت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، لیکن حضرت عائشہؓ اس کی یہ وجہ بیان فرماتی ہیں،

وھم عمر انما نھی رسول اللہ صلعم عن الصلوٰۃ ان یتحری طلوع الشمس وغروبھا، (مسند احمد ج ۶ ص ۱۲۴)

عمر کو وہم ہوا، آپ نے صرف اس طرح نماز سے منع فرمایا ہے، کہ کوئی شخص آفتاب کے طلوع یا غروب کے وقت کو تاک کر نماز نہ پڑھے،

یعنی آفتاب پرستی کا شبہہ نہو، آفتاب پرستوں کے ساتھ وقت عبادت میں تشابہ نہو،

احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھکر نفل پڑھتے تھے، اس بنا پر لوگ بغیر کسی عذر کے بیٹھکر نفل پڑھنا مستحب سمجھتے ہیں، ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ بیٹھکر نماز پڑھتے تھے؟ جواب دیا،

حین حطمہ الناس (ابوداؤد باب صلاۃ القاعد)

یہ اس وقت تھا جب لوگوں نے آپ کو توڑ دیا یعنی آپ کمزور ہوگئے،

ابوداؤد اور مسلم میں ان سے اس قسم کی اور روایتیں بھی مروی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کبر سنی اور ضعف کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔ ہجرت کے بعد جب نمازوں میں دو رکعت کے

بجائے چار رکعتین ہوگئین تو مغرب مین یہ اضافہ کیون نہین کیا گیا، حضرت عائشہ رض اس کا یہ جواب دیتی ہین

فانہا وتر النہار، (مسند ج ۶ ص ۲۴۱) مغرب مین اضافہ نہوا کیون کہ وہ دن کی وتر ہے

یعنی جس طرح رات کی نمازون مین تین رکعتین وتر کی ہین، اسی طرح دن کی نماز دن مین وتر کی یہ تین رکعتین ہین،

نماز فجر مین تو اطمینان زیادہ ہوتا ہے اس لیے اس مین رکعتین اور زیادہ ہونی چاہیئین لیکن اور نمازون سے کم ہین، حضرت عائشہ رض اس کی یہ وجہ بیان فرماتی ہین،

وصلوٰۃ الفجر لطول قراتہما، (مسند ج ۶ ص ۲۴۱) نماز فجر مین رکعات کا اضافہ اس لیے نہین ہوا کہ دونون رکعتون مین لمبی سورتین پڑھی جاتی ہین،

یعنی رکعتون کی کمی کو طول قرأت نے پورا کردیا،

اہل جاہلیت عاشورا کا روزہ رکھتے تھے، اور وہ فرضیت صوم سے پہلے اسلام مین بھی واجب رہا، حضرت عبداللہ بن عمر رض سے اسی قسم کی روایت احادیث مین مذکور ہے، لیکن وہ یہ نہین بیان کرتے کہ جاہلیت مین اس دن کیون روزہ رکھا جاتا تھا، لیکن حضرت عائشہ رض اس کا سبب یہ بیان فرماتی ہین،

کانوا یصومون یوم عاشوراء قبل ان یفرض رمضان وکان یوم تستر فیہ الکعبۃ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۴۴) اہل عرب رمضان کی فرضیت سے پہلے عاشورا کے دن کا روزہ رکھتے تھے، کیونکہ اس روز کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا۔

باوجودیکہ آپ ہمیشہ تہجد پڑھتے تھے، لیکن رمضان کے پورے مہینے مین آپ نے تراویح نہین پڑھی، حضرت عائشہ رض اس کی وجہ بیان فرماتی ہین کہ پہلے دن آپ نے مسجد مین نماز تراویح ادا فرمائی تو کچھ اور لوگ بھی شریک ہوگئے، دوسرے دن اور زیادہ مجمع ہوا، تیسرے دن اور بھی لوگ

جمع ہوے، چوتھے دن اتنا مجمع ہوا کہ مسجد مین جگہ نہ رہی، لیکن آپ باہر تشریف نہ لائے اور لوگ مایوس ہوکر چلے گئے، صبح کو آپ نے لوگون سے فرمایا،

اما بعد فانہ لم یخف علی شانکم اللیلۃ ولکنی خشیت ان تفرض علیکم صلوٰۃ اللیل فتعجزوا،

رات تمھاری حالت مجھ سے پوشیدہ نہ تھی، لیکن مجھے ڈر ہوا کہ کہین تم پر تراویح فرض نہو جائے اور تم اس کے ادا کرنے سے قاصر رہو،

حج کے بعد ارکان مثلاً طواف کرنا، بعض مقامات مین دوڑنا، کہین کھڑا ہونا، کہین کنکری پھینکنا، بظاہر فعل عبث معلوم ہوتے ہین، لیکن حضرت عائشہؓ فرماتی ہین،

انما جعل الطواف بالبیت وبالصفا والمروۃ ورمی الجمار لاقامۃ ذکر اللہ عزوجل، (مسند احمد ج ۶ ص ۶۴)

خانہ کعبہ صفا اور مروہ کا طواف، کنکریان پھینکنا تو صرف خدا کے یاد کرنے کے لیے ہے،

قرآن مجید کے اشارات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے زمانے مین یہ بھی ایک طرز عبادت تھا، چونکہ حج یادگار ابراہیم ہے، اس لیے وہی طرز عبادت قایم رکھا گیا،

مکہ معظمہ کے پاس محصب نام ایک وادی ہے، جس مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام حج مین قیام فرمایا تھا، اور آپ کے بعد خلفاء راشدین بھی اس مین قیام فرماتے رہے، اس بنا پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس کو سنن حج مین شمار کرتے تھے، لیکن حضرت عائشہؓ اس کو سنت نہین سمجھتی تھین اور آپ کے قیام کی یہ وجہ بیان فرماتی تھین

انما نزلہ رسول اللہ صلعم لانہ کان منزلا اسمح لخروجہ

آپ نے یہان صرف اسلیے قیام کیا تھا کہ یہان سے چلنے مین آسانی ہوتی تھی،

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو رافعؓ بھی اس مسئلہ مین حضرت عائشہؓ کے ہمزبان ہین،[۱]

ا؎ مسلم استحباب النزول بالمحصب، مسند ج ۶ ص ۱۰...

ایک دفعہ آپ نے حکم دیا تھا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے، بہت سے صحابہ اس حکم کو دائمی سمجھتے تھے، لیکن متعدد صحابہ کے نزدیک یہ حکم وقتی تھا، حضرت عائشہؓ بھی ان ہی لوگوں میں ہیں، اور اس وقتی حکم کا سبب یہ بتاتی ہیں،

لا ولکن لم یکن یضحی منھم الا قلیل ففعل ذلک لیطعم من ضحی من لم یضح،

یہ نہیں ہے کہ قربانی کا گوشت تین دن کے بعد حرام ہو جاتا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہو کہ اس زمانہ میں کم لوگ قربانی کر سکتے تھے، اس لیے آپ نے یہ حکم دیا کہ جو لوگ قربانی کریں وہ ان لوگوں کو کھلائیں جنھوں نے قربانی نہیں کی ہے،

(مسند ج ۶ ص ۱۰۲)

حضرت عائشہؓ کی یہی حدیث امام مسلم نے ایک خبر کی صورت میں بیان کی ہے، یعنی یہ کہ ایک سال مدینہ کے آس پاس دیہاتوں میں قحط پڑا، اس سال آپ نے یہ حکم دیا اور دوسرے سال جب قحط نہیں رہا تو اس کو منسوخ فرما دیا، حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے،[1]

کعبہ کے ایک طرف کی دیوار کے بعد کچھ جگہ چھوٹی ہوئی ہے، جس کو حطیم کہتے ہیں اور طواف میں اس کو بھی اندر داخل کر لیتے ہیں، لیکن ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جو حصہ کعبہ کے اندر داخل نہیں اس کو طواف میں کیوں شامل کرتے ہیں؟ حضرت عائشہؓ کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا اور انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ یہ دیوار بھی خانہ کعبہ میں داخل ہیں؟ ارشاد ہوا "ہاں"، عرض کی کہ "پھر بنانے وقت لوگوں نے ان کو اندر کیوں نہیں کیا؟ فرمایا تیری قوم کے پاس سامان نہ تھا، اس لیے اتنا کم کر دیا"، پھر عرض کی کہ اس کا دروازہ اتنا بلند کیوں رکھا؟ فرمایا "یہ اس لیے کیا، تاکہ جس کو چاہیں اندر جانے دیں، اور جس کو چاہیں روک دیں"

[1] مسلم کتاب الذبائح،

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ اگر عائشہؓ کی یہ روایت صحیح ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اسی لیے ادھر کے دونوں رکنوں کا بوسہ نہیں دیا"۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ خانہ کعبہ اپنی اصلی اساس پر قایم نہیں ہے تو شریعت ابراہیمی کے مجدد کی حیثیت سے آپ کا فرض تھا کہ اس کو ڈھا کر نئے سرے سے تعمیر کرتے، لیکن آپ نے حضرت عائشہؓ سے خود اس کی وجہ یہ بیان فرمادی کہ "عائشہؓ تیری قوم اگر کفر کے زمانہ سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو ڈھا کر اساس ابراہیمی پر تعمیر کراتا"،[1]

آجکل ہجرت کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ گھر بار چھوڑ کر مدینہ میں جا کر آباد ہو جانا، خواہ وہ جہاں پہلے آباد تھے کیسے ہی امن وامان کا ملک ہو، لیکن حضرت عائشہؓ نے ہجرت کی حقیقت یہ بیان کی ہے،

لا هجرة اليوم كان المؤمنون يفر احدهم بدينه الى الله والى رسوله مخافة ان يفتن عليه فاما اليوم فقد اظهر الله الاسلام واليوم يعبد ربه حيث شاء لكن جهاد ونية (بخاری باب الہجرۃ)	اب ہجرت نہیں ہے، ہجرت اسوقت تھی جب مسلمان اپنے مذہب کو لیکر خدا اور اس کے رسول کے پاس ڈر سے دوڑ آتا تھا کہ اس کو تبدیل مذہب کی بناپر ستایا نہ جائے، لیکن اب خدا نے اسلام کو غالب کر دیا، اب مسلمان جہاں چاہے اپنے خدا کو پوج سکتا ہے ہاں جہاد اور نیت کا ثواب باقی ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ میں اختلاف پیدا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ "پیغمبر جہاں مرتے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں"، لیکن اس کا اصلی سبب حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں،

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في مرضه الذي لم يقم منه لعن الله اليهود والنصارى	آپ نے مرض الموت میں فرمایا کہ خدا یہود و نصاری پر لعنت بھیجے کہ انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو

[1] مسلم باب نقض الکعبہ،

اتخذوا قبور انبیائهم مساجد ولولا ذلك ابرز قبره غیر انه خشی ان یتخذ مسجدا،

سجدہ گاہ بنالیا (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں) کہ اگر یہ نہوتا تو آپ کی قبر کھلے میدان میں ہوتی، لیکن چونکہ اس کا خوف تھا کہ وہ بھی سجدہ گاہ نہ بنجائے اس لیے آپ حجرے ہی کے اندر مدفون ہوئے،

(بخاری آخر کتاب الجنائز، ومسند احمد ج ۶ ص ۱۲۱)

لیکن بایں ہمہ صحابہ کرام یہ سمجھتے تھے کہ نظام شریعت میں حکم و مصالح کے ساتھ خود شارع بھی ایک موثر اعظم ہے، اور جب وہ خود احکام کی علت بنجاتا ہے تو دوسرے علل و اسباب بیکار ہوجاتے ہیں، مثلاً موزہ کا باطنی حصہ گرد وغبار سے آلودہ رہتا ہے اس مسح کا محل وہی ہوسکتا ہے، لیکن احادیث میں موزے کی سطح ظاہری پر مسح کرنے کا حکم آیا ہے، صحابہ کرام سمجھتے تھے کہ یہ حکم بالکل اولٹا ہے، تاہم وہ اس کے ساتھ یہ بھی جانتے تھے کہ شریعت کا دار و مدار بالکل عقلی علل و اسباب پر نہیں ہے، بلکہ اس کا سب سے بڑا عمود خود شارع کی ذات ہے، چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے،

لوکان الدین بالرای لکان اسفل الخف اولی بالمسح من اعلاہ[۱]

اگر دین کا دار و مدار بالکل عقل پر ہوتا تو موزہ کا باطنی حصہ بالائی حصہ سے زیادہ مسح کا مستحق تھا،

لیکن خود یہ بھی علم اسرار الدین کا ایک اہم اصول ہے، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں،

کما اوجبت السنۃ ھذا و انعقد علیھا الاجماع فقد اوجبت ایضا ان نزول القضاء بالایجاب والتحریم سبب عظیم فی نفسہ مع قطع النظر عن تلك المصالح لاثابۃ المطیع و عقاب العاصی،[۲]

جیسا کہ حدیث و اجماع سے ثابت ہوتا ہے کہ احکام مبنی علی المصالح ہیں اسی طرح احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان مصالح سے قطع نظر کرکے خود ایجاب و تحریم کا حکم بھی اطاعت گذار کے ثواب اور نافرمان کے عذاب کا بہت بڑا سبب ہے،

علم تصوف

صوفی اور تصوف

اسلام میں تصوف ایک نوزائیدہ لفظ ہے، اور صوفی کا لقب اہل بغداد کی ایجاد ہے، قرآن مجید نے اہل صفہ کو جن کی طرف اس گروہ کا انتساب کیا جاتا ہے فقراء کے لقب سے یاد کیا ہے

للفقراء المہاجرین الذین اخرجوا من دیارھم الخ — ان فقرائے مہاجرین کیلئے جو اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے،

للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ الخ — ان فقراء کے لیے جو خدا کی راہ میں روک رکھے گئے،

اور اہل شام بھی اس کو فقراء ہی کے نام سے پکارتے تھے۔ اگرچہ علامہ ابونصر عبداللہ بن علی السراج الطوسی اس لقب کو اہل بغداد کی ایجاد نہیں سمجھتے بلکہ ان کو اس کا پتہ نہایت قدیم زمانہ میں ملتا ہے، چنانچہ کتاب اللمع میں لکھتے ہیں۔

لیکن یہ کہنا کہ یہ ایک نوپیدا نام ہے جس کی ایجاد اہل بغداد نے کی ہے، محال ہی کیونکہ حسن بصریؓ کے زمانے میں یہ نام مشہور تھا، اور حسن بصری نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جماعت کا زمانہ پایا تھا، وہ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ میں نے طواف میں ایک صوفی کو دیکھا اور ان کو کچھ دینا چاہا لیکن انھوں نے نہیں لیا، ایک کتاب میں جس میں اخبار مکہ جمع کیے گئے ہیں محمد بن اسحاق بن یسار اور دوسرے لوگوں سے ایک روایت ہے، کہ اسلام سے پہلے

سلہ کتاب اللمع مطبوعہ یورپ ص ۲۲۔

کسی وقت مین مکہ ویرانی ہوگیا تھا، یہان تک کہ کوئی شخص خانہ کعبہ کا طواف نہین کرتا تھا اس حالت مین کسی دور دراز ملک سے صرف ایک صوفی آتا تھا اور طواف کرکے واپس چلا جاتا تھا،

پس اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبل از اسلام یہ نام مشہور تھا اور اس کی طرف اہل صلاح منسوب کیے جاتے تھے،[1]

لیکن جہان تک تاریخی روایتون سے ثابت ہے اسلام مین سب سے پہلے ابو ہاشم صوفی کو یہ خطاب ملا جنھون نے ۱۵۰ھ مین وفات پائی[2] اور اس قدر تو اکابر صوفیہ بھی تسلیم کرتے ہین کہ اس لقب کی ایجاد عہد صحابہ کے بعد ہوئی، چنانچہ امام قشیری اپنے رسالے مین لکھتے ہین،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد، صحابہ کے سوا اور کوئی لقب ایجاد نہین ہوا کیونکہ شرف صحبت سے بڑھکر کوئی شرف نہین ہو سکتا تھا، صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا لقب پیدا ہوا، اس کے بعد بزرگان دین زاہد و عابد کے لقب سے ممتاز ہوے، لیکن زہد و عبادت کا دعویٰ ہر فرقے کو یہان تک کہ اہل بدعت کو بھی تھا، اس لیے اہل سنت والجماعت مین سے جو لوگ زاہد اور اہل دل تھے وہ صوفی کہلائے، اور یہ لقب دوسری صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے رواج پا چکا تھا،[3]

خود صاحب کتاب اللمع نے بھی اس قدر تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے مین ہم

---

[1] کتاب اللمع مطبوعہ یورپ ص ۲۲ [2] کشف الظنون [3] رسالہ قشیریہ ص ۹ ذکر مشائخ طریقت [4] کتاب اللمع ص ۲۲ تصوف کے اشتقاق کے متعلق مختلف رائین ہین، بعض کا قول ہے کہ یہ اصحاب صفہ کی طرف نسبت ہے بعض کے نزدیک اس کا ماخذ صفا اور بعض کے نزدیک صف ہے، لیکن قاعدۂ اشتقاق کے رو سے یہ تمام اقوال غلط ہین، کتاب اللمع مین ہے کہ صوفی کا لفظ پہلے صفوی تھا پھر ثقالت کی وجہ سے صوفی کر لیا گیا، صوف سے بے شبہہ یہ لفظ ماخوذ ہو سکتا تھا، جس کے معنی پشمینہ کے ہین، لیکن پشمینہ پوش ہونا اس فرقہ کی کوئی خصوصیت نہین، یہ امام قشیری کی رائے ہے، لیکن علامہ ابن خلدون نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۹)

صوفیہ کا ذکر نہین سنتے، اور ان کے بعد بھی ہم کو اس لفظ کا پتہ نہین چلتا، ہم اس زمانے مین عابد زاہد، سیاح اور فقرار کے لفظ سے تو بے شبہہ آشنا ہین، لیکن کوئی صحابی صوفی کے لقب سے نہین پکارا گیا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۸) لکھا ہے کہ اگرچہ پشمینہ پوش ہونا اس فرقے کی کوئی عام خصوصیت نہین، تاہم اکثر یہ لوگ پشمینہ پوش ہی ہوتے ہین، اس لیے یہ استقاق صحیح ہو سکتا ہے، صاحب کتاب اللمع نے لکھا ہے کہ اہل حدیث، حدیث کی طرف، اور فقہار فقہ کی طرف منسوب ہین، لیکن صوفی کسی خاص وصف یا خاص علم کی طرف منسوب نہین کیا جاسکتا، کیونکہ وہ تمام علوم تمام صفات حسنہ، اور تمام اخلاق فاضلہ کا جامع ہوتا ہے، اور اس کو کسی خاص علم، خاص وصف، اور خاص مقام کے ساتھ خصوصیت حاصل نہین ہوتی جس کی طرف اس کو منسوب کیا جاسکے، اس کے ساتھ اس کے حالات مین ہر وقت تجدد و تغیر ہوتا رہتا ہے، اور وہ خدا سے ہمیشہ اضافہ کا خواستگار رہتا ہے، اس لیے اگر اس کو کسی خاص وصف کی طرف منسوب کیا جائے تو ہر وقت ایک نئے وصف کی طرف منسوب کرنا پڑیگا، اس دشواری کی بنا پر اسکو ایک ظاہری خصوصیت یعنی پشمینہ پوشی کی طرف منسوب کیا گیا جو کہ انبیار اولیار اور صلحار کا عام شعار ہے اور اس سے اجمالی طور پر صوفیہ کے تمام علوم، تمام اعمال، اور تمام اخلاق کا پتہ چل جاتا ہے، خدا نے اصحاب علیسیٰ کو بھی ظاہری لباس کی طرف منسوب کیا ہے اور ان کو حواری کہا ہے، یہ لوگ سفید کپڑے پہنتے تھے، اور خدا نے ان کو اسی طرف منسوب کر دیا، اعمال اور احوال کی طرف منسوب نہین کیا، اسی طرح صوفیہ بھی ظاہری لباس کی طرف منسوب کر دیئے گیے، (صفحہ ۲۰) ما خذ اور اشتقاق سے قطع نظر کر کے اگر اس لفظ پر تاریخی حیثیت سے نظر ڈالی جائے تو اصل مین یہ لفظ سین سے تھا، اور اس کا مادہ سوف تھا، جس کے معنی یونانی زبان مین حکمت کے ہین، دوسری صدی ہجری مین جب یونانی کتابون کا ترجمہ ہوا تو یہ لفظ عربی زبان مین آیا، اور چونکہ حضرات صوفیہ مین اشراقی حکمار کا انداز پایا جاتا تھا، اس لیے لوگون نے ان کو سوفی یعنی حکیم کہنا شروع کیا، رفتہ رفتہ سوفی سے صوفی ہوگیا، یہ تحقیق علامہ ابوریحان بیرونی نے کتاب الہند مین کی ہے، اور صاحب کشف الظنون کی عبارت سے بھی اسکا اشارہ نکلتا ہے، چنانچہ وہ تصوف کے عنوان مین لکھتے ہین،

واعلم ان الاشراقیین من الحکماء الاولین کالصوفیین فی المشرب والاصطلاح ولا یبعد ان یوخذ ھذا الاصطلاح من اصطلاحھم؛	حکمائے اشراقیہ مشرب اور اصطلاح مین صوفیہ کے مشابہ تھے، اور اگر یہ اصطلاح ان کی اصطلاح سے ماخوذ ہو تو کچھ بعید نہین،

(الغزالی)

تو مین اس کے جواب مین کہونگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کو وہ عظمت اور خصوصیت حاصل ہے کہ جس شخص کو یہ عزت حاصل ہوگئی اس کو کوئی دوسرا خطاب جو اس سے بھی معزز ہو نہین دیا جاسکتا، کیا تم کو یہ نظر نہین آتا کہ وہ زہاد، عباد، متوکلین، فقراء، اہل رضاء، اہل صبر اور اہل تواضع و اخبات کے امام ہین اور یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے حاصل کیا ہے، تو جب ان بزرگون کا انتساب صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو جو بزرگ ترین صفات سے ہے تو یہ محال ہے کہ اس بزرگ ترین صفت کے علاوہ ان کو کوئی دوسری فضیلت دی جاسکے۔

خانقاہین | اس لقب کی طرح تصوف کی دوسری یادگارین بھی دور صحابہ کے بہت بعد عالم وجود مین آئین، خود صحابہ کے زمانہ مین ان کا پتہ نہین چلتا، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہین،

زمانہ بہت آگے بڑھ گیا اور امت مین تفریق پیدا ہوگئی اور ہر قوم نے دین کا ایک شعبہ لے لیا، جس میں خود اپنی طرف سے اضافے کر لیے، سلاطین و امراء نے قلعے بنوائے، حالانکہ قلعے وغیرہ قدیم زمانے مین صرف سرحدون پر بنائے جاتے تھے تاکہ ایسا نہ ہو کہ دشمن اچانک حملہ کر دے اور ان کے پاس مدافعت کا سامان نہ ہو، اور اہل علم کے لیے مدارس اور اہل عبادت کے لیے خانقاہین تعمیر کی گئین، میرا خیال ہے کہ سلطنت سلجوقیہ مین ان چیزون کا عام رواج ہوا، اور سب سے پہلے نظام الملک کے زمانۂ وزارت مین اہل علم کے لیے مدارس اور مساکین کے لیے رباطات تعمیر کی گئین اور ان پر اوقاف کیے گئے، اگرچہ اس سے پہلے بھی مدارس اور رباطات کا پتہ چلتا ہے، لیکن میرے خیال مین ان پر کوئی عام وقف نہین کیا گیا تھا بلکہ یہ مخصوص مقامات مین سے تھے، امام معمر بن زیاد نے اخبار الصوفیہ مین بیان کیا ہے کہ صوفیہ کے لیے پہلی خانقاہ بصرہ مین تعمیر کی گئی۔[۱]

[۱] فتاویٰ ابن تیمیہ [illegible]

اجزاے تصوف کی بے اعتدالی | ان ظاہری یادگاروں کے علاوہ تصوف کے باطنی قوام میں بھی جو غیر معتدل تخلخل پیدا ہوا وہ دور صحابہ کے بعد ہوا خود صحابۂ کرام کی ذات اگرچہ تصوف کے تمام عناصر کا مجموعہ تھی، تاہم ان میں کسی عنصر کی خاصیت حد اعتدال سے آگے نہیں بڑھنے پائی تھی، علامہ ابن تیمیہ نے صوفیوں کی جو مخالفت کی ہے، وہ انہی عناصر کے غیر معتدل خواص وکیفیات کی بنا پر کی ہے، ورنہ ان کو تصوف کے حقیقی اجزا سے کوئی اختلاف نہیں، چنانچہ اپنے فتاوے کے مختلف مقامات میں اس پر تفصیلی بحثیں کی ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں؛

صحابہ رضی اللہ عنہم کبھی کبھی جمع ہوتے تھے اور کسی سے قرأت کی فرمائش کرتے تھے، اور باقی لوگ سنتے تھے، حضرت عمر کہتے تھے کہ اے ابو موسیٰ ہم کو ہمارے خدا کی یاد دلاؤ، تو وہ پڑھتے تھے وہ لوگ سنتے تھے، بعض صحابہ کہتے تھے کہ آؤ بیٹھکر کچھ دیر کے لیے ایمان لائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے ساتھ کئی بار نفل باجماعت پڑھی، اور اہل صفہ کے پاس آئے، ان میں ایک قاری پڑھ رہا تھا، آپ ان کے ساتھ بیٹھ گئے اور سنتے رہے، سماع اور ذکر شرعی کے وقت دل میں جو خوف پیدا ہوتا ہے، آنکھوں سے جو آنسو جاری ہو جاتے ہیں بدن کے جو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں؛ وہ کتاب وسنت کی تصریحات کے موافق بہترین اوصاف ہیں، لیکن سخت بے چینی؛ غشی، موت، اور چیخ پکار کی یہ حالت ہے کہ اگر کوئی شخص مجذوب ہو تو اس کو کوئی ملامت نہیں کی جا سکتی، جیسا کہ تابعین، اور ان کے بعد لوگوں میں؛ اس کا منشاء یہ تھا کہ قلب پر ایک قوت دھکا پہونچاتی تھی؛ اور خود ان کا دل اور ان کی طاقت اس حملے کو برداشت نہیں کر سکتی تھی، لیکن اس حالت میں تمکن وثبات جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا حال تھا افضل ہے، البتہ زبردستی سکون ووقار پیدا کرنا بھی برا ہے، اور اس میں کوئی بھلائی نہیں، جس سماع سے دل کی اصلاح ہو سکتی ہے وہ کتاب اللہ کا سماع ہے

لیکن بعض فرقوں نے اس سماع کو بھلا کر قصائد سننا شروع کئے، تالیاں بجانے لگے، اور الاپنا شروع کیا، جو کفار کی سیٹی بجانے سے مشابہ ہے، جس کی خدانے برائی بیان کی ہے[1]،

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں،

فنا کی تین قسمیں ہیں جن میں ایک قسم کو کامل ترین انبیار اور اولیار، دوسری قسم کو متوسط درجے کے اولیا اور صلحار، اور تیسری قسم کو منافقین، ملحدین اور مشبہین نے اختیار کیا ہے، پہلی قسم کی فنا ارادہ ماسوی اللہ میں اس طرح فنا ہو جانا ہے، کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کی محبت کسی دوسرے کی عبادت، کسی دوسرے پر توکل اور کسی دوسرے کی تلاش نہو، شیخ ابویزید کے اس قول کا کہ، میں یہ چاہتا ہوں کہ بجز اس چیز کے جس کو وہ چاہتا ہے، دوسری چیز کو نہ چاہوں، یہی مطلب ہے قرآن مجید کی اس آیت میں الا من اتی اللہ بقلب سلیم میں سلیم سے مراد یہ ہے کہ ماسوائے اللہ سے، ماسوائے عبادۃ اللہ سے، ماسوای ارادۃ اللہ سے ماسوائے محبت اللہ سے محفوظ ہو، بہرحال اگر اسی کا نام فنا ہے، تو یہ اسلام کا اول بھی ہے آخر بھی، دین کا باطن بھی ہے اور ظاہر بھی،

دوسری قسم کی فنا کا منشا یہ ہے کہ ماسوا کے شہود سے فنا ہو، اور جن سالکین کا گرویدہ دل خدا کے ذکر، خدا کی عبادت اور خدا کی محبت کی طرف کھنچ جاتا ہے، ان کو فنا کا یہ درجہ حاصل ہو جاتا ہے، اور وہ خدا کے سوا نہ کسی دوسری چیز کو دیکھتے اور نہ کوئی دوسری چیز ان کے دل میں کھٹکتی، اس آیت میں واصبح فواد ام موسیٰ فارغا، میں ان کے نزدیک فارغ سے یہ مراد ہے کہ موسیٰ کی ماں کا دل موسیٰ کی یاد کے سوا ہر چیز سے خالی تھا، یہی وہ مقام ہے جہاں ایک قوم کے پاؤں ڈگمگا گئے ہیں، اور اس نے یہ خیال قائم

[1] فتاوی ابن تیمیہ ج اول ص ۱۸۵-۱۸۶،

کرلیا ہے کہ یہ اتحاد ہے، اور عاشق معشوق کے ساتھ اس قدر متحد ہو گیا ہے کہ دونوں کے وجود میں کوئی فرق نہیں رہا، لیکن یہ غلطی ہے کیونکہ خدا کے ساتھ کوئی چیز متحد نہیں ہو سکتی، بہرحال فنا کا یہ درجہ نقصان سے خالی نہیں، اور اکابر اولیاء مثلاً حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور مہاجرین اولین اور انصار نے بھی اس درجہ کو اختیار نہیں کیا، یہ درجہ صحابہ کے بعد پیدا ہوا، اسی طرح تصوف کے وہ تمام مدارج جن میں عقل و تمیز گم ہو جائے، صحابہ کے بعد پیدا ہوئے، کیونکہ مدارج ایمانیہ میں صحابہ کرام کامل ترین، قوی ترین، اور راسخ ترین تھے، جنون، غشی، بیخودی اور وارفتگی کا ان کے پاس گذر نہیں ہو سکتا تھا، ان چیزوں کی ابتدا بصرہ کے عبادت گذار تابعین سے ہوئی کیونکہ انہی میں وہ لوگ تھے جن پر قرآن کے سننے سے غشی طاری ہو جاتی تھی، اور انہی میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو اس حالت میں مر جاتے تھے، مثلاً ابو جہیر الضریر اور زرارہ بن ابی اوفی قاضی بصرہ، شیوخ صوفیہ میں بعض لوگوں نے اسی عالم میں بعض باتیں ایسی کہدی ہیں کہ اگر وہ ہوش میں ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ انھوں نے غلطی کی ہے، مثلاً ابو یزید، ابو الحسن نوری، ابو بکر شبلی وغیرہ سے اس قسم کے اقوال مذکور ہیں، لیکن ابو سلیمان دارانی، معروف کرخی، فضیل بن عیاض بلکہ جنید وغیرہ کے ہوش و حواس بھی ہمیشہ صحیح رہتے تھے، اور وہ فنا کے اس گرداب میں نہیں پڑتے تھے بلکہ یہ لوگ وسعت علم اور صحت تمیز کی بنا پر ہر چیز کو اس کی اصلی حالت میں دیکھتے تھے، اور ان کو نظر آتا تھا کہ تمام مخلوقات حکم خداوندی سے قائم ہیں، اس کی مشیت کے ساتھ وابستہ ہیں، بلکہ اس کے سامنے سر نیاز خم کیے ہوئے ہیں، اس لیے ان کو اس سے بصیرت حاصل ہوتی تھی، اور خلوص، توحید اور عبادت کا جو جذبہ ان کے دل کے اندر تھا ان کو ان چیزوں سے اور مدد ملتی تھی قرآن مجید نے اسی حقیقت کی دعوت دی ہے، اور کامل مومنین اور اہل عرفان نے اسی کو اختیار کیا ہے، ہمارے پیغمبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے

امام اور ان سب مین کامل ترین ہین، یہی وجہ ہے کہ شب معراج مین اگرچہ آپ نے خدا کی بہت سی نشانیان دیکھین اور خدا نے آپ سے بہت کچھ سرگوشیان کین، با اینہمہ آپ کے حالات مین کسی قسم کا فرق نہین آیا، اور آپ پر اس کا کوئی اثر نہین طاری ہوا، بخلاف اس کے حضرت موسٰیؑ پر ایک ہی جھلک مین غشی طاری ہوگئی۔

تیسری قسم کی فنا کا منشا یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی دوسری چیز موجود نہین، اور خالق کا وجود بعینہ مخلوق کا وجود ہے، اس بنا پر خدا اور بندے مین کوئی فرق نہین، تو فنا کا یہ درجہ ان گمراہ لوگون نے اختیار کیا ہے جو حلول و اتحاد مین پڑ گئے ہین؎۱

اصطلاحات تصوف تصوف کی موجودہ اصطلاحات مین بھی عہد نبوت اور عہد صحابہ تک کوئی اصطلاح نہین قایم ہوئی، لیکن اگر اس ظاہری لقب، اس رسمی خانقاہ، اس بے اعتدالی اور ان ظاہری اصطلاحات سے قطع نظر کر لی جائے تو تصوف کے تمام حقیقی اجزا خود

سلسلۂ تصوف عہد نبوت اور عہد صحابہ مین پیدا ہوئے، اور تصوف کے ابتدائی سلسلہ کی ظاہری یادگارین بھی اسی زمانہ مین قایم ہوگئین، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب انتباہ فی سلاسل اولیاءاللہ مین لکھتے ہین،

اما خرقہ پس اصلش الباس آنحضرت است صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمامہ را بہ عبدالرحمٰن ابن عوفؓ در وقتیکہ امیر لشکر گردانید، اما بیعت پس وجود آن و اعتبار آن از آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مستفیض یقینی است کما لا یخفی،؎۲

تاہم اس زمانے تک تصوف کا سلسلہ ان ظاہری آداب سے قایم نہین ہوتا تھا، بلکہ صوفیانہ حلقون کی شیرازہ بندی صرف روحانی رشتون سے ہوتی تھی، چنانچہ خود شاہ صاحب اسی

؎۱ ملخص از فتاوی ابن تیمیہ ج ۲ ص ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹۔ ؎۲ کتاب مذکور ص ۲،

رسالہ مین تحریر فرماتے ہین،

پس صوفیہ صافیہ ارتباط ایشان درزمن اول بصحبت و تعلیم و تادب باآداب تہذیب

نفس بودہ است نہ بخرقہ و بیعت و درزمن سید الطائفہ جنید بغدادی رسم خرقہ ظاہر شد و بعد

ازان رسم بیعت پیدا گشت و ارتباط سلسلہ بہمہ این امور متحقق است و اختلاف صور ارتباط

ضرر نمی کند و خرقہ و بیعت را اصلے ہست از سنت سنیہ[1]

شاہ صاحب نے ازالۃ الخفار مین اس نکتے کی اور بھی زیادہ توضیح کی ہے، چنانچہ اس کا خلاصہ یہ ہے،

اس مقام پر ایک نکتہ ہے جس کو لازمی طور پر پیش نظر رکھنا چاہیے، اور وہ یہ کہ عہد صحابہ، عہد تابعین،

اور عہد تبع تابعین تک مشائخ کے ساتھ تلامذہ کا تعلق بیعت اور خرقہ پوشی کے ذریعہ سے نہ تھا،

صرف صحبت کے ذریعہ سے تھا، اور وہ لوگ ایک شیخ، یا ایک سلسلے پر اکتفا نہین کرتے تھے،

بلکہ ہر ایک شخص بہت سے مشائخ کی صحبت اختیار کرتا تھا، اور بہت سے سلسلون کے ساتھ

تعلق پیدا کرتا تھا، اس لیے ان کا سلسلہ مخصوص طور پر کسی ایک صحابی تک نہین پہنچایا جاسکتا،

بجز اس صورت کے کہ خود ان کو اعتراف ہو کہ ان پر کسی خاص صحابی کی صحبت کا اثر زیادہ پڑا ہے

یا انھون نے ان کا فیض صحبت مدتون تک اٹھایا ہے، یا وہ کسی خاص صحابی کے اصحاب مشہور

ہوگئے ہین، اور یہ ان کی ایک علامت قرار پاگیا ہے،[2]

باایں ہمہ صوفیانہ حلقون اور صوفیانہ سلسلون مین خلفائے راشدین اور خلفائے راشدین مین شیخین یعنی حضرت

ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا روحانی فیض سب سے زیادہ نمایان نظر آتا ہے، چنانچہ شاہ صاحب ازالۃ الخفار

مین لکھتے ہین،

بعد فقہ، اعظم علوم علم احسان (تصوف) است اعنی آنچہ امروز باسم علوم سلوک مسمی مشود

---

[1] کتاب مذکور ص ۲۰۳ [2] ازالۃ الخفار مقصد دوم ص ۱۸۵،

در قوت القلوب و احیاء العلوم دران مصنف شده است و اعظم توسط کبراے امت درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وسائر امت او آنست کہ بزبان حال وبزبان قال ہر دو، آن علوم را وآن مقامات واحوال رابمردمان تعلیم فرمایند وتربیت کند یاران رابہر دو زبان وازدے آن علوم درآفاق شہرت گردد، اقاصی وادانی ازان مستفید شوند، چنانکہ درین کتاب ہاشی کثیر از حضرت شیخین معلوم کردہ باشی،[1]

ایک دوسرے موقع پر خصوصیت کے ساتھ حضرت عمرؓ کی نسبت لکھتے ہین،

الفصل السابع فی بقاء سلسلۃ المحبۃ الصوفیۃ المبتدأۃ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی یومنا ھذا بواسطۃ امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ ولنذکر ھھنا سلسلۃ اہل العراق فانھم اکثر المسلمین اعتناء بسلسلۃ الصحبۃ الصوفیۃ،[2]

ساتوین فصل صوفیہ کے اس سلسلے کے قیام وبقا مین جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے شروع ہوکر آج تک بواسطہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطابؓ قایم ہے، اور ہم اس موقع پر صرف اہل عراق کا سلسلہ بیان کرتے ہین، کیونکہ وہ لوگ مسلمانون مین سب سے زیادہ صوفیہ کے سلسلے کا لحاظ کرتے ہین،

اس کے بعد شاہ صاحب نے حضرت عمرؓ کے سلسلۂ تصوف کو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے شروع کرکے حضرت جنید بغدادی تک پہونچایا ہے اور لکھا ہے،

وسلسلتہ اشہر من ان یحتاج الی بیان،

حضرت جنید بغدادی کا سلسلہ اس قدر مشہور ہے کہ اسکے بیان کرنے کی ضرورت نہین،

لیکن صوفیہ کے نزدیک تصوف کے اکثر سلسلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب ہین، چنانچہ ہم اس موقع پر تمام مشہور سلسلون کا ایک نقشہ درج کرتے ہین جس سے اس کا اندازہ ہوگا،

---

[1] ازالۃ الخفا ص ۶ [2] ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ۱۸۵،

نام سلسلہ	نام مستفید	نام منسوب الیہ	کیفیت
نقشبندیہ	حسن بصری[1]	حضرت علی کرم اللہ وجہہ وحضرت ابوبکر صدیق رضؓ	یہ سلسلہ ہندوستان اور ماوراء النہر مین بہت مشہور ہی، اور مکہ و مدینہ مین بھی اس کا رواج ہے،
قادریہ	"	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	یہ سلسلہ عرب اور ہندوستان مین بہت مشہور ہے،
چشتیہ	"	"	یہ سلسلہ ہندوستان مین بہت مشہور ومقبول ہے،
کبرویہ		"	یہ سلسلہ توران اور کشمیر مین مشہور ہے،
شاذلیہ		"	یہ سلسلہ مغرب، مصر، اور سوڈان، اور یمن مین شہرت رکھتا ہے،
شطاریہ[1]		"	یہ سلسلہ ہندوستان مین مشہور ہے،

یہ تمام سلسلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے شروع ہو کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے واسطے سے حضرت حسن بصری تک منتہی ہوتے ہین اور باتفاق اہل تصوف حضرت حسن بصری رضؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے استفادہ کیا ہے، لیکن اہل حدیث کے نزدیک یہ استفادہ ثابت نہین ہے، چنانچہ شاہ صاحب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ مین لکھتے ہین،

والحسن البصری ینسب الی سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عند اہل السلوک قاطبۃ وان کان اہل الحدیث لا یثبتون ذالک وقد انتصر الشیخ احمد القشاشی لاہل السلوک بکلام واف شاف فی الکتاب العقد الفرید فی سلاسل اہل التوحید،

اور حسن بصری تمام اہل تصوف کے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب ہین، لیکن اہل حدیث کے نزدیک یہ ثابت نہین ہے، اور شیخ احمد قشاشی نے ایک تشفی بخش بحث کے ذریعہ سے اپنی کتاب العقد الفرید فی سلاسل اہل التوحید مین اہل تصوف کی تائید کی ہے،

[1] یہ نقشہ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ سے مرتب کیا گیا ہے ۲ ایضاً ص ۱۳

اہل تصوف نے رسم خرقہ پوشی کی ابتدا بھی حضرت علی کرم اللہ وجہ کی ذات سے کی ہے، لیکن علامہ ابن خلدون کے نزدیک تصوف پر شیعیت کا جو اثر پڑا ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہ کی طرف خرقہ کا انتساب بھی اسی کا نتیجہ ہے ورنہ اس کی کوئی اصلیت نہیں، چنانچہ مقدمۂ تاریخ مین لکھتے ہین:

حتی انھم لما اسندوا لباس خرقۃ التصوف لیجعلوہ اصلا لطریقتہم وتخلیتہم رفعوہ الی علی رضی اللہ عنہ وھو من ھذا المعنی ایضاً والا فعلی رضی اللہ عنہ لم یختص من بین الصحابۃ بتخلیۃ ولا طریقۃ فی لباس ولا حال بل کان ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ازھد الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واکثرھم عبادۃ ولم یختص احد منھم فی الدین بشیء یؤثر عنہ فی الخصوص بل کان الصحابۃ کلھم اسوۃ فی الدین والزھد والمجاھدۃ۔

یہان تک کہ جب ان لوگون نے خرقہ پوشی کو اپنے لیے اصل بنانا چاہا تو اس کی سند کو حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہونچایا، لیکن اس کا فلسفہ بھی یہی ہے (یعنی تصوف پر شیعیت کا اثر) ورنہ صحابہ مین تخلیہ، یا لباس مین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کوئی خاص طریقہ نہ تھا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سب سے زیادہ پرہیزگار، اور سب سے زیادہ عبادت گذار تھے، لیکن دینی معاملات مین ان کا کوئی قابل روایت مخصوص شیوہ نہ تھا، بلکہ تمام صحابہ دین زہد، اور مجاہدہ مین نمونہ تھے،

شاہ صاحب کی عبارت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ انتباہ مین لکھتے ہین،

شیخ مجدالدین بغدادی درکتاب تحفۃ البررہ آوردہ است کہ نسبت خرقہا متصل است بہ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم بہ حدیث درست متصل مستفیض درمودہ است کہ مصطفےٰ صلی اللہ

لہ مقدمہ ابن خلدون ص ۵۱۸،

علیہ وآلہ وسلم خرقہ پوشانید امیرالمومنین علی را کرم اللہ وجہہ وتمام ابن سلسلہ را ذکر کردہ است والمحققون من اہل الحدیث ینکرون ہذا الاتصال من النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،[1]

تصوف صحابہ۔ اس تاریخی تمہید کے بعد اب سوال یہ ہے کہ صحابۂ کرام کا تصوف کن اجزا پر مشتمل تھا؟ اور اس کو متاخرین کے تصوف پر کیا امتیاز حاصل تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ تصوف عقائد و اعمال کے مجموعہ کا نام ہے، لیکن صحابۂ کرام کے زمانہ تک کوئی خاص صوفیانہ عقیدہ نہیں قایم ہوا تھا، غالبًا صوفیانہ عقائد کی تولید فلسفہ وحکمت کے رواج اور دوسری قوموں اور فرقوں کے اختلاط اور میل جول سے ہوئی، مثلاً اہل تصوف کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ انسان عالم اصغر ہے، لیکن یہ عقیدہ جسطرح فلسفہ کی آمیزش اور اثر سے پیدا ہوا، جس طرح اس پر نہ بنہ گمراہی اور ضلالت کے روے چڑھتے گئے اور اس جو انجام ہوا اس کی نسبت علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں،

وقد اخذوا من الفلاسفة قولهم الانسان هو العالم الصغير وهذا قريب وضموا اليه ان الله هو العالم الكبير بناءً على اصلهم الكفري في وحدة الوجود، وان الله عين وجود المخلوقات فالانسان من بين المظاهر هو الخليفة الجامع للاسماء والصفات ويتفرع على هذا ما يصيرون اليه من دعوى الربوبية والالوهية المخرجة لهم الى الفرعونية والقرمطية والباطنية،[2]

صوفیہ نے فلاسفہ سے یہ مسئلہ اخذ کیا کہ انسان عالم اصغر ہے اور یہ کوئی بڑی بات نہ تھی، لیکن ان لوگوں نے اس کے ساتھ اپنی کافرانہ اصل یعنی وحدت الوجود کی بنا پر اس عقیدہ کو بھی ملالیا کہ خدا عالم اکبر ہے اور انسان تمام مظاہر عالم میں سے خدا کے اسماء وصفات کا جامع ہے، اور یہ لوگ ربوبیت اور الوہیت کا جو اُن کو فرعونیت، قرمطیت اور باطنیت تک پہونچا دیتی ہے، اسی عقیدہ کی بنا پر دعوی کرتے ہیں،

[1] انتباہ ص ۱۳۔ [2] فتاوی ابن تیمیہ ج ۲ ص ۱۶۱

لیکن صوفیہ کو عقیدہ وحدت الوجود کی تعلیم خود فرقہ باطینہ نے دی، چنانچہ علامہ ابن خلدون مقدمہ تاریخ مین لکھتے ہین،

ثم ان هؤلاء المتاخرين من المتصوفة المتكلمين في الكشف وفيما وراء الحس توغلوا في ذلك فذهب الكثير منهم الى الحلول والوحدة كما اشرنا اليه وملؤا الصحف منه مثل الهروي في كتاب المقامات له وغيره وتبعهم ابن العربي وابن سبعين وتلميذهما ابن العفيف وابن الفارض والنجم الاسرائيلي في قصائدهم وكان سلفهم مخالطين الاسماعيلية المتاخرين من الرافضة الدائنين ايضاً بالحلول والوهية الائمة مذهباً لم يعرف لاولهم فاشرب كل واحد من الفريقين مذهب الآخر واختلط كلامهم وتشابهت عقائدهم[1]

پھر ان متاخرین صوفیہ نے جو کشف اور عالم تجرید کے متعلق بحث کرتے تھے، اس مین غلو و مبالغہ کیا اس لیے بہت سے لوگون نے حلول اور وحدت الوجود کا عقیدہ قایم کرلیا، اور اپنی کتابون کو اس سے بھردیا، مثلاً ہروی نے کتاب المقامات وغیرہ مین ابن عربی، ابن سبعین، اور ان دونون کے تلامذہ ابن عفیف ابن ابن فارض اور نجم اسرائیلی نے اپنے قصائد مین انہی کی تقلید کی، ان لوگون کے آباد اجداد متاخرین اسماعیلیہ رافضیون سے میل جول رکھتے تھے جنھون نے حلول اور ائمہ کی خدائی کا عقیدہ قائم کرلیا تھا، حالانکہ ان کے اسلاف سے یہ عقیدہ منقول نہین، اس لیے ہر دو فریق نے ایک دوسرے کا مذہب قبول کرلیا، ان کا کلام گڈمڈ ہوگیا اور ان کے عقائد ایک دوسرے کے مشابہ ہو گیے،

لیکن صحابہ کرام ان گمراہ کن اثرات سے بالکل محفوظ تھے، ان کے سامنے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک تھی، جو روحانیت اور اخلاق کا سرچشمہ تھی، صحابہ نے اسی چشمۂ ہدایت سے اقتباس نور کیا تھا،

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۵۱۸،

اس لیے ان کے اجزائے تصوف ہیں، روحانیت، اخلاق، عمل، عبادت، زہد، توکل، صبر اور استقامت وغیرہ

کے سوا کوئی فلسفیانہ عقیدہ شامل نہیں تھا، چنانچہ صوفیۂ کرام نے اپنی تصنیفات میں صحابہ کرام کی ان

روحانی اور اخلاقی خصوصیات کو نہایت اہمیت کے ساتھ نمایاں کیا ہے، اور ہم ایک خاص ترتیب کے

ساتھ ان کو اس موقع پر درج کرتے ہیں[1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تصوف میں حضرات صوفیہ کی سب سے بڑی سند حضرت ابوبکر صدیق ہیں چنانچہ

شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں،

صاحب کشف المحجوب در مدح صدیق اکبر کلمۂ دارد ان الصفا صفۃ الصدیق ان اردت

صوفیا علی التحقیق از آنچہ صفا را اصلے ہست و فرعے اصلش انقطاع دل است از اغیار و فرعش

خلو دل است از دنیائے غدار و این ہر دو صفت صدیق اکبر است، پس امام اہل این طریقہ اوست

انتہی کلامہ،

[1] اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ سادہ تصوف کے تمام عنوانات امام ابوالقاسم قشیری نے اپنے مشہور رسالے میں قائم کر دیئے ہیں لیکن ان عنوانات کے تحت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ، تابعین اور مشائخ کے جو واقعات درج کیے ہیں، ان میں بعض جگہ رواۃ کے سلسلہ وسند کا ذکر کیا ہے، بعض جگہ ان کو مرسل چھوڑ دیا ہے، اور زیادہ تر وہ ان واقعات کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ "کہا گیا ہے" جس واقعے کی سند بیان کرتے ہیں وہ بھی کبھی صحیح، کبھی ضعیف اور کبھی موضوع ہوتی ہے، غرض تصوف ورقاق کی کتابوں میں جو آثار منقول ہوتے ہیں ان میں صحیح، ضعیف، اور موضوع ہر قسم کے آثار ہوتے ہیں، (فتاوی ابن تیمیہ جلد ا ص ۱۹۸، ۱۹۹) ہم نے اس عنوان میں صحابہ کے متعلق اکثر واقعات کتاب اللمع سے لیے ہیں، لیکن تصوف کی عام کتابوں کی طرح اس کا بھی یہی حال ہے، اس لیے ہم ان تمام واقعات کی صحت کے ذمہ دار نہیں ہیں، ہم نے ان کو صرف اس لیے نقل کر دیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ صوفیہ کا صحابہ کرام کے متعلق کیا خیال تھا، بایں ہمہ ان میں سے متعدد واقعات احادیث میں بھی مذکور ہیں [2] مقصد دوم ص ۲۱،

حضرت ابوبکرؓ واسطی کا قول ہے کہ امت محمدیہ مین سب سے پہلے تصوف کا راز حضرت ابوبکرؓ صدیق کی زبان نے اشارۃً فاش کیا، جس سے اہل فہم نے لطائف اخذ کیے، اور وہ راز یہ تھا کہ جب وہ اپنی تمام مملوکات سے دست بردار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑا ہے تو انھون نے پہلے خدا کا نام لیا پھر رسول کا اور حقائق تفریدیہ مین اہل توحید کے لیے یہ ایک عظیم الشان اشارہ ہے، اس کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اور بھی بہت سے اشارات ہین، جن سے اور دوسرے لطائف نکلتے ہین، جو اہل حقیقت کو معلوم ہین، چنانچہ علامہ ابونصر عبداللہ ابن علی السراج الطوسی کتاب اللمع مین لکھتے ہین،

ولابی بکر رضی اللہ عنہ معان اُخر مما تعلق بھا اھل الحقائق وارباب القلوب وان ذکرنا جمیع ذلک طال الکتاب،

حضرت ابوبکرؓ کی ذات مین اور بھی متعدد معانی جمع ہوگئے تھے جن کے ساتھ اہل حقیقت اور ارباب قلوب نے تمسک کیا ہے، لیکن اگر ہم ان سب کو بیان کرین تو کتاب مین طوالت پیدا ہو جائیگی،

مثلاً ان کے توکل کا یہ حال تھا کہ تمام مال خدا کی راہ مین دیدیا اور فرمایا کہ اہل وعیال کے لیے مین نے صرف خدا اور اس کے رسول کو چھوڑ دیا ہے، ورع وتقوی کی یہ حالت تھی کہ ایک بار اپنے غلام کے ہاتھ سے دودھ پیا اور جب یہ معلوم ہوا کہ وہ مشتبہ تھا تو حلق مین انگلی ڈال کر قے کر دی، حزم واحتیاط کی یہ کیفیت تھی کہ وہ اول شب مین وتر ادا کرتے تھے کہ مبادا سو نہ جائین، اور حضرت عمرؓ آخر شب مین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ ابوبکرؓ نے احتیاط کو پیش نظر رکھا اور عمرؓ نے قوت کو کف لسان کا اس قدر خیال تھا کہ ایک بار اپنی زبان کو پکڑ کر کھینچ رہے تھے، حضرت عمرؓ کا گذر ہوا تو منع فرمایا، انھون نے جواب دیا کہ اسی نے تو مجھکو کن کن گھاٹون اوتارا ہے، خاکسار اتنے بڑے تھے کہ ایک بار ایک امیر کی مشایعت کی تو انھون نے کہا کہ یا آپ سوار ہولین یا مین خود سواری سے

اتراؤن، بولے نہ تم کو سواری سے اوترنا چاہئے نہ مجھکو سوار ہونا چاہئے، میرے یہ قدم راہ خدا مین محسوب ہون گے زاہد اتنے بڑے تھے کہ مرض الموت مین ان کے جسم پر زعفرانی یا گیروے رنگ کا جو کرتا تھا، اس کو اتار لیا اور کہا کہ اس کو دھو ڈالو، حضرت عائشہؓ نے وجہ پوچھی تو بولے کہ مردے سے زیادہ زندہ لوگون کو نئے کپڑے کی ضرورت ہے، کبر و غرور سے اس قدر پاک تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے غرور سے زمین پر اپنا کپڑا لٹکایا خدا قیامت کے دن اس کی طرف آنکھ اٹھا کے نہین دیکھے گا، تو بولے کہ میرے کپڑے کا ایک جانب اگر احتیاط نہ کرون تو لٹکتا ہے، لیکن آپ نے فرمایا کہ غرور سے ایسا نہین کرتے یہ بخاری کی روایت ہے لیکن ابوداؤد مین یہ الفاظ ہین کہ خدا نے کہ تم سے غرور کو نکال لیا ہے، استغناء اور خودداری کا یہ حال تھا کہ اونٹنی کی مہار زمین پر گر پڑتی تھی لیکن کسی سے اٹھانے کی فرمائش نہین کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ میرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ مین کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کرون[1]، لیکن ان کے تمام روحانی اخلاق مین جو چیز سب سے زیادہ نمایان ہے، وہ انکا صبر و ثبات ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد تمام صحابہ یہانتک کہ حضرت عمرؓ تک اس قدر بدحواس ہو گئے کہ ان کو آپ کی وفات کا یقین ہی نہین آتا تھا، لیکن حضرت ابوبکرؓ صدیق اس موقع پر نہ صرف خود ثابت قدم رہے، بلکہ تمام صحابہ کو ثابت قدم رکھا، چنانچہ انھون نے آپ کے وصال کی خبر سنی تو اپنے مکان سے جو مقام سنح مین واقع تھا گھوڑے پر سوار ہو کر چلے، اور مسجد مین آئے، لیکن کسی سے بات چیت نہین کی، اس کے بعد حضرت عائشہؓ کے پاس جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لاش مبارک کا رخ کیا، اور آپ کے چہرے سے کپڑا اوٹھا کر بوسہ لیا، اور روئے، اس کے بعد لوگون کی طرف خطاب کرکے فرمایا،

[1] یہ تمام اقوال ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ۲۱ - ۲۲ - ۲۳ - مین بحوالہ مذکور ہین، اور اسوۂ صحابہ حصۂ اول مین بھی بعض واقعات گذر چکے ہین،

اما بعد من کان منکم یعبد محمد افان	اما بعد، تم مین جو لوگ محمدؐ کی پرستش کرتے تھے
محمد اقد مات ومن کان منکم یعبد الله	ان کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ محمدؐ کا وصال ہو چکا،
فان الله حی لا یموت قال الله وما محمد	اور جو لوگ خدا کو پوجتے تھے، انکا خدا زندہ ہے،
الا رسول قد خلت من قبله	مرا نہین، خدا خود کہتا ہے، محمد صرف ایک پیغمبر
الرسل	ہین، اور ان سے پہلے بہت سے پیغمبر گذر چکے ہین،

لوگون پر اس خطبے کا یہ اثر پڑا کہ سب نے اس آیت کو یاد کر لیا، اور کوئی شخص ایسا نہ رہا جو اس کی تلاوت مین مصروف نہ ہو، حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ جب مین نے حضرت ابو بکرؓ سے یہ آیت سنی تو مجھے معلوم ہوا کہ میرے پانون میرے جسم کا بوجھ نہین اٹھا سکتے، اور مین زمین کی طرف جھکا جاتا ہون،

کسی نے حضرت ابو العباس بن عطار رحمۃ اللہ سے پوچھا کہ کونوا ربانیین الخ کے کیا معنے ہین؟ انھون نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابو بکرؓ کی طرح ہو جاؤ کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو تمام مسلمانون کے دل لرز گئے لیکن حضرت ابو بکرؓ کے دل کو جنبش نہین ہوئی، اور انھون نے یہ خطبہ دیا کہ "ایہا الناس من کان یعبد محمداً الخ اور ربانی کا وصف امتیازی صرف یہ ہے کہ وہ حوادثات عالم بھی جو مشرق و مغرب مین انقلاب پیدا کر سکتے ہین، اس کے دل پر کوئی اثر نہین ڈال سکتے،

جب غزوہ بدر مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت الحاح وزاری کے ساتھ یہ دعا فرمائی،

اللھم ان تھلك هذه العصابة	خداوندا اگر مسلمانون کا یہ چھوٹا سا گروہ ہلاک
لم تعبد فی الارض،	ہو گیا تو پھر دنیا مین تیری پرستش نہو گی،

تو اس موقع پر بھی حضرت ابوبکرؓ کے صبر و ثبات کی نمائش ہوئی، اور انھوں نے فرمایا کہ آپ اس طلب و سوال کو چھوڑ دیجئے، خدا نے آپ سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا کریگا،، اس موقع پر بظاہر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس حالت میں کیون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم و استقلال مین فرق آگیا، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ ثابت قدم رہے؟ حالانکہ تمام اوصاف مین آپ حضرت ابوبکرؓ صدیق سے اکمل و افضل تھے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ صدیق سے زیادہ عالم اور حضرت ابوبکرؓ صدیق تمام صحابہ سے زیادہ قوی الایمان تھے، اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ کی ثابت قدمی ان کی قوت ایمانیہ کا نتیجہ تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اضطراب آپکے وفور علم کی بنا پر تھا، اسی وفور علم کا یہ نتیجہ تھا کہ جب تیز ہوا چلتی تھی تو آپکے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا، حالانکہ اور صحابہ پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا تھا، آپنے خود فرمایا ہے،

لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا و لبکیتم کثیرا، — جو کچھ مین جانتا ہون اگر تم جانتے تو ہنستے کم اور روتے بہت،

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مقامات تصوف کا امتیاز نہایت مشکل ہے، مثلاً یہی صبر و ثبات جس طرح تصدیق، ایمان اور یقین کامل کا نتیجہ ہے، اسی طرح یہ وصف قساوت اور سنگدلی سے بھی پیدا ہو سکتا ہے، چنانچہ شاہ صاحب ازالۃ الخفا مین لکھتے ہین،

وگاہے صورت صبر مثلاً با سختی دل مشتبہ گردد و توکل با تہور مختلط شود و علی ہذا القیاس محققین صوفیہ علامات و خواص برائے امتیاز یکے از دیگرے بیان کنند[1]

لیکن حضرت ابوبکرؓ کا صبر و ثبات سنگدلی کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ قوت یقین کا نتیجہ تھا، ورنہ وہ فطرۃً نہایت رقیق القلب تھے، چنانچہ صحیح بخاری مین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے

[1] ازالۃ الخفا مقصد دوم صفحہ ۱۴۳،

کان ابوبکر رجلا بکاء اذا قراء القرآن لا یملک عینیہ،

ابوبکر بڑے رونے والے آدمی تھے، جب قرآن پڑھتے تھے تو اپنی آنکھوں پر قابو نہیں پاتے تھے،

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے موقع پر اگرچہ ان کی قوت ایمانیہ کا ظہور غیر معمولی صبر و ثبات کی صورت مین ہوا تاہم ان کی اصلی فطرت نمایان رہی، اس لیے انھون نے پہلے آپ کے چہرہ مبارک کا بوسہ لیا اور روے، اس کے بعد صحابہ کی طرف خطاب کیا،

حضرت عمر فاروق رضی کتاب اللمع مین ہے،

ولاهل الحقائق اسوة وتعلق بعمر رضی الله عنه بمعانی خص بذلك عمر رضی الله عنه من اختياره لبس المرقعة والخشونة وترك الشهوات واجتناب الشبهات واظهار الكرامات وقلة المبالاة لائمة الخلق عند انتصاب الحق ومحق الباطل ومساواة الاقارب والاباعد فی الحقوق والتمسک بالاشد من الطاعات واجتناب ذلك مما روی عنه وبيانه يطول

اہل حقیقت کے لیے حضرت عمرؓ کی ذات ان معانی کی بناپر جوان کے ساتھ مخصوص ہین ایک نمونہ ہے، مثلاً پیوند لگے ہوئے موٹے جھوٹے کپڑے کا پہننا خواہشات نفسانی کا ترک کرنا، شبہات سے بچنا، کرامات کا ظاہر کرنا، قیام حق کے لیے ملامت خلق کی بہت کم پرواکرنا، حقوق مین قریب و بعید دونون کو برابر رکھنا، سخت عبادتون کو لازم کرنا، یہ تمام چیزین ان سے مروی ہین، لیکن ان کے بیان مین طوالت ہے،

لیکن شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا مین اس طوالت کو گوارا کرلیا ہے، اور تصوف فاروقی پر ایک مستقل رسالہ لکھدیا ہے، جس کی تمہید دو مقدمات سے کی ہے، اور پہلے مقدمہ مین تصوف کے تین اصول بتائے ہین،

(۱) ایک یہ کہ تصوف کا دارومدار تمامتر یقین پر ہے، لیکن جو یقین نقلب سے روایت لال

حاصل ہوتا ہے وہ تصوف میں معتبر نہیں بلکہ وہ یقین معتبر ہے، جو اعمال خیر مثلاً روزہ، نماز اور ذکر و تلاوت سے پیدا ہوتا ہے، اگرچہ تمام مسلمان یہ اعمال ادا کرتے ہیں لیکن یہ یقین ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے تین شرطیں ہیں (۱) اخلاص فی العمل (۲) کثرت مقدار عمل مثلاً تہجد، اشراق اور اذکار صبح و شام (۳) کیفیت عمل مثلاً حضور، خشوع ترک حدیث نفس وغیرہ، قرآن و حدیث میں علم الاحسان یعنی علم تصوف کی تفسیر انہی اصول ثلاثہ کے موافق کی گئی ہے،

(۲) یقین پیدا ہونے کے بعد یقین طبیعت، نفس اور قلب کے درمیان سے مقامات پیدا ہوتے ہیں، جن میں بہترین مقامات دس ہیں، توبہ، زہد، صبر، شکر، رجا، خوف، توکل، رضا، فقر اور محبت، ان کے علاوہ اور مقامات بھی ہیں، مثلاً تشدد و تواضع وغیرہ، اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد صحابہ کو ان مقامات کی بشارت دی ہے، مثلاً صدیقیۃ، محدثیۃ، شہیدیۃ، اور حواریت، لیکن یہ مقامات بعض اوقات مشتبہ ہو جاتے ہیں، مثلاً صبر اور سنگدلی میں اشتباہ ہو جاتا ہے، اور توکل و تہور کی حقیقت ملتبس ہو جاتی ہے، اس لئے صوفیہ نے ان کے امتیاز کے لیے ان کے خواص و علامات بتائے ہیں،

(۳) جب یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے، تو انسان جو کچھ کہتا ہے، اور جو کچھ کرتا ہے اسی یقین سے کرتا ہے، اور یہ اس کی ایک مستمر عادت ہو جاتی ہے اور تمام لوگوں کو یہ راز علانیہ معلوم ہو جاتا ہے، جس کے دو ذریعہ ہیں، کرامات، اور تربیت مریدین،

حضرت فاروق اعظم نے تصوف کے یہ تمام مدارج قولاً و فعلاً نہایت تفصیل کیساتھ بیان کیے ہیں اور مختلف حالات میں مواعظ، پند و نصیحت، اور خط و کتابت کے ذریعہ سے صحابہ اور تابعین کی صوفیانہ تربیت فرمائی ہے، اس لیے شاہ صاحب کے الفاظ میں علمی حیثیت سے،

اذا علم صوفیہ است بعلوم تصوف درامت مرحومہ

دوسرے مقدمے مین عام مشائخ اور حضرت فاروق اعظمؓ کی کرامات ومقامات مین جو عظیم الشان فرق ہے اس کی تفصیل کی ہے، مثلاً عام مشائخ کے مقامات صرف قرائن وامارات سے معلوم ہوسکتے ہین فرض کرو کہ ایک شخص پر مصیبت مین رقت طاری نہین ہوتی اس لیے یا تو ہم خود کہہ سکتے ہین کہ وہ مقام صبر تک پہونچ گیا ہے، یا وہ خود اپنے ذوق ووجدان کی بنا پر اس کی خبر دیتا ہے، لیکن یہ دونون صورتین قابلِ اطمینان نہین ہین، کیونکہ تصوف مین اکثر مقامات فاضلہ اور صفات طبیعہ مین اشتباہ ہوجاتا ہے، اور ایک وصف دوسرے وصف کی شکل مین نظر آتا ہے، اس لیے کرامات ومقامات کی شناخت ایک ظنی چیز ہے جو صرف اُس شخص سے حسن عقیدت یا راویون کے حسن ظن کی بنا پر تسلیم کی جاسکتی ہے، لیکن حضرت فاروق اعظمؓ کے مقامات تصوف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص وبشارت سے ثابت ہوے ہین، اور روایت متفقہ نے ان کو اس قدر یقینی کردیا ہے کہ ان پر اجمالاً ایمان لانا فرض ہوگیا ہے، اس کے بعد شاہ صاحب نے حضرت عمر فاروقؓ کے مقاماتِ تصوف کو ایک فلسفیانہ انداز سے بیان کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہین،

"خدا نے نفس انسانی کو دو قوتین عطا فرمائی ہین، ایک قوت عاملہ اور دوسری قوت عاقلہ، جب قوت عاملہ کی تہذیب اپنے درجۂ کمال کو پہونچ جاتی ہے، تو اسی کا نام عصمت ہوجاتا ہے، اور قوت عاقلہ کی تہذیب کے درجۂ کمال کا نام وحی ہے، عام طور پر لوگ ان دونون قوتون کے درجۂ کمال کو نہین پہونچ سکتے، البتہ ان کے نمونے اور قایم مقام موجود ہین، اور جب یہ دونون قایم مقام جمع ہوجاتے ہین تو ان سے مختلف نتائج کا ظہور ہوتا ہے، مثلاً ایسا شخص لوگون کا مرشد یا کسی پیغمبر کا خلیفہ ہوجاتا ہے، اس لحاظ سے وحی کی قایم مقام محدثیت، فراست، اور وحی کے ساتھ توافق رائے ہے، عصمت کا قایم مقام یہ ہے کہ شیطان ایسے کامل ترین شخص کے سایے سے بھی بھاگ جائے، اور ان دونون قایم مقامون کے اجتماع

ے شہیدیت کا درجہ اور پیغمبر کی نیابت کا استحقاق حاصل ہوتا ہے،

اس تفصیل کو پیش نظر رکھکر اگر حضرت عمرؓ کے فضائل و مناقب پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ان مین یہ اوصاف کس قدر پائے جاتے تھے،

حدیث شریف مین آیا ہے،

لقد کان فیما کان قبلکم من الامم محدثون فان یکن فی امتی احد فھو عمر بن الخطاب

تم سے پہلے جو لوگ گذرے ان مین محدثین تھے اگر میری امت مین کوئی محدث ہے تو وہ عمر بن خطاب ہین

ایک اور روایت مین آیا ہے،

لوکان نبی بعدی لکان عمر بن الخطاب

اگر میرے بعد کوئی پیغمبر ہوتا تو وہ عمر بن الخطاب ہوتے،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ ایک بات کہتے تھے، اور اس کی تصدیق مین قرآن نازل ہو جاتا تھا،

حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ اصحاب رسول اللہ مین جب اختلاف ہوتا تھا، تو قرآن حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق نازل ہوتا تھا،

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر و قلبہ

خدا نے حق کو عمر کی زبان اور دل پر موقوف کھدیا ہے

آپ نے فرمایا،

یا عمر مالقیک الشیطان سالکا فجا الاسلک فجا غیر فجک

اے عمر جب شیطان تم سے کسی راستے مین ملتا ہے تو اپنا راستہ بدل دیتا ہے،

حضرت عثمانؓ حضرت عثمانؓ کے صوفیانہ اخلاق مین تمکین و استقامت شرم و حیا اور دخول فی السعات سب سے زیادہ نمایان ہین، ان کی تمکین و استقامت کا یہ حال تھا کہ

جس وقت وہ شہید کیے گیے، اپنی جگہ سے مطلق جنبش نہین کی کسی دوسرے کو مدافعت کرنے کا حکم نہین دیا، اور قرآن کو اپنے پاس سے جدا نہین ہونے دیا یہانتک کہ جب شہید ہوئے تو قرآن مجید شرابور ہو گیا اور آیت فسیکفیکہم اللہ وہو السمیع العلیم" پر ان کے خون کے قطرے ٹپکے، شرم و حیا کا یہ حال تھا کہ گھر کا دروازہ بند ہوتا تھا لیکن کپڑا اتار کر نہین نہاتے تھے[۱]، حجۃ اللہ البالغہ مین شاہ صاحب نے ان کے یہ الفاظ نقل کیے ہین،

انی اغتسل فی البیت المظلم فانطوی حیاء من اللہ تعالی	مین تاریک گھر مین بھی نہاتا ہون تو خدا کی شرم سے پیچ و خم کھاتا رہتا ہون،

اور لکھا ہے کہ

وھو غیر الحیاء الذی ھو من مقامات النفس تیولد من رویتہ عزۃ اللہ تعالی وجلالہ مع ملاحظۃ عجزہ عن القیام بحقہ وتلبسہ بالادناس البشریۃ[۲]	اور یہ حیا اس حیا سے مختلف ہے جو مقامات نفس سے ہے، یہ حیا خدا کی عزت اور جلال کے دیکھنے سے اور اس کے ساتھ یہ خیال کرنے سے کہ مین اس کے حق کے ادا کرنے سے قاصر ہون، اور انسانی گندگی کے ساتھ ملوث ہون پیدا ہوئی ہے،

احادیث مین بھی ان کے جو فضائل و مناقب مذکور ہین، ان مین یہ وصف نمایان نظر آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کو صاحب الحیاء والایمان کہا جاتا ہے، دخول فی السعاۃ انبیاء اور صدیقین کا مخصوص وصف ہے جس کے معنی یہ ہین کہ انسان ایک چیز کے اندر داخل بھی ہو، اور اس سے خارج بھی ہو، ہر چیز کے ساتھ بھی ہو اور ہر چیز سے الگ بھی ہو، یحیی بن معاذ سے صوفی کے اوصاف پوچھے گئے تو انھون نے کہا کہ لوگون کے ساتھ بھی ہو اور لوگون سے جدا بھی ہو، حضرت ابن الجلاء سے پوچھا

---

[۱] مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۷۲ مسند عثمان [۲] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۷۱،

گیا کہ فقیر صادق کس کو کہتے ہین ؟ بولے کہ وہ جس چیز کو لے غیرون کے لیے لے، اسپنے نے حضرت عثمانؓ کی بھی یہی حالت تھی، چنانچہ انھون نے ابتداے اسلام مین جو فیاضیان کین وہ اسی وصف کا نتیجہ تھین، خود انکا بیان ہے کہ اگر اسلام کی ضروریات کے پورا کرنے کا خیال نہ ہوتا تو مین اس مال و دولت کو ہرگز جمع نہ کرتا،

سہل بن عبد اللہ کا قول ہے کہ یہ درجہ صرف اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو خدا کے حکم کو جانتا ہے، خدا جب اور جس قدر مال کے خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے وہ خرچ کرتا ہے، اور اگر روکدیتا ہے تو رک جاتا ہے، وہ مال و دولت کو حقوق کے لیے محفوظ رکھتا ہے، نہ کہ حظوظ کے لیے، اس کی مثال بعینہ ایک وکیل کی ہوتی ہے، جو اپنے موکل کے مال مین مالکانہ تصرف تو کرتا ہے، لیکن اس کی اجازت کے بغیر ایسا نہین کرسکتا،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ! صوفیہ کے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ علم تصوف کا ماخذ ہین، انھون نے خود ایک موقع پر اپنے قلب کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ "اس مین ایک علم ہے، کاش مین اس کا حامل پاتا،" جنید بغدادی کا قول ہے کہ اگر وہ لڑائیون مین مشغول نہ رہتے، تو ہم کو اس علم (تصوف) کے بہت سے نکات بتا جاتے، کیونکہ ان کو علم لدنی حاصل تھا، باایں ہمہ انھون نے بہت سی ایسی باتین بتائی ہین جن پر تصوف کی بنیاد قایم ہے، مثلاً ایک شخص نے ان سے ایمان کے متعلق سوال کیا تو انھون نے فرمایا کہ ایمان چار ستونون پر قایم ہے، صبر، یقین، عدل، اور جہاد پھر صبر کے دس مقامات کی تفصیل بیان کی، صاحب کتاب اللمع اس واقعہ کو نقل کرکے لکھتے ہین،

فان صح ذلک عنہ فھو اول من تکلم فی الاحوال والمقامات،	اگر ان سے یہ روایت صحیح ہے تو وہ پہلے شخص ہین جس نے مقامات اور احوال کی تفصیل بتائی،

صوفیانہ حیثیت سے ان کو تمام صحابہ پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ انھون نے بہت سے صوفیانہ نکات

بیان کیے ہین اور بیان کو معانی اور احوال پر فضیلت حاصل ہے، خدا خود کہتا ہے،

ھذا بیان للناس

یہ لوگون کے لیے بیان ہے،

علمی حیثیت کے علاوہ عملی اور اخلاقی حیثیت سے بھی وہ صوفیہ کے لیے نمونہ و مثال ہین، ان کے زہد کا یہ حال تھا کہ ایک بار بیت المال کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ "اے دینار و درہم تم میرے علاوہ کسی کو اپنا فریفتہ بناؤ،، ایک بار انھون نے حضرت عمر بن الخطاب رضی سے کہا کہ "اگر اپنے آقا سے ملنا چاہتے ہو تو اپنی قمیص مین پیوند لگاؤ، اپنا جوتہ ٹانکو، اپنے رشتۂ امید کو کوتاہ کرو،، اور پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاؤ، ایک بار انھون نے مزدوری کر کے کچھ کھجورین حاصل کین، اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے جن کو آپ نے وجہ معاش مین صرف کیا، جب وہ شہید ہوے تو امام حسن رضی نے کوفہ کے ممبر پر چڑھ کر کہا کہ اے کوفہ والو! امیر المومنین تمھارے سامنے شہید ہوے، لیکن خدا کی قسم انھون نے دنیوی چیزون مین صرف چار سو درہم چھوڑے ہین جن کو انھون نے ایک غلام کے خریدنے کے لیے علیحدہ کر لیے تھے،

ان کے خوف خدا کا یہ حال تھا کہ جب نماز کا وقت آتا تھا تو کانپ اٹھتے تھے اور ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا، اس حالت مین لوگ ان کا حال پوچھتے تھے تو فرماتے تھے کہ اس امانت کے ادا کرنے کا وقت آگیا جس کو خدا نے آسمان و زمین اور پہاڑون کے سامنے پیش کیا، لیکن انھون نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا، اور اس سے ڈر گئے، مگر انسان نے اس کو اٹھا لیا، اب مین نہین جانتا کہ مین اس امانت کو اچھی طرح ادا کر سکون گا یا نہین اس قسم کے واقعات کو نقل کر کے صاحب کتاب اللمع لکھتے ہین،

ولعلی رضی اللہ عنہ اشباہ ذلک کثیر من	حضرت علی رضی کے اس قسم کے بہت سے احوال اخلاق
الاحوال والاخلاق والافعال التی یتعلق	اور افعال ہین جن کے ساتھ اہل دل، اشارات
بھا ارباب القلوب واھل الاشارات	اور اہل وجد صوفیہ تمسک کرتے ہین،

واهل المواجید من الصوفیة

اصحاب صفہ

اکثر صحابہ مشاغل دینی کے ساتھ ہر قسم کے کاروبار یعنی زراعت اور تجارت وغیرہ بھی کرتے تھے، لیکن ان بزرگون نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت پذیری پر وقف کردی تھی، ان لوگون کے بال بچے نہ تھے اور جب شادی کرلیتے تھے تو اس حلقہ سے نکل جاتے تھے،

یہ لوگ دن کو بارگاہ نبوت مین حاضر رہتے اور حدیثین سنتے، رات کو ایک چبوترے پر پڑ رہتے، عربی زبان مین چبوترے کو صفہ کہتے ہین، اور اسی بنا پر ان بزرگون کو اصحاب صفہ کہا جاتا ہے، ان مین سے کسی کے پاس چادر اور تہ بند دونون چیزین کبھی ایک ساتھ جمع نہ ہوسکین، چادر کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے تھے کہ رانون تک لٹک آتی، حضرت ابوہریرہؓ انہی بزرگون مین تھے، انکا بیان ہے کہ مین نے اہل صفہ مین ستر اشخاص کو دیکھا کہ ان کے کپڑے ان کی رانون تک بھی نہین پہونچتے تھے، اس لئے جب نماز پڑھتے تھے اور رکوع مین جاتے تھے تو کپڑون کو اپنے ہاتھ سے سمیٹ لیتے تھے کہ کشف عورت نہ ہو جائے، ایک بار مسجد نبوی مین ان بزرگون کا حلقہ تلاوت قائم تھا، لیکن ان مین ہر شخص دوسرے سے مل کر بیٹھا تھا تاکہ ایک کی دوسرے کے ذریعہ سے پردہ پوشی ہو،

معاش کا طریقہ یہ تھا کہ ان مین ایک ٹولی دن کو جنگل سے لکڑیان چن لاتی اور بیچ کر اپنے بھائیون کے لیے کچھ کھانا مہیا کرتی اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخین توڑ کر لاتے اور مسجد کی چھت مین لٹکا دیتے، کھجورین جو ٹپک ٹپک کر گرتین یہ لوگ اٹھا کر کھا لیتے، کبھی دو دو دن کھانے کو نہین ملتا تھا، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد مین تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے، یہ لوگ آکر شریک نماز ہوتے، لیکن بھوک اور ضعف سے عین نماز کی حالت مین گر پڑتے، باہر کے لوگ آتے اور ان کو دیکھتے تو سمجھتے کہ دیوانے ہین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

جب کہین سے صدقہ آتا تو مسلم ان کے پاس بھیجدیتے، اور جب دعوت کا کھانا آتا تو ان کو بلالیتے اور ان کے ساتھ بیٹھکر کھاتے، اکثر ایسا ہوتا کہ راتون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مہاجرین انصار پر تقسیم کردیتے، یعنی اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک دو دو کو اپنے ساتھ لے جائے اور کھانا کھلائے،

حضرت سعد بن عبادہؓ نہایت فیاض اور دولت مند تھے، وہ کبھی کبھی اسّی مہمانون کو اپنے ساتھ لیکر جاتے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ساتھ نہایت انس تھا، ان کے ساتھ مسجد مین بیٹھتے، ان کے ساتھ کھانا کھاتے، اور لوگون کو ان کی تعظیم وتکریم پر آمادہ کرتے، ایک بار اہل صفہ کی ایک جماعت نے بارگاہ نبوی مین شکایت کی کہ کھجورون نے ہمارے پیٹ کو جلادیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شکایت سنی تو ان کی دلدہی کے لیے ایک تقریر کی جس مین فرمایا یہ کیا ہے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ ہمارے پیٹون کو کھجورون نے جلادیا، کیا تم کو یہ معلوم نہین کہ کھجور ہی اہل مدینہ کی غذا ہے، یہ لوگ اسی کے ذریعہ سے ہماری مدد کرتے ہین، اور ہم بھی انہی کے ذریعہ سے تمھاری مدد کرتے ہین، خدا کی قسم ایک یا دو مہینہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر مین دھوان نہین اٹھا ہے، صرف پانی اور کھجور پر بسر اوقات ہے،

آپ ان لوگون کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ جب ایک دفعہ آپ سے حضرت فاطمہ زہراؓ نے درخواست کی کہ ہاتھون مین چکی پیستے پیستے نیل پڑگئے ہین، مجھکو ایک کنیز عنایت ہو تو فرمایا کہ یہ نہین ہوسکتا کہ مین تم کو دون اور اہل صفہ بھوکون مرین، خود قرآن مجید مین خداوند تعالی نے ان کا ذکر نہایت غمخواری کے لہجے مین کیا ہے،

للفقراء الذین احصروا فی | صدقہ وزکوۃ ان فقراء کے لیے ہے جو خدا کی راہ مین

سبیل اللہ الارض | راہ خدا میں رکے ہوئے ہیں، (اس لیے کسب معاش نہیں کر سکتے)

ولا تطرد الذین یدعون ربھم | ان لوگوں کو نہ دور کرو جو صبح و شام خدا کو پکارتے ہیں،

واصبر نفسک مع الذین یدعون | تم بھی ان لوگوں کے ساتھ صبر کرو جو اپنے خدا کو

ربھم الایۃ، | پکارتے رہتے ہیں،

ایک بار ان میں ایک بزرگ حضرت ابن مکتومؓ کے ساتھ ایک خاص موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ مصالح بے اعتنائی فرمائی تو یہ عتاب آمیز آیت نازل ہوئی،

عبس وتولی ان جاءہ | اس نے منہ بنا لیا، اور پیٹھ پھیر لی، جبکہ اس کے

الاعمی، | پاس ایک اندھا آیا،

اس کے بعد جب آپ ان کو دیکھتے تو محبت اور عزت کے لہجے میں فرماتے،

یامن عاتبنی فیہ ربی | اے وہ شخص جس کے بارے میں مجھ پر میرے خدا نے

عزوجل، | عتاب کیا،

ان بزرگوں کا مشغلہ یہ تھا کہ راتوں کو عموماً عبادت کرتے اور قرآن مجید پڑھتے رہتے، ان کے لیے ایک معلم مقرر تھا، جس کے پاس رات کو جا کر پڑھتے، اسی بنا پر ان میں سے اکثر لوگ قاری کہلاتے اور اشاعت اسلام کے لیے کہیں بھیجنا ہوتا تو یہی لوگ بھیجے جاتے،[۱]

عام صحابہ! خلفائے راشدین اور اہل صفہ کے بعد عام صحابہ کا درجہ ہے، جن کے متعلق صاحب کتاب اللمع لکھتے ہیں،

فاما غیر اھل الصفۃ فقد روی | اہل صفہ کے علاوہ جو صحابہ ہیں، ان میں ہر ایک کے

عن کل واحد منھم ما انفردوا بہ | متعلق بہت سے پسندیدہ حالات، پاک اعمال، اور مکارم

[۱] یہ حالات سیرۃ النبی اور کتاب اللمع سے لیے گئے ہیں، سیرۃ النبی کے الفاظ میں بھی ہم نے بہت کم تغیر کیا ہے،

وخصوا به من الاحوال لوضية والاعمال الزكية ومكارم الاخلاق ما تعلق بها اهل الحقائق من المتصوفة، ويكثر ذكر ذلك ولكن نذكر طرفا ليستدل بذلك على مالم نذكره،

اخلاق مروی ہیں، اور ان میں سے اہل حقیقت نے استناد کیا ہو، لیکن ان کے ذکر میں طوالت ہی اس لیے ہم صرف اس کا مختصر سا حصہ بیان کر دیتے ہیں تاکہ جو کچھ بیان نہیں کرتے، ان کے ذریعہ سے انپر استدلال کیا جائے،

چنانچہ صوفیہ نے اپنے ذوق کے مطابق ان کے جن اقوال و افعال سے استناد کیا ہے، ان میں بعض متفرق باتیں حسب ذیل ہیں[1]

حضرت عمران بن حصینؓ عذاب الٰہی کے خوف سے فرماتے تھے کہ کاش میں خاک کا ذرہ ہوتا اور ہوا مجھکو اوڑا لے جاتی، لیکن میں پیدا نہ ہوا ہوتا،

جب یہ آیت نازل ہوئی،

وان جھنم لموعدھم اجمعین، جہنم ان سب کے اجتماع کی جگہ ہے،

تو حضرت سلمان فارسیؓ نے اس کو سنکر ایک چیخ ماری اور سرپر ہاتھ رکھکر بھاگے، اور متصل تین دن تک غائب رہے،

حضرت ابو الدرداءؓ کا بیان ہے کہ میں جاہلیت میں ایک تاجر تھا، اس کے بعد جب اسلام لایا تو تجارت اور عبادت دونوں ساتھ ساتھ کرنا چاہا لیکن دونوں چیزیں جمع نہ ہوسکیں، اس لیے عبادت کو اختیار کر لیا۔۔

حضرت ام الدرداءؓ سے پوچھا گیا کہ ابوالدرداء کی بہترین عبادت کیا تھی؟ بولیں تفکر اور اعتبار،

[1] لیکن ان کی صحت کی ذمہ داری ہم پر نہیں ہے خود حضرات صوفیہ پر ہے،

حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے کہ خدا کے تعلق نے میرا کوئی دوست باقی نہین رکھا، قیامت کے خوف نے میرے بدن پر گوشت نہین چھوڑا، اور ثوابِ آخرت کے یقین نے میرے گھر مین کوئی چیز نہین رہنے دی،

حبیب بن مسلمہ نے ان کے پاس ایک ہزار درہم بھیجے لیکن انھون نے واپس کر دیئے، اور کہا کہ ہمارے یہان بکریان ہین جن کو ہم دوہتے ہین، ایک سواری ہے جس پر سوار ہوتے ہین، اس کے علاوہ ہمکو کسی چیز کی ضرورت نہین۔

ایک شخص نے حضرت ابوعبیدہؓ سے سوال کیا، لیکن انھون نے اس کو واپس کر دیا، پھر دوبارہ آیا اور سوال کیا تو اس کو کچھ دیا، اور فرمایا کہ خدا ہی نے تجھے دیا اور خدا ہی نے تجھے واپس کیا،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے کہ دو مکروہ چیزین یعنی موت اور فقر کس قدر محبوب ہین، ان مین سے جس چیز کے ساتھ ابتدا کی جائے مین اسی پر راضی ہون،

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے حوض پر وہ لاغر اندام لوگ وارد ہون گے کہ جب رات آتی ہے تو وہ رنج وغم کے ساتھ اس کا استقبال کرتے ہین،

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم مجرد لوگ عہدِ نبوت مین صرف مسجد مین سوتے تھے ہمارے پاس کوئی مکان نہ تھا،

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ فرماتے تھے کہ میرے لیے سب سے زیادہ خوشگوار دن وہ ہوتا ہی، جب مین اہل وعیال کے پاس جاتا ہون اور وہ اپنی تنگدستی کا گلہ کرتے ہین، انکا قول ہے کہ ایک گھنٹے کی خواہش نفسانی انسان کو طویل رنج وغم مین مبتلا کر دیتی ہے،

حضرت ابو فروہؓ ایک میل چلے لیکن اس مین خدا کو یاد نہین کیا، پھر پلٹ کر ایک میل تک خدا کو یاد کرتے ہوے چلے اور اخیر مین پہونچکر کہا کہ خداوندا ابو فروہ کو نہ بھولنا کیونکہ وہ تجھکو نہین بھولتا،

حضرت عدی بن حاتمؓ چیونٹیون کو روٹی چورا کرکے کھلایا کرتے تھے، کیونکہ ان کو ان پر رحم آتا تھا،

حضرت زرارہ ابن اوفیؓ نے ایک مسجد مین امامت کی اور یہ آیت

فاذا نقر فی الناقور فذلک یومئذ یوم عسیر — جب صور پھونکا جائیگا تو یہ نہایت سخت دن ہوگا،

پڑھی تو زمین پر گر کر جان دیدی،

اس قسم کے بہت سے اقوال کتاب اللمع مین مذکور ہین، اور تصوف کی دوسری کتابون مین بھی مل سکتے ہین، لیکن محدثانہ حیثیت سے ان کی صحت کا دعویٰ نہین کیا جا سکتا اس لیے ان کو قلم انداز کرتے ہین،

تصوف صحابہ کی حقیقت تصوف کی مختلف تعریفین کی گئی ہین، لیکن تصوف کی جو حقیقت صحابہ کرام روحانیت اور اخلاق کا معیار قرار دیجا سکتی ہے شاہ ولی اللہ صاحب کے الفاظ مین حسب ذیل ہے،

"شریعت نے جن چیزون کو واجب یا حرام قرار دیا ہے انہی کا نام عمل ہے لیکن ان اعمال مین یہ حیثیت ملحوظ ہے کہ وہ ایسے روحانی اوصاف کو پیدا کرین جو قیامت کے دن روح کے لیے مفید یا مضر ہون، وہ ان اوصاف کو بڑھائین، اس کی وضاحت کرین اور اس کا قالب اور مجسمہ بنین، اب ان اعمال پر دو حیثیتون سے بحث کیجا سکتی ہو ایک تو یہ کہ

تمام لوگون کے لیے لازم اور ضروری کر دیے جائین، جس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ مواقع انتخاب کیے جائین، جہان ان اعمال سے یہ روحانی اوصاف پیدا ہو سکین اور ایسا واضح طریقہ اختیار کیا جائے کہ لوگون سے علی رؤس الاشہاد ان پر مواخذہ کیا جا سکے کہ وہ حیلہ حوالہ نہ کر سکین اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ انکی بنیاد ضبط و اعتدال پر قایم کیجائے دوسری حیثیت یہ ہے کہ ان اعمال سے لوگون کی تہذیب نفس ہو، اور ان سے جن روحانی کیفیات کا پیدا کرنا مقصود ہے، وہ پیدا ہو سکین، اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے وہ روحانی اوصاف معلوم کرائے جائین پھر یہ بتایا جائے کہ یہ اعمال ان کو کیونکر پیدا کر سکتے ہین لیکن اس کی بنیاد ایک تو ذوق سلیم پر ہے، اور دوسرے اس پر کہ خود صاحب شریعت پر انکو محول کر دیا جائے، پس پہلی حیثیت سے جو علم ان اعمال سے بحث کرتا ہے وہ علم شریعت ہے، اور دوسری حیثیت سے ان پر علم الاحسان (علم تصوف) مین بحث کیجاتی ہے،

اس بنا پر جو لوگ علم الاحسان کے مباحث پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہین ان کو دو چیزون کی ضرورت ہے، ایک تو یہ کہ خود ان اعمال پر نگاہ رکھین کہ وہ اوصاف مطلوبہ تک پہونچاتے ہین یا نہین کیونکہ بسا اوقات یہ اعمال ریاکاری، شہرت طلبی اور الفت و عادت کی بنا پر کیے جاتے ہین، اور ان مین اترانے، احسان کرنے، اور اذیت دینے کا جذبہ شامل ہو جاتا ہے، اور اس حالت مین انکا مقصد حاصل نہین ہوتا، اور بسا اوقات وہ اس طرح انجام پاتے ہین کہ نفس کو ان سے ایسا تنبہ نہین حاصل ہوتا جو محسنین کے شایان شان ہو (اگرچہ بعض لوگ ان سے بھی تنبہ حاصل کر لیتے ہین) مثلاً جو شخص صرف فرض کو ادا کرتا ہے اور اس کی کیفیت اور مقدار مین کچھ اضافہ نہین کرتا وہ زکی نہین کہا جا سکتا، دوسری ضرورت یہ ہے کہ وہ خود ان روحانی اوصاف پر نگاہ رکھین، ان کو جانین پہچانین، اور علی وجہ البصیرۃ اعمال کو بجالائین،

تاکہ وہ اپنے نفس کے طبیب ہوں[ؔ]،

اسی فن کا نام علم الاحسان ہے،

"اور اس میں جن اصولی اخلاق سے بحث کی جاتی ہے وہ چار ہیں،

(۱) ایک طہارت جو انسان کو عالم ملکوت سے مشابہ کر دیتی ہے،

(۲) دوسرے عجز و نیاز جو عالم جبروت کی جھلکیاں دکھاتے ہیں،

(۳) تیسرے سماحت جس کا منشا یہ ہے کو قوت ملکیہ، محرکات بہیمیت مثلاً حصول لذت، انتقام غصہ، اندوہ بخل اور جاہ وغیرہ کے تابع نہو، سماحت ہی سے متعدد اخلاق پیدا ہوتے ہیں، یعنی اگر شکم پری اور شہوت رانی کی خواہش کے ساتھ اس کا لحاظ کیا جائے تو اس کا نام عفت ہے، اور اگر عیش طلبی کے ساتھ اسکو ملایا جائے تو اس کا نام زہد و تقشف ہے، اور اگر پریشانی اور گھبراہٹ کے ساتھ اس کو مخلوط کیا جائے تو اس کا نام صبر ہے، اگر جذبہ انتقام کے ساتھ اس سے کام لیا جائے تو اس کا نام عفو و درگذر ہے، مال و دولت کی حرص کے ساتھ اس کا لحاظ رکھا جائے تو اس کا نام سخاوت اور قناعت ہے، اور منہیات شریعت کے ساتھ اسکا نام لیا جائے تو تقوی ہے، اور صوفیہ کی اصطلاح میں اسیکا نام انقطاع عن الدنیا، فنا عن الخصائص البشریہ یا حریت ہے، غرض وہ لوگ اس خصلت کو مختلف ناموں سے تعبیر کرتے ہیں،

(۴) چوتھے عدالت، اور وہ اس ملکہ کا نام ہے، جس سے ایک عادلانہ نظام قائم ہوتا ہے، جس سے تدبیر منزل اور سیاست مدن وغیرہ کی نہایت آسانی کے ساتھ اصلاح ہوتی ہے، اس ملکہ کی مختلف حیثیتوں سے مختلف اخلاق پیدا ہوتے ہیں، اگر انسان کے معمولی حالات یعنی اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے میں اس کا لحاظ رکھا جائے تو اس کا نام ادب ہے، اگر مال و دولت کے

لہ حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم ابواب الاحسان،

جمع کرتے ہین اس کو استعمال کرین تو اس کا نام کفایت شعاری ہو، اگر تدبیر منزل ہین اس کا لحاظ رکھین اس کا لحاظ رکھین تو اس کا نام حریت ہے، اگر تدبیر ممالک مین اس کو پیش نظر رکھین تو اس کا نام سیاست ہے، اگر بھائی بند، اور دوست و احباب کی اجتماعی زندگی مین وہ ملحوظ رہے تو اس کا نام حسن معاشرت ہے،

اب یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ اخلاق کیونکر پیدا ہو سکتے ہین ؟

تو شریعت نے طہارت کے لیے وضو، اور غسل، اور عجز و نیاز کے لیے نماز، ذکر، اور تلاوت کو فرض کیا ہے، اور جب یہ تمام چیزین جمع ہو جاتی ہین تو اس کو سکینہ اور وسیلہ کہتے ہین،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نسبت جو حضرت حذیفہؓ نے فرمایا ہے کہ

انه اقربهم الی اللہ وسیلة — وہ تمام صحابہ مین از روے وسیلہ کے خدا سے نزدیک تر ہین

اس کا یہی مطلب ہے، شارع علیہ السلام نے اس کو ایمان سے بھی تعبیر کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ:

الطهور شطر الایمان، — پاکی نصف ایمان ہے،

اور عجز و نیاز کی طرف ان الفاظ مین اشارہ کیا ہے،

الاحسان ان تعبد اللہ کانك تراه فان لم تکن تراه فانه یراك، — احسان یہ ہے کہ خدا کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگر تم اس کو نہین دیکھتے تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے،

طہارت اور عجز و نیاز کے حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سنن انبیاء کا اتباع کیا جائے، ان کی روح اور انکی روشنی کا لحاظ رکھا جائے، اور ان کے اذکار اور ہیئات کے تحفظ کے ساتھ ان کی کثرت کی جائے، مثلاً طہارت کی روح باطنی نور ہے، انس ہے، انشراح ہے،

بیہودہ تخیلات، گھبراہٹ پریشانی اور اضطراب کا دورہ ہو جاتا ہے، اور نماز کی روح حضور قلب، جبروت کا نظارہ، خدا کی محبت آمیز تعظیم اور اطمینان وسکون ہے، اور تلاوت کی روح یہ ہے کہ انسان خدا کی طرف شوق وتعظیم کے ساتھ متوجہ ہو اور اس کے مواعظ، احکام، امثال اور قصص پر غور کرے، اور دعا کی روح یہ ہے کہ تمام قوتون کا مرجع خدا کی ذات کو سمجھے، اور اس کے ہاتھ مین کٹھ پتلی نبجائے، اور مناجات کی لذت حاصل کرے،

سماحت کے حاصل کرنے کا عمدہ ذریعہ یہ ہے کہ لذت انتقام اور بخل وغیرہ کے مواقع سے زیادہ تر الگ رہے، خدا کا ذکر کرے اور عالم تجرد کی طرف اپنی توجہ کو مبذول رکھے، زید بن حارثہؓ کے اس قول مین

استوی عندی حجرھا ومدرھا — میرے نزدیک زمین کا کنکر پتھر سب یکسان ہے

اسی عالم تجرد کی طرف اشارہ ہے،

اور عدالت، لطف وکرم، محبت ومودت اور رقیق القلبی سے حاصل ہوتی ہی، بشرطیکہ امور کلیہ کا لحاظ رکھا جائے اور انجام پر نظر رہے، لیکن سماحت اور عدالت مین بعض حیثیتون سے تناقض وتضاد ہے، کیونکہ حصول سماحت کا ذریعہ یہ ہے کہ عالم تجرد کی طرف انسان کا میلان ہو، اور اس کے لیے قطع تعلق اور تخلیہ کی ضرورت ہے، لیکن عدالت لطف وکرم ومحبت ومودت سے حاصل ہوتی ہے، جس کے لیے اجتماع ومعاشرت ضروری این اس لیے اکثر لوگون کے لیے یہ دونون چیزین باہم متضاد ہین بالخصوص اہل تجاذب کے لیے تو بالکل ایک دوسرے کی نقیض ہین، یہی وجہ ہے کہ بہت سے اہل اللہ اہل وعیال کو چھوڑ کر دنیا سے قطع تعلق کر لیتے ہین، اور عام طور پر جب لوگ بال بچون سے ملتے ہین تو ان کو خدا بھول جاتا ہے، لیکن انبیاء علیہم السلام نے دونون کا لحاظ رکھا ہے،

ملہ اس موقع پر حضرت حنظلہؓ کی حدیث کو پیش نظر رکھنا چاہیے جو آگے آئیگی،

اس لیے ان دونون کے قواعد و اصول کو نہایت احتیاط کے ساتھ منضبط کر دیا ہے، بہت سے افعال اور بہت سی کیفیات ایسی بھی ہین، جو ان اخلاق یا ان اخلاق کے برعکس اثر کرتی ہین یعنی وہ فرشتون یا شیطانون کا مزاج پیدا کرتی ہین، یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف مین آیا ہے کہ "شیطان بائین ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے"، "تم لوگ فرشتون کی طرح صف کیون نہین سیدھی کرتے" ان مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی دعائین سکھائی ہین جو ہمیشہ عجز و نیاز کو پیدا کرتی رہتی ہین، صبر اور فیاضی کا حکم دیا ہے، اور موت کے یاد کرنے کی ترغیب دلائی ہے، اور دنیا کو حقیر بتایا ہے، اور خدا کی عظمت اور قدرت کے متعلق غور و فکر کی ہدایت کی ہے، اور ان سب کا مقصد یہ ہے کہ سماحت حاصل ہو، عیادت، صلہ رحمی احسان، اقامت حدود امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور سلام کرنے کا حکم اس لیے دیا ہے تاکہ عدالت کا ملکہ پیدا ہو،

مقامات و احوال منازل سلوک کے طے کرنے کے بعد انسان کے اندر متعدد روحانی اوصاف پیدا ہو جاتے ہین، جن کو تصوف کی اصطلاح مین مقامات اور احوال کے لفظ سے تعبیر کرتے ہین، اور یہی اوصاف تصوف اور فلسفۂ اخلاق مین مابہ الامتیاز ہین،

صحابہ کرام کے زمانے تک اگرچہ یہ اصطلاح نہین پیدا ہوئی تھی، تاہم جن چیزون کو مقامات و احوال کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہ سب کی سب ان کی روحانی دنیا مین موجود تھین، چنانچہ شاہ صاحب نے ان پر تفصیلی بحث کی ہے، اور ہر مقام اور حال کی مثال صحابہ کرام کے اوصاف روحانی سے دی ہے، شاہ صاحب کا یہ بیان اگرچہ اہل حدیث اور اہل تصوف دونون کے لیے نہایت دلآویز ہے، تاہم بخوف طوالت ہم اس کا نہایت اجمالی خلاصہ درج کرتے ہین، وہ فرماتے ہین،

علم تصوف کے چند نتائج یعنی مقامات اور احوال اس علم کے حاصل ہونیکے بعد پیدا ہوتے ہین
اور جو حدیثین اس بارے مین وارد ہوئی ہین، ان کی شرح دو مقدمات پر موقوف ہے، ایک عقل،
قلب اور نفس کے اثبات اور ان کی حقیقت کے بیان پر، اور دوسرے اس بیان پر کہ یہ مقامات
اور احوال ان تینون چیزون سے کیونکر پیدا ہوتے ہین؟ تو تم کو جاننا چاہیے کہ انسان کے اندر تین
لطائف ہین، جو عقل، قلب اور نفس کے نام سے موسوم ہین، اور وہ نقل، عقل، تجربہ، اور عقلاء
اتفاق سے ثابت ہین، عقل کے اوصاف اور اس کے افعال مین یقین، شک وہم ہر نو پیدا
چیز کے اسباب وعلل کی تلاش، جلب منفعت اور دفع مضرت کی تدبیر وغیرہ داخل ہین،
غصہ، دلیری، محبت، بزدلی، رضامندی، ناراضی، وفا، جاہ پرستی، فیاضی، بخل اور امید و
بیم وغیرہ قلب کا وصف اور قلب کا کام ہے، نفس کے اوصاف واعمال مین سب سے زیادہ
نمایان چیز اطعمہ واشربہ لذیذہ کی حرص اور عورتون کی محبت اور ان کا عشق ہے،

اب مقامات اور احوال کے پیدا ہونے کی صورت یہ ہے کہ
جب کوئی شخص خدا کی کتاب اور پیغمبر کی ہدایات پر ایسا مکمل ایمان لاتا ہے جو اس کے
تمام قوائے قلبیہ اور نفسیہ کی رگ و پے مین سرایت کر جاتا ہو پھر اس کے بعد، ذکر وفکر مین مشغول
رہتا ہے اور اعضاء وجوارح کے ساتھ حق عبودیت ادا کرتا ہے، اور مستمراً ان اعمال کو بجا
لاتا رہتا ہے، تو ان تینون لطیفون کے اندر عبودیت کی روح حلول کر جاتی ہے، گویا خشک
پودے کو خوب سینچ دیا جاتا ہے، اس لیے اس کی تمام شاخون اور پتیون مین رطوبت موجزن
ہو جاتی ہے، پھر اس سے پھول اور پھل نکلنے لگتے ہین، اسی طرح یہ تینون لطیفے عبودیت مین شرابور
ہو جاتے ہین اور ان کے رذیل ترین طبعی اوصاف صفات ملکوتیت سے بدل جاتے ہین،
اب اگر ان صفات کو ملکات راسخہ کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے اور انکے افعال مین مستمراً

ہمواری اور یکرنگی پائی جاتی ہے تو انھی کا نام مقامات ہے، اور اگر وہ بجلی کی طرح کوند کر پھر نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں، اور ان میں ثبات و قرار نہیں پیدا ہوتا (مثلاً خواب، یا غیب کی آواز یا مدہوشی وغیرہ) تو ان کو احوال اور اوقات کہتے ہیں، اور چونکہ فطرت انسانی کے غلبہ کی حالت میں عقل کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جس چیز کے مناسبات جمع ہو جائیں وہ اس کی تصدیق کرے، اس لیے عقل کی تہذیب کا اقتضاء یہ ہے کہ شرعی امور پر اس طرح یقین کرے کہ گویا وہ اسکو علانیہ نظر آتے ہیں مثلاً جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہؓ سے دریافت کیا کہ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے تمھارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ گویا مجھکو عرش الٰہی علانیہ نظر آتا ہے، اب گننے کی بات یہ ہے کہ جو مقامات اور احوال عقل سے تعلق رکھتے ہیں، ان میں اصلی چیز یقین ہے، اور یقین ہی سے مختلف مقامات مثلاً توحید، اخلاص، توکل، شکر، انس، ہیبت، تفرید، صدیقیت اور محدثیت وغیرہ پیدا ہوتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ یقین کل ایمان ہے، بہرحال یقین کامل کے بعد بہت سی شاخیں پیدا ہو جاتی ہیں، جن میں ایک شکر ہے، اور انسان جب تک اپنی گذشتہ زندگی میں قدرت کے عجائبات سے متنبہ نہ ہوتا رہے شکر کی تکمیل نہیں ہوتی، چنانچہ حضرت عمرؓ جب اپنے آخری حج سے واپس آنے لگے، تو فرمایا کہ خدا کا شکر ہے، خدا کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں، جس کو جو چاہتا ہے، دیتا ہے میں اس وادی (ضجنان) میں خطاب کا اونٹ چرایا کرتا تھا، جو نہایت سخت تھے، جب میں کام کرتا تھا تو مجھ پر بگڑتے تھے، اور جب میں کام میں کوتاہی کرتا تھا تو مجھے مارتے تھے، لیکن آج یہ حالت ہے کہ خدا کے سوا مجھے کسی کا ڈر نہیں،

یقین کی دوسری شاخ ہیبت الٰہی ہے، جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے درخت پر ایک چڑیا کو دیکھکر کہا کہ "تجھکو اے چڑیا یہ حالت مبارک کاش میں تیری طرح ہوتا کہ

درخت پر بیٹھکر پھل کھاتی ہے اور اوڑ جاتی ہے، تجھے خدا کو اس کا کچھ حساب دینا نہین پڑتا،

یقین کی تیسری شاخ صدیقیت اور محدثیت ہے، اور ان دونون کی حقیقت یہ ہے کہ امت مین بعض لوگ ایسے ہوتے ہین جو فطرۃً انبیا سے مشابہت رکھتے ہین، اب اگر یہ مشابہت قوائے عقلیہ مین ہو تو اس شخص کو صدیق اور محدث کہتے ہین، اور اگر قوائے عملیہ مین ہو تو وہ شہید یا حواری کہا جاتا ہے قرآن پاک کی اس آیت مین والذین آمنوا باللہ ورسلہ اولئک ھم الصدیقون والشھداء انہی دونون مقامات کی طرف اشارہ ہے، لیکن صدیق اور محدث مین یہ فرق ہے کہ صدیق کی روح پیغمبر کا اثر نہایت سرعت سے قبول کرتی ہے، جس طرح گندھک آگ سے بہت جلد متاثر ہو جاتی ہے، اس لیے جب وہ پیغمبر کی زبان سے کوئی بات سنتا ہے، تو وہ اس کو اپنی روحانی شہادت سے فوراً تسلیم کر لیتا ہے، گویا اس کا علم تقلیدی نہین ہوتا بلکہ خود اس کے اندر سے اوبال کھاتا ہے، حضرت ابوبکرؓ صدیق کی نسبت جو یہ مروی ہے کہ جب آنحضرتؐ پر وحی نازل ہوتی تھی تو وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آواز کی گنگناہٹ سنتے تھے، اس سے اسی امر کی طرف اشارہ ہے، صدیق کے چند اور خصائص ہین[1] ایک تو وہ پیغمبر کی محبت اور ہمدردی مین اپنی جان و مال تک کو قربان کر دیتا ہے، کسی بات مین اس کی مخالفت نہین کرتا، پیغمبر کی صحبت مین اکثر رہتا ہے، اور خواب کی تعبیر بہت صحیح بیان کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ سے خوابون کی تعبیر پوچھا کرتے تھے، صدیق کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے ایمان لاتا ہے اور بغیر معجزہ کے لاتا ہے، اور محدث کا خاصہ یہ ہے کہ بہت سے واقعات مین قرآن اس کی رائے کے مطابق نازل ہوتا ہے[2]، اور صدیق

[1] یہ تمام خصائص و علائم حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ذات مین جمع تھے [2] یہ حضرت عمرؓ کی خصوصیت ہے،

خلافت کا سب سے بڑا مستحق ہوتا ہے، اور اس کے بعد محدث کو یہ استحقاق حاصل ہوتا ہے، یہی وجہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد ابو بکرؓ اور عمرؓ کی اتباع کرو،

عقل کے احوال مین ایک حال تجلی ہے جس کی تین قسمین ہین، ایک تجلی ذات جس کا نام مکاشفہ ہے دوسری تجلی صفاتِ ذات جو نور کا مقام ہے، تیسری تجلی حکم ذات اور وہ آخرت اور تمام اخروی چیزون کا انکشاف ہے،

مکاشفہ کی حالت مین انسان پر یقین کا اس قدر غلبہ ہو جاتا ہے کہ گویا وہ خدا کو دیکھتا ہے اور اس کے علاوہ ہر چیز کو بھول جاتا ہے، جیسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ احسان یہ ہے کہ تم خدا کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو،

تجلی صفاتِ ذات کی دو حیثیتین ہین ایک یہ کہ انسان مخلوقات مین خدا کے افعال کو نگاہ مین رکھے، اور اس کے اوصاف کو پیش نظر کرے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسپر خدا کی قدرت کا یقین غالب ہو جائیگا، اور وہ عالم اسباب سے نکلکر بیخوف ہو جائے گا، اور اسباب سے اعانت نہ حاصل کریگا، اور اس کو یقین آجائیگا کہ خدا اس سے واقف ہے، اس لئے وہ اس کی بارگاہ مین مرعوب و مدہوش ہو جائے گا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم اس کو نہین دیکھتے تو وہ تم کو دیکھتا ہے، یہ درجہ نور کا مقام اس لیے ہے کہ نفس اس حالت مین مختلف انوار سے روشنی حاصل کرتا ہے، اور نور کے ایک عالم سے نکلکر نور کے دوسرے عالم مین اور ایک مراقبہ سے دوسرے مراقبہ مین جاتا ہے، بخلاف تجلی ذات کے کہ وہان تعدد اور تغیر نہین ہوتا، دوسری حیثیت یہ ہے کہ انسان کو صفتِ ذات یعنی خدا کے وہ افعال جو بواسطہ امر کن کے صادر ہوتے ہین بلا توسطِ اسباب خارجیہ کے نظر آئین، اور اس حالت مین نور کا مظہر وہ مثالی صورتین ہین جو عارف کو اس وقت

نظر آتی ہین جب وہ اس دنیا سے گم ہو جاتا ہے، تجلی حکم ذات یعنی تجلی آخرت کے معنی یہ ہین کہ انسان چشم بصیرت سے عذاب آخروی کو دنیا و آخرت مین دیکھے، اور اس کو اس طرح محسوس کرے جس طرح بھوکا بھوک کی تکلیف کو محسوس کرتا ہے،

تو پہلی (تجلی ذات یعنی مکاشفہ) کی مثال یہ ہے کہ ایک بار حضرت عبد اللہ بن عمرؓ طواف کر رہے تھے اسی حالت مین کسی شخص نے ان کو سلام کیا، جس کا انھون نے جواب نہین دیا، اس نے ان کے بعض رفقا سے اس کی شکایت کی تو انھون نے فرمایا کہ ہم اس جگہ خدا کا نظارہ کر رہے تھے،

تجلی صفات ذات کی دو حیثیتون مین سے پہلی حیثیت کی مثال حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے اکابر صحابہ کا یہ قول ہے کہ مجھکو طبیب ہی نے بیمار بنایا، اور دوسری حیثیت کی مثال یہ ہے کہ ایک انصاری نے ایک روحانی سائبان مین چراغ کے مثل روشنیان دیکھین، اس کی ایک مثال احادیث مین یہ بھی مروی ہے کہ دو صحابی[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اندھیری رات مین نکلے تو ان کو اپنے سامنے دو چراغ نظر آئے، یہان تک کہ جب یہ دونون بزرگ علیحدہ ہوے تو ان مین ایک ایک چراغ ہر ایک کے ساتھ ہو گیا اور ایک مثال حدیث مین بھی مروی ہے کہ نجاشی کی قبر کے پاس نور نظر آتا ہے،

تجلی حکم ذات یعنی تجلی آخرت کی مثال یہ ہے کہ ایک بار حضرت ابوبکرؓ حضرت حنظلہؓ سے ملے اور پوچھا کہ حنظلہ کیسے ہو؟ انھون نے کہا کہ حنظلہ منافق ہو گیا، بولے کہ سبحان اللہ کیا کہتے ہو؟ بولے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین ہوتے ہین

---

[1] یہ حدیث صحیح بخاری مین ہے،

اور آپ ہم کو جنت اور دوزخ کی یاد دلاتے ہیں، تو وہ ہم کو گویا آنکھوں سے نظر آجاتی ہیں،
لیکن جب آپ سے الگ ہو کر اہل وعیال سے ملتے ہیں اور کھیتی باڑی کا کام کرتے
ہیں، تو اکثر ان کو بھول جاتے ہیں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ ہمارا بھی یہی حال ہوتا ہے
اس خلش کے مٹانے کے لیے دونوں بزرگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ
بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر ہمیشہ تمھاری یہی حالت رہتی تو فرشتے تم سے اگر مصافحہ
کرتے، حنظلہ کبھی اس میں رہو (یعنی ذکر میں) اور کبھی اس میں (یعنی اہل وعیال میں)
اس آخری قول سے گویا آپ نے اشارۃً یہ بتایا کہ احوال میں استمرار اور مداومت
نہیں پائی جاتی،

اس کی ایک مثال حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا خواب میں جنت اور دوزخ کا
دیکھنا بھی ہے، احوال عقلی کی ایک شاخ فراست صادقہ ہے، حضرت ابن عمرؓ کا قول
ہے کہ حضرت عمرؓ بعض باتیں کہتے تھے اور میں خیال کرتا تھا کہ یوں نہیں بلکہ یوں
ہوگی، لیکن اس کا وقوع حضرت عمرؓ کے خیال کے مطابق ہوتا تھا،

احوال عقلی میں ایک چیز محاسبہ بھی ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک خطبہ
میں فرمایا،

حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا — حساب لینے سے پہلے اپنے نفس کا حساب کرلو،

احوال عقلی میں ایک چیز حیا ہے، اور وہ اس حیا سے مختلف ہے جو مقامات
نفس میں سے ہے اور وہ صرف خدا کی عظمت وجلال اور اپنے عجز و درماندگی کے
اعتراف سے پیدا ہوتی ہے، حضرت عثمانؓ نے جو یہ فرمایا ہے کہ میں اندھیری کوٹھری میں
بھی نہاتا ہوں تو خدا کی شرم سے پیچ وتاب کھاتا ہوں، اس سے یہی حیا مراد ہے، مقامات

قلب مین پہلا مقام جمع ہے اور اس کو صوفیہ ارادہ سے تعبیر کرتے ہین، اس مقام کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کا اصلی مقصود آخرت ہو، اور دنیا کو ایک حقیر چیز سمجھے، حدیث شریف مین آیا ہے کہ جس شخص کا مقصد صرف آخرت ہو، خدا اس کے مقصد کی حفاظت کرتا ہے، اور جس شخص کے بہت سے مقاصد ہون تو خدا کو اس کی پرواہ نہین ہوتی، کہ وہ کس میدان مرتا ہے، جب یہ مقصد سمٹ جاتا ہے، اور انسان ظاہراً و باطناً عبودیت پر قایم رہتا ہے، تو خدا اور خدا کے رسول کی محبت پیدا ہوتی ہے، اور اس محبت سے ایمان کو صرف اسیقدر ترقی نہین ہوتی کہ خدا مالک الملک ہے، اور پیغمبر سچا ہے، اور خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہے، بلکہ ایک ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے جو پیاسے کی پانی دیکھکر ہوتی ہے، حدیث شریف مین آیا ہے کہ خداوندا! اپنی محبت کو میرے لیے سرد پانی سے بھی زیادہ محبوب بنا، آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ جب تک مین تمھارے لیے تمھاری جان سے بھی محبوب تر نہ ہون تم مومن نہین ہو سکتے، انھون نے کہا خدا کی قسم آپ مجھے میری اس روح سے بھی زیادہ محبوب ہین، جو میرے پہلو کے درمیان ہے، آپ نے فرمایا کہ اب تمھارا ایمان مکمل ہو گیا،

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قول ہے کہ جس شخص نے خدا کی خالص محبت کا مزا چکھ لیا اس کا منھ دنیا سے پھر جائیگا، اور اس کو تمام دنیا سے وحشت ہو جائیگی،

جب خدا کے ساتھ مومن کی محبت اس درجہ مکمل ہو جاتی ہے تو خدا بھی اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہے، اور اس محبت کے مختلف نتائج پیدا ہوتے ہین، جن مین ایک استجابت سوال اور استجابت دعا ہے، چنانچہ آثار صحابہ مین استجابت دعا کی متعدد مثالین ملتی ہین، مثلاً جب حضرت سعدؓ نے ابوسعدہ کو یہ بددعا دی کہ خداوندا! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہو تو اس کی عمر دراز کر (یعنی ارذل عمر تک پہونچا) اس کی احتیاج کو بڑھا، اور اس کی عزت

وا برد کو خطرے میں ڈال دے، تو انھوں نے جو کچھ کہا دہی ہوا، یا جب حضرت سعیدؓ نے اروی بنت اوس کو بددعا دی کہ اگر وہ جھوٹی ہے تو خداوند اس کو اندھا کر دے، اور اسی زمین پر (جس کا اس نے دعویٰ کیا ہے) اس کو مار ڈال تو ان کی یہ دعا حرف بحرف مقبول ہوئی،

مقامات قلب میں دو مقام ایسے ہیں جو ان نفوس کے ساتھ مخصوص ہیں جنکو پیغمبرون کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے، گویا یہ دونون مقام بمنزلہ صدیقیت اور محدثیت کے ہین، البتہ فرق یہ ہے کہ صدیقیت اور محدثیت کا تعلق نفس کی قوت عقلیہ کے ساتھ ہوتا ہے، اور یہ قلب کی قوت عملیہ سے پیدا ہوتے ہین،

یہ شہید اور حواری کے مقامات ہین، اور ان دونون مین فرق یہ ہے کہ شہید کفار پر غصہ اور سختی کرتا ہے، اور مواطن ملکوت مین سے کسی موقع پر جس مین خدا سرکشون سے انتقام لینا چاہتا ہے دین کی مدد کرتا ہے، اور حواری وہ ہے جو پیغمبر سے مخلصانہ محبت رکھتا ہے، مدتون اس کی صحبت مین رہتا ہے، اور اس کو پیغمبر سے تعلقات قرابت ہوا تے ہین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کو بشارت دی ہے کہ وہ حواری اور شہید ہین، پھر حواری کی مختلف قسمین ہین، ان مین بعض کو امین اور بعض کو رفیق کہتے ہین، اور نجبا اور نقبا بھی انھی لوگون مین سے پیدا ہوتے ہین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فضائل صحابہ مین اکثر ان اوصاف کو نمایان کیا ہے، آپ نے فرمایا ہے کہ تمام پیغمبرون کے سات نجبا ہوتے تھے، اور میرے چودہ ہین، لوگون نے حضرت علیؓ سے پوچھا وہ کون کون لوگ ہین، فرمایا مین، میرے دونون بیٹے حسن و حسین، جعفر، حمزہ، ابوبکر، عمر، مصعب بن عمیر، بلال، سلمان، عمار، عبداللہ بن مسعود، ابوذر، مقداد،

مقامات قلب مین ایک مقام سکینہ کا ہے، یعنی اس مقام مین نور ایمان عقل سے چھن کر

دل مین آتا ہے، اور انسان تمام دنیوی مصلحتون کو چھوڑ کر ایسی باتون کو چاہنے لگتا ہے جن کو لوگ عادۃً نہین چاہتے، کیونکہ اس کی حالت مخمور کی سی ہو جاتی ہے، جس کی عقل وعادت مین تغیر پیدا ہو جاتا ہی، حضرت ابوذرؓ نے اسی مقام مین فرمایا ہے کہ خدا کے شوق مین موت سے محبت رکھتا ہون، اور مرض کو چاہتا ہون کہ وہ میرے گناہون کا کفارہ ہو جائے، اور خدا کے سامنے خاکسار بننے کے لیے فقر کو دوست رکھتا ہون، حضرت ابوذرؓ مال ودولت سے جو فطری نفرت رکھتے تھے وہ اسی مقام کا نتیجہ تھی،

احوال قلب مین ایک حال کا نام غلبہ ہے، جس کی دو قسمین ہین، ایک غلبہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب مومن کا دل نور ایمان سے اس قدر لبریز ہو جاتا ہے کہ وہ چھلک اٹھتا ہے، اور قلب اس کو سنبھال نہین سکتا، تو اس حالت مین وہ بعض باتون کے اظہار پر مجبور ہو جاتا ہے، چاہے وہ شریعت کے موافق ہون یا نہون، کیونکہ شریعت بہت سے مقاصد پر مشتمل ہوتی ہے، اور اس مومن کا قلب ان مقاصد کا احاطہ نہین کر سکتا، مثلاً کبھی وہ رحم کرنا چاہتا ہے، اور شریعت اس موقع پر رحم کی اجازت نہین دیتی، خدا خود کہتا ہے

لاتاخذکم بھما رافۃ فی اللہ، تم کو دینی معاملات مین ان دونون پر رحم نہین کرنا چاہیے،

بعض اوقات اس کے دل مین بغض پیدا ہوتا ہے، اور شریعت اس موقع پر لطف وکرم چاہتی ہے، جسکی مثال اہل ذمہ ہین صحابۂ کرام کے حال مین غلبہ کی اس قسم کی متعدد مثالین ملتی ہین مثلاً جب بنو قریظہ حضرت سعد بن معاذؓ کے حکم سے قلعہ سے نکلے، اور انھون نے حضرت لبابہ بن منذرؓ سے مشورہ کیا، تو انھون نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کرکے بتایا کہ ذبح کیے جاؤ گے، پھر افشاے راز پر ان کو ندامت ہوئی اور سیدھے مسجد مین جاکر انھون نے اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا، اور کہا کہ جب تک

خدا میری توبہ قبول نہ کریگا میں یہاں سے نہ ٹلونگا، یا مثلاً مقام حدیبیہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے دب کر صلح کی تو حضرت عمرؓ حمیت اسلام سے از خود رفتہ ہو گئے اور نہایت تیزی سے حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پیغمبر نہیں ہیں؟ انھوں نے کہا "ہیں" بولے کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ انھوں نے کہا "ہیں" بولے کیا یہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟ انھوں نے کہا "ہیں" بولے تو پھر ہم کیوں مذہبی معاملات میں دبکر صلح کرتے ہیں؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو، کیونکہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے پیغمبر ہیں، ان کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اسی قسم کے سوالات کیے، اور آپ نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکرؓ نے دیا تھا، اور فرمایا کہ میں خدا کا بندہ اور رسول ہوں، اس کے حکم کی مخالفت نہیں کرسکتا، خدا مجھے ضائع نہ کریگا، حضرت عمرؓ نے بعد کو اس صلح کے مصالح کو سمجھا تو ان کا بیان ہے کہ اس والہانہ بے ادبی کے کفارے میں میں ہمیشہ روزہ رکھتا رہا، صدقہ دیتا رہا، غلام آزاد کرتا رہا، نماز پڑھتا رہا، یا مثلاً جب ابوطیبہ جراح نے آپ کو پچھنا لگایا تو آپ کا خون پی گئے، خون حرام ہے، لیکن چونکہ انھوں نے اس کو حالت غلبہ میں پیا تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معذور رکھا،

شریعت میں غلبہ کی ایک قسم اور بھی ہے جو اس سے زیادہ مکمل ہے، یعنی جن نفوس کو پیغمبروں کے نفوس سے مشابہت ہوتی ہے، جب وہ فیضان الٰہی کے قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں، تو اگر وہ فیضان ان کی قوت عقلیہ کو پہونچتا ہے، تو اس کو فراست اور الہام کہتے ہیں، اور اگر قوت عملیہ اس فیضان کو قبول کرتی ہے، تو وہ عزم یا توجہ یا نفرت یا رکاوٹ کی صورت اختیار کرلیتا ہے، مثلاً جب غزوہ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی کہ

خداوندا مین تجھ سے تیرے عہد کے ایفار کی درخواست کرتا ہون، خداوندا کیا تو یہ چاہتا ہے کہ تیری پرستش نہ ہو؟ تو حضرت ابوبکرؓ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا، اور کہا کہ بس! اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت پڑھتے ہوئے نکلے،

سیھزم الجمع ویولون الدبر — کفار کی جمعیت ٹوٹ جائیگی اور وہ پیٹھ پھیر لینگے

اس سے معلوم ہوا کہ فیضان الٰہی کی بنا پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قلب مین ایک میلان پیدا ہوا، جس سے انھون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس الحاح وزاری کو پسند نہین کیا اور آپ کو روک دیا، آپ نے اپنی فراست سے معلوم کر کیا کہ یہ ایک سچی خواہش ہے، اس لیے خدا کی مدد کا اظہار کرتے ہوئے اور اس آیت کو پڑھتے ہوئے نکلے،

اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کا جنازہ پڑھنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے آپ کو روک دیا، لیکن آپ نے فرمایا کہ مجھے جنازہ پڑھنے کا اختیار دیا گیا اور مین نے اسے اختیار کر لیا، لیکن اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

ولا تصل علی احد منھم مات ابدا — ان مین کبھی کسی کے جنازہ کی نماز نہ پڑھو،

حضرت عمرؓ فرماتے ہین کہ مجھکو خود تعجب ہے کہ مین نے ایسی دلیری کی، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے زیادہ عالم تھے،

غلبات کے اقسام مین ایک غلبۂ خوف بھی ہے، اس حالت مین انسان پر گریہ طاری ہو جاتا ہے، اور اس کا جسم کانپنے لگتا ہے، حضرت ابوبکرؓ پر یہ غلبہ اکثر طاری ہو جاتا تھا اور وہ اپنے آنسوؤن کو ضبط نہین کر سکتے تھے، حضرت جبیر بن مطعمؓ کا بیان ہے کہ مینے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ آیت ام خلقوا من غیر شی ام ھم الخالقون سنی تو میرا دل اڑنے لگا،

احوال قلب مین سے ایک حال یہ ہے کہ انسان صرف خدا کی اطاعت کو اختیار کرلیتا ہے، اور اس کو بقیہ چیزون سے نفرت ہوتی ہے، اس لیے جو چیزین اس اطاعت مین خلل انداز ہوتی ہین، ان کو بھی وہ الگ کردیتا ہے، حضرت ابوطلحہ انصاریؓ اپنے ایک باغ مین نماز پڑھ رہے تھے، دفعۃً ایک خوش رنگ چڑیا اگر گنجان شاخون مین اولجھ گئی اور پھڑ کنے لگی وہ اس دلچسپ منظر کے دیکھنے مین اس قدر محو ہوے کہ ان کو یہ نہ معلوم ہوا کہ کتنی رکعتین پڑھین، اس لیے اس باغ کو صدقہ کردیا،

اس تمام تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ اگر تصوف اخلاق، روحانیت، اور مقامات اور احوال کا نام ہے تو صحابۂ کرام کا دل اس کا اصلی ماخذ، اس کا اصلی منبع اور اس کا اصلی سرچشمہ تھا لیکن اگر صرف حبہ خرقہ، رقص وسرود، اور حال وقال اس کے اجزا ہین، تو ہندوستان اور دوسرے ممالک اسلامیہ کی خانقاہیں اس کا بہترین مرکز ہین، صحابہ کرام کی جھونپڑیون مین اس کا پتہ نہین مل سکتا،

علم الانساب

علم الانساب اس علم کا نام ہے جس کے ذریعہ سے خاندان اور قبائل کے نسبی تعلقات معلوم ہوتے ہین، عہد صحابہ کے بعد جب فتوحات کی غیر معمولی وسعت نے عرب وعجم مین اختلاط پیدا کر دیا تو اس وقت اگرچہ اس فن کی اہمیت زائل ہوگئی، تاہم چونکہ عرب کو اپنے حسب ونسب پر ہمیشہ فخر وغرور رہا، اس لیے زمانۂ جاہلیت اور زمانۂ اسلام دونون مین یہ فن نہایت ضروری اور اہم خیال کیا جاتا تھا، خود قرآن مجید مین بھی اس فن کی اہمیت اور ضرورت کو بہ تصریح بیان کیا گیا ہے،

وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا	ہم نے خاندان اور کنبون مین تمھاری تقسیم اس لیے کی ہے کہ تم ایک دوسرے سے پہچانے جاؤ،

چونکہ اشعار عرب مین مدح وذم کے موقعون پر اکثر حسب ونسب سے تعرض کیا جاتا تھا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حفظ اشعار کو جن اسباب کی بنا پر ضروری قرار دیا ان مین ایک یہ بھی تھا کہ ان کے ذریعہ سے لوگون کو علم الانساب کی تعلیم ہوتی ہے، چنانچہ ایک فرمان مین حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا،

مر من قبلک بتعلم الشعر فانہ یدل علی معالی الاخلاق وصواب الرائے ومعرفۃ الانساب،	لوگون کو اشعار یاد کرنے کا حکم دو کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتین اور صحیح رائے اور انساب کی طرف راستہ دکھاتے ہین،

بہرحال جاہلیت اور اسلام دونون مین یہ علم نہایت اہم خیال کیا جاتا تھا، اور تمام صحابہ مین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس علم کے سب سے بڑے ماہر سمجھے جاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] کتاب البیان والتبیین مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۱۳۰

حضرت حسان بن ثابت رض کو کفار کی ہجو کہنے کا حکم دیا، تو ان کو انساب کے متعلق حضرت ابوبکر رض کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی اور فرمایا،

ائت ابابکر فانہ اعلم بالانساب القوم منک
ابوبکر کے پاس جاؤ کیونکہ وہ انساب کے تم سے زیادہ عالم ہیں،

چنانچہ ان کی ہدایت کے بموجب انھون نے کفار کے حسب و نسب پر طعن و تشنیع شروع کی تو خود کفار بے اختیار بول اوٹھے

ان ھذا الشعر ما غاب عنہ ابن ابی قحافہ[1]
ابن ابی قحافہ یعنی حضرت ابوبکر رض ان اشعار سے بے تعلق نہیں ہین،

حضرت ابوبکر رض کے بعد حضرت عمر رض کا درجہ تھا، اور اس علم کو انھون نے اپنے باپ خطاب سے سیکھا تھا، چنانچہ جاحظ نے لکھا ہے، کہ جب وہ انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے تو اپنے باپ خطاب کا حوالہ دیتے تھے،[2] حضرت عمر رض کے بعد حضرت جبیر بن مطعم اس فن کے ماہر خیال کیے جاتے تھے، اور انھون نے اس فن کو حضرت ابوبکر رض سے حاصل کیا تھا، حضرت سعید بن المسیب رح نے حضرت جبیر بن مطعم رض سے اس کی تعلیم حاصل کی اور ان سے محمد بن سعید بن المسیب نے اس علم کو سیکھا[3] اس طرح اسلام مین اس علم کا سلسلہ حضرت ابوبکر صدیق رض کی ذات سے قایم ہوا،

حضرت عایشہ رض بھی علم الانساب کی بہت بڑی ماہر تھین، چنانچہ حضرت عروہ رض کا قول ہے،

ما رایت احدا من الناس اعلم .... بحدیث العرب و النسب من عائشۃ[4]
مین نے کسی کو ایام عرب اور علم نسب کا ماہر حضرت عائشہ رض سے زیادہ نہین دیکھا،

لیکن یہ بھی حضرت ابوبکر رض ہی کا فیض تربیت تھا،

[1] استیعاب تذکرہ حسان بن ثابت رض [2] کتاب البیان و التبیین ج ۱ ص ۱۱۷ [3] کتاب البیان و التبیین ج ۱ ص ۱۱۷ و ۳۳۳ [4] تذکرہ ذہبی ترجمہ عائشہ رض،

علم تاریخ

اسلام سے پہلے اگرچہ عرب مین اور علوم و فنون موجود نہ تھے، تاہم علم الانساب، ایام العرب اور شعر وشاعری نے فن تاریخ کا کافی ذخیرہ فراہم کر دیا تھا، جو اگرچہ اب تک کسی کتاب کی صورت مین مدون نہین ہوا تھا، تاہم عام زبانی روایتون نے اس کے ایک ایک حرف کو محفوظ رکھا تھا، اسلام کے بعد اگرچہ صحابۂ کرام مختلف مہمات مین مشغول ہوگئے، لیکن انھون نے عرب کے اس علمی سرمایہ کو ضایع نہین کیا بلکہ اس کو محفوظ رکھا، چنانچہ نماز فجر کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول طلوع آفتاب تک مصلی پر نشست فرماتے تھے، تو صحابۂ کرام اشعار پڑھتے اور زمانہ جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کرتے تھے اس مقدس صحبت کے علاوہ عموماً ان کی مجلسون مین ان واقعات کا تذکرہ ہوتا تھا، اور اشعار پڑھے جاتے تھے،[۱]

عام صحابہ کے علاوہ جیسا کہ ابھی گذر چکا ہے، جو صحابہ خاص طور پر علم الانساب، اور ایام العرب کے ماہر خیال کیے جاتے تھے، ان مین حضرت ابوبکرؓ سب سے مقدم تھے، حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کا درجہ تھا، ان کے بعد حضرت جبیر بن مطعمؓ تھے جنھون نے اس فن کو حضرت ابوبکرؓ سے سیکھا تھا، حضرت ابوبکرؓ کے فیض تربیت سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقع حضرت عائشہؓ کو ملا تھا، اس لیے ان کو بھی ان فنون مین بہت بڑی دستگاہ حاصل تھی، چنانچہ مسند ابن حنبل مین ہشام بن عروہ سے روایت ہے کہ

کان عروۃ یقول لعائشۃ یا امتاہ لا اعجب — حضرت عروہؓ، حضرت عائشہؓ سے کہتے تھے کہ اے مان

---

[۱] ادب المفرد باب الکبر،

من فہمك اقول زوجة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبنت ابی بکر ولا اعجب من عملك بالشعر وایام الناس اقول ابنة ابی بکر وکان اعلم الناس او من اعلم الناس ولکن اعجب من عملك بالطب کیف هو ومن این هو[۱]

مجھے تمھاری سمجھ پر تعجب نہین آتا، کیونکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بی اور ابوبکرؓ کی بیٹی ہین؛ اور آپ کو ایام العرب اور شاعری کا جو علم حاصل ہے مجھے اس پر بھی تعجب نہین ہوتا، کیونکہ آپ ابوبکرؓ کی بیٹی ہین جو لوگون مین بہت بڑے عالم تھے، لیکن مین آپ کے علم طب پر متعجب ہون کہ یہ آپ کو کیونکر آیا؟ اور کہان سے آیا؟

خود احادیث مین انھون نے اس کثرت سے تاریخی واقعات کی روایت کی ہے کہ اگر انکو ایک جگہ جمع کردیا جائے تو حالات قبل الاسلام، اور واقعات بعد الاسلام کے متعلق ایک متوسط درجہ کا تاریخی رسالہ مرتب ہوسکتا ہے، لیکن خلفاے راشدین کے زمانے تک یہ تمام تاریخی معلومات صرف سینون مین محفوظ تھین، سفینون مین نہین آئی تھین، لیکن حضرت امیر معاویہ کے دور حکومت مین یہ کمی بھی پوری ہوگئی، حضرت امیر معاویہؓ کو فن تاریخ سے نہایت شغف تھا، اس لیے معمولاً روزانہ رات کا تہائی حصہ تاریخی واقعات کے سننے مین بسر کرتے تھے، اس کے بعد سو جاتے تھے، پھر اوٹھتے تھے تو یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہوتا تھا، چنانچہ مسعودی مروج الذہب مین لکھتا ہے،

ویستمر الی ثلث اللیل فی اخبار العرب وایامها والعجم وملوکها وسیاستها لرعیتها وسائر ملوک الامم وحروبها ومکائدها وسیاستها لرعیتها وغیر ذلك من اخبار

وہ ایام عرب، اخبار عرب، اخبار عجم وسلاطین عجم ان کے طریقہ حکمرانی، اور تمام قومون کے بادشاہون انکی لڑائیون کی داؤ گھات، ان کے طرز جہانبانی اور دوسری گذشتہ قومون کے حالات

[۱] مسند ج ۶ ص ۶۷،

الامم السابقة .. ثم يدخل فينام ثلث الليل ثم يقوم فيقعد فيحضر الدفاتر فيها سير الملوك اخبارها والحروب والمكائد فيقرأ ذلك عليه غلمان مرتبون[1]	تہائی شب تک برابر سنتے تھے، پھر اندر جاکر تہائی شب تک سوتے تھے پھر اٹھکر بیٹھتے تھے، تو کتابین لائی جاتی تھین جن مین بادشاہون کے حالات و واقعات اور لڑائیون کے تذکرے درج ہوتے تھے، اور ان کو وہ لڑکے پڑھ کر سناتے تھے جو اس کام پر مامور تھے،

اس تاریخی سلسلے مین حضرت امیر معاویہ کو قبیلہ حمیر کے حالات کی خاص طور پر جستجو و تلاش تھی چنانچہ ان کو حضرت عمرو بن العاص رضہ نے یہ مشورہ دیا کہ آپ عبید بن شریہ کو بلائیے کہ وہ حمیر کے واقعات اور حالات کا سب سے زیادہ ماہر ہے، چنانچہ انھون نے اس کو طلب کیا تو اس نے ان معلومات کو ایک کتاب کی صورت مین قلمبند کر دیا[2]، اور غالبًا یہ پہلی تاریخی کتاب تھی جو اسلام مین لکھی گئی، اور اس لحاظ سے اسلام مین فن تاریخ کی ابتدا صحابۂ کرام کے عہد مبارک مین ہوئی،

[1] مروج الذہب برحاشیہ نفح الطیب ج دوم ص ۲۲۵ [2] اصابہ تذکرہ عبید بن شریہ،

شعروشاعری[1]

صحابۂ کرام اگرچہ اکثر ملکی مہمات، مذہبی خدمات اور علمی مشاغل مین مصروف رہتے تھے، تاہم ان مین شعروسخن کا مذاق عام طور پر پایا جاتا تھا، اس لیے جب ان مشاغل سے فرصت ہوتی تھی تو خود اشعار پڑھتے تھے، دوسرون سے اشعار پڑھوا کر سنتے تھے، اور ان سے لطف اندوز ہوتے تھے، چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول بعد نماز فجر طلوع آفتاب تک مصلی پر نشست فرماتے تھے تو اس حالت مین صحابۂ کرام زمانہ جاہلیت کے واقعات کا ذکر کرتے تھے، اشعار پڑھتے تھے، ہنستے تھے، اور آپ ان تذکرون کو سنکر مسکراتے تھے[2]

اس مقدس صحبت کے علاوہ ان کی مجالس مین عام طور پر شعروشاعری کا چرچا رہتا تھا، اور یہ ان کی زندہ دلی کی ایک بڑی علامت تھی، چنانچہ ادب المفرد مین ہے،

لم یکن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متحزقین ولا متماوتین، وکانوا یتناشدون الشعر فی مجالسهم ویذکرون امر جاهلیتهم[3]

صحابۂ رسول اللہ مردہ دل اور خشک مزاج نہ تھے وہ اپنی مجلسون مین اشعار پڑھتے تھے، اور زمانہ جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کرتے تھے،

---

[1] شاعری صحابۂ کرام کے مفاخر مین داخل نہین ہے، اس لیے ہمنے اس عنوان کو کسیقدر اختصار کے ساتھ لکھا ہے، حسن الصحابہ فی شرح اشعار الصحابۃ کے نام سے حال مین ایک کتاب شایع ہوئی ہے، جن لوگون کو صحابۂ کرام کے اشعار دیکھنا ہون وہ اسکو ملاحظہ فرماسکتے ہین [2] نسائی کتاب الامامۃ باب قعود الامام فی مصلاہ بعد التسلیم [3] ادب المفرد باب

خلفاء میں حضرت عمرؓ اگرچہ ہمیشہ بڑی بڑی مہمات ملکی میں مصروف رہتے تھے، تاہم جب موقع ملتا تھا تو نہایت شوق سے شعراء کے اشعار سنتے تھے، اور ان سے لطف اٹھاتے تھے، ایک بار سفر حج کو نکلے تو قافلہ کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ بھی تھے لوگوں نے حضرت خواتؓ سے کہا کہ ضرار بن خطاب کے اشعار سناؤ، لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان کو اپنے ہی اشعار سنانے دو، چنانچہ وہ صبح تک متصل اپنے اشعار پڑھتے رہے، صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا، اب بس[1] کرو، ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے رات بھر اشعار پڑھوایا کیے، جب صبح ہونے لگی تو کہا کہ اب قرآن پڑھو،

یہ ذوق صرف سننے سنانے اشعار پر موقوف نہ تھا، بلکہ ان کو بذات خود ہر قسم کے اشعار اس کثرت سے یاد تھے کہ جب کوئی واقعہ پیش آتا تو اس پر کوئی نہ کوئی شعر ضرور پڑھ دیتے تھے، اس کے ساتھ بہت بڑے ناقد فن تھے اور تمام شعراء کے کلام کے متعلق اس قدر صحیح رائیں رکھتے تھے کہ تمام اہل ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ ان کے زمانے میں ان سے بڑھکر کوئی شعر کا پرکھنے والا نہ تھا چنانچہ علامہ ابن رشیق القیروانی کتاب العمدہ میں لکھتے ہیں،

وکان من انقد ہم للشعر و انفذ ہم فیہ معرفتہ،[2]	یعنی حضرت عمرؓ اپنے زمانے میں سب سے بڑھکر شعر کے نقاد اور رمز شناس تھے،

جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں لکھا ہے،

کان عمر بن الخطاب اعلم الناس بالشعر،[3]	یعنے حضرت عمر بن الخطابؓ اپنے زمانے میں سب سے بڑھکر شعر کے شناسا تھے،

---

[1] اصابہ تذکرہ حضرت خوات بن جبیرؓ [2] کتاب البیان والتبیین ج ۱ ص ۰۰ [3] کتاب العمدہ ذکر اشعار الخلفاء ص ۱۲،

[3] کتاب البیان والتبیین مطبوعہ مصر ص ۹۷

خود ان کے زمانے کے مشہور شعراء نے ان کی اس خصوصیت کا اعتراف کیا ہے چنانچہ انھون نے حطیہ کو جو مشہور ہجو گو تھا، ہجو گوئی کے جرم مین قید کر دیا تھا، لیکن جب اس کو رہا کیا تو فرمایا کہ اب ہجو مقذع نہ کہنا، اس نے کہا اے امیرالمومنین ہجو مقذع کیا چیز ہے؟ بولے یہ کہ تم ہی کو کسی پر ترجیح دو، یا ایک شخص کی مدح اور اس کے مقابل مین دوسرے کی ہجو کرو، اس نے یہ سنکر کہا اے امیر المومنین آپ تو مجھ سے بھی زیادہ اسالیب شعر کے ماہر ہین[1]، حضرت عمرؓ کو اگرچہ تمام مشہور شعراء کے کلام پر عبور تھا، لیکن تین شاعرون کو انھون نے سب مین انتخاب کر لیا تھا، امرء القیس، زہیر، نابغہ، ان سب مین وہ زہیر کا کلام سب سے زیادہ پسند کرتے تھے اور اس کو اشعر الشعراء کہا کرتے تھے، اہل عرب اور علماے ادب کے نزدیک اب تک یہ مسئلہ طے نہین ہوا کہ عرب کا سب سے بڑا شاعر کون تھا؟ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ افضلیت انھی تینون مین محدود ہے، حضرت عمرؓ کے نزدیک زہیر کو سب پر ترجیح تھی، اور جریر بھی اسی کا قائل تھا، ایک دفعہ ایک غزوہ مین حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان کے ساتھ تھے، انھون نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ اشعر الشعراء کے اشعار پڑھو، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ وہ کون؟ فرمایا زہیر، انھون نے ترجیح کی وجہ پوچھی؟ اس کے جواب مین یہ الفاظ فرمائے،

کان لا یعاظل بین الکلام ولا یتبع حوشیہ ولا یمدح الرجل الا بما فیہ[2]،

وہ نامانوس الفاظ کی تلاش مین نہین رہتا، اس کے کلام مین پیچیدگی نہین ہوتی، اور جب کسی کی مدح کرتا ہے، تو انھی اوصاف کا ذکر کرتا ہے جو واقعی اس مین ہوتے ہین،

اور ناقدین فن نے بھی زہیر کی جو خصوصیتین بتائی ہین وہ یہی ہین،

---

[1] کتاب العمدہ ج ۲ ص ۲۳۸ [2] کتاب العمدہ باب المشاہیر من الشعراء ج ۱ صفحہ ۶۲

خلفاء میں حضرت عمرؓ اگرچہ ہمیشہ بڑی بڑی مہمات ملکی میں مصروف رہتے تھے۔ تاہم جب موقع ملتا تھا تو نہایت شوق سے شعراء کے اشعار سنتے تھے، اور ان سے لطف اٹھاتے تھے، ایک بار سفر حج کو نکلے تو قافلہ کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی تھے لوگوں نے حضرت خواتؓ سے کہا کہ "ضرار بن خطاب کے اشعار سناؤ"، لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان کو اپنے ہی اشعار سنانے دو، چنانچہ وہ صبح تک متصل اپنے اشعار پڑھتے رہے، صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا "اب بس[1] کرو"، ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے رات بھر اشعار پڑھوایا کیے، جب صبح ہونے لگی تو کہا کہ اب قرآن پڑھو،

یہ ذوق صرف سننے سنانے اشعار پر موقوف نہ تھا، بلکہ ان کو بذات خود ہر قسم کے اشعار اس کثرت سے یاد تھے کہ جب کوئی واقعہ پیش آتا تو اس پر کوئی نہ کوئی شعر ضرور پڑھ دیتے تھے[2]، اس کے ساتھ بہت بڑے ناقد فن تھے، اور تمام شعراء کے کلام کے متعلق اس قدر صحیح رائیں رکھتے تھے کہ تمام اہل ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ ان کے زمانے میں ان سے بڑھکر کوئی شعر کا پرکھنے والا نہ تھا چنانچہ علامہ ابن رشیق القیروانی کتاب العمدہ میں لکھتے ہیں،

وکان من انقد زمانہ للشعر، انفذھم فیہ معرفۃ[3]، — یعنی حضرت عمرؓ اپنے زمانے میں سب سے بڑھکر شعر کے نقاد اور رمز شناس تھے،

جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں لکھا ہے،

کان عمر بن الخطاب اعلم الناس بالشعر[4]، — یعنی حضرت عمر بن الخطابؓ اپنے زمانے میں سب سے بڑھکر شعر کے شناسا تھے،

---

[1] اصابہ تذکرہ حضرت خوات بن جبیرؓ [2] کتاب البیان والتبیین ج ۲ ص ۰ ۹ [3] کتاب العمدہ ذکر اشعار الخلفاء ص ۱۲، [4] کتاب البیان والتبیین مطبوعہ مصر ص ۹۷،

خود ان کے زمانے کے مشہور شعراء نے ان کی اس خصوصیت کا اعتراف کیا ہے چنانچہ انھون نے حطیہ کو جو مشہور ہجو گو تھا، ہجو گوئی کے جرم مین قید کر دیا تھا، لیکن جب اس کو رہا کیا تو فرمایا کہ اب ہجو مقذع نہ کہنا، اس نے کہا اے امیر المومنین ہجو مقذع کیا چیز ہے؟ بولے یہ کہ تم کسی کو کسی پر ترجیح دو، یا ایک شخص کی مدح اور اس کے مقابل مین دوسرے کی ہجو کرو، اس نے یہ سنکر کہا اے امیر المومنین آپ تو مجھسے بھی زیادہ اسالیب شعر کے ماہر ہین[1]، حضرت عمرؓ کو اگرچہ تمام مشہور شعراء کے کلام پر عبور تھا، لیکن تین شاعرون کو انھون نے سب مین انتخاب کر لیا تھا، امراء القیس، زہیر، نابغہ، ان سب مین وہ زہیر کا کلام سب سے زیادہ پسند کرتے تھے اور اس کو اشعر الشعراء کہا کرتے تھے، اہل عرب اور علماے ادب کے نزدیک اب تک یہ مسئلہ طے نہین ہوا کہ عرب کا سب سے بڑا شاعر کون تھا؟ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ افضلیت انھی تینون مین محدود رہے، حضرت عمرؓ کے نزدیک زہیر کو سب پر ترجیح تھی، اور جریر بھی اسی کا قائل تھا، ایک دفعہ ایک غزوہ مین حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ان کے ساتھ تھے، انھون نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے کہا کہ اشعر الشعراء کے اشعار پڑھو، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے کہا کہ وہ کون؟ فرمایا زہیر، انھون نے ترجیح کی وجہ پوچھی؟ اس کے جواب مین یہ الفاظ فرمائے،

کان لا یعاضل بین الکلام ولا یتبع حوشیہ ولا یمدح الرجل الا بما فیہ[2]،	وہ نامانوس الفاظ کی تلاش مین نہین رہتا، اس کے کلام مین پیچیدگی نہین ہوتی، اور جب کسی کی مدح کرتا ہے، تو انھی اوصاف کا ذکر کرتا ہے جو واقعی اس مین ہوتے ہین،

اور ناقدین فن نے بھی زہیر کی جو خصوصیتین بتائی ہین وہ یہی ہین،

---

[1] کتاب العمدہ ج ۲ ص ۲۳۸ [2] کتاب العمدہ باب المشاہیر من الشعراء ج ۱ صفحہ ۶۲

زہیر کے بعد وہ نابغہ کے معترف تھے اور اس کے اکثر اشعار ان کو یاد تھے، امام شعبی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ سب سے بڑا شاعر کون ہے؟ لوگوں نے کہا آپ زیادہ کون جانتا ہے، فرمایا شعر کس کا ہے؟

اتیتک عاریا خلقا ثیابی — علی خوف تظن بی الظنون

لوگوں نے کہا نابغہ کا، پھر پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟

حلفت فلم اترک لنفسک ریبۃ — ولیس وراء اللہ للمرء مذہب

لوگوں نے کہا نابغہ کا، فرمایا یہ شخص اشعر العرب ہے[1]،

باں ہمہ وہ امرء القیس کی استادی اور ایجاد مضامین کے منکر نہ تھے، ایک دفعہ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ نے شعراء کی نسبت ان کی رائے پوچھی، تو امرء القیس کی نسبت یہ الفاظ فرمائے،

سابقھم خسف لھم عین الشعر فافتقر — وہ سب سے آگے ہے، اسی نے شعر کے چشمے سے پانی نکالا

عن معان عور اصح بصر[2] — اسی نے ندرت مضامین کو بینا کیا،

حضرت عمرؓ کے ذوق سخن کا یہ حال تھا کہ اچھا شعر سنتے تھے تو بار بار مزے لے لیکر پڑھتے تھے، ایک دفعہ زہیر کے اشعار سن رہے تھے، یہ شعر آیا،

وان الحق مقطعہ ثلاث — یمین او نفار او جلاء

تو حسن تقسیم پر بہت محظوظ ہوئے اور دیر تک بار بار اس شعر کو پڑھا کیے، ایک اور دفعہ عبدۃ بن الطیب کا لامیہ قصیدہ سن رہے تھے: اس شعر کو سنکر

والمرء ساع لامر لیس یدرکہ — والعیش شح واشفاق وتامیل

---

[1] آغانی تذکرہ نابغہ ج ۹ ص ۱۶۵ جن اشعار کے متعلق حضرت عمرؓ نے سوال کیا ہے آغانی میں ان کی تعداد زیادہ ہے، [2] کتاب العمدہ ج ۱ ص ۵۹ باب المشاہیر من الشعراء

پھڑک اٹھے اور دوسرا مصرع بار بار پڑھتے رہے، اسی طرح ابوقیس بن الاصلت کا قصیدہ سنا تو بعض اشعار کو دیر تک دہرایا کیے،[۱]

حضرت ابوبکر صدیق رض اگرچہ زہد مجسم تھے، تاہم شعر وسخن کے بڑے ادا شناس تھے اور خود شعر کہتے تھے، چنانچہ ایک غزوہ میں ایک مستقل قصیدہ لکھا ہے، جس کے چند شعر یہ ہیں،

امن طیف سلمی بالبطاح الدمائث — ارقت وامر فی العشیرۃ حادث

تم وادی میں سلمی کے خیال سے — جاگتے رہے یا کوئی واقعہ قبیلہ میں پیش آیا،

تری من لوی فرقۃ لا یصدھا — عن الکفر تذکیر ولا بعث باعث

تم قبیلہ لوی کو ایک گروہ کو دیکھتے ہو — کہ اسکو کفر سے نہ وعظ و پند روک سکتی، نہ نبوت و بعثت،

رسول اتاھم صادق فکذبوا — علیہ وقالوا لست فینا بماکث

ان کے پاس ایک سچا پیغمبر آیا جس کو — ان لوگوں نے جھٹلایا، اور کہا کہ تم ہم میں ٹھہرنے والے نہیں ہو،

اذا ما دعوناھم الی الحق ادبروا — وھروا ھریر المجحرات اللواہث

جب ہم نے ان کو دعوت حق دی — تو ان لوگوں نے پشت پھیر لی اور کتے کی طرح بھونکنے لگے

حضرت عثمان رض کے اخلاقی اشعار کا نمونہ یہ ہے،

غنی النفس یغنی النفس حتی یکفھا — وان عضھا حتی یضر بھا الفقر

نفس کی بے نیازی نفس کو بے نیاز کر دیتی ہے — گو اس کو احتیاج شدت کا ہی کیوں نہ کھائے

وما عسرۃ فاصبر لھا ان لقیتھا — بکائنۃ الا سیتبعھا یسر

اگر تنگ دستی پر صبر کرو گے — تو فراخ دستی لازمی طور پر حاصل ہوگی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے غزوہ صفین کے متعلق نہایت پرجوش اشعار کہے ہیں چنانچہ

---

[۱] کتاب البیان والتبیین مطبوعہ مصر ص ۹۷ و ۹۹،

اس غزوہ میں قبیلہ ہمدان کی اعانت کا ذکر ان اشعار میں کیا ہے،

ولما رأیت الخیل ترجم بالقنا — نواصیها حمر النحور دوامی

اور جب میں نے ان گھوڑوں کو دیکھا — جن کے سینے سرخ اور خون آلود تھے

واعرض نقع فی السماء کانه — عجاجته دجن ملبس بقتام

اور آسمان کی فضا — نہایت تاریک اور سیاہ گرد و غبار سے بھر گئی

ونادی ابن هند فی الکلاع وحمیر — وکندة فی لخم وحی جذام

اور ابن ہند نے قبیلہ کلاع، حمیر — کندہ، لخم اور جذام کو پکارا

تیممت همدان الذین هم هم — اذا ناب دهر جنتی وسهامی

تو میں نے ہمدان کی طرف رخ کیا — جو حوادثات میں میرے سپر اور میرے تیر ہیں

فجاوبنی من خیل همدان عصبة — فوارس من همدان غیر لئام

تو ہمدان کے ایک گروہ نے — میری صدا پر لبیک کہا، جو نہایت شریف سوار تھے

فخاضوا لظاها واستطاروا شرارها — وکانوا لدی الهیجا کشرب مدام

وہ لوگ لڑائی کے شعلوں میں گھس گئے — اور اس کی چنگاریوں کو بکھیر دیا اور جنگ میں بطرح متوالے شرابی کے

فلو کنت بوابا علی باب جنة — لقلت لهمدان ادخلوا بسلام

تو اگر میں جنت کا دربان ہوتا — تو ہمدان سے کہتا کہ اطمینان کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ

خلفاء کے علاوہ اور جتنے صحابہ تھے سب کے سب شعر و سخن کا ذوق رکھتے تھے، چنانچہ زمانہ حال کے ایک مصنف نے جمہرۃ العرب کے حوالے سے لکھا ہے،

ولم یبق من الصحابة من لم یقل الشعر او یتمثل به[۵] — کوئی صحابی ایسا نہ تھا جس نے کوئی نہ کوئی شعر نہ کہا ہو یا نہ پڑھا ہو،

[۵] جمہرۃ العرب صفحہ ۱۶ بحوالہ آداب اللغۃ العربیہ للجرجی زیدان۔

اور کتاب العمدہ مین خود خاندان رسالت کے متعلق تصریح کی ہے،

ولیس من بنی عبد المطلب رجالا و نساءً	بنو عبد المطلب کے مردون اور عورتون مین رسول اللہ
من لم یقل الشعر حاشی النبی صلی اللہ علیہ وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی ایسا نہ تھا جس نے
	شعر نہ کہا ہو،

اور اس کے بعد حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ، حضرت ابوسفیانؓ، حضرت فاطمہؓ وغیرہ کے متعدد اشعار نقل کیے ہین،

لیکن تمام صحابہ مین شاعرانہ حیثیت سے چار بزرگ یعنی حضرت حسان بن ثابتؓ حضرت کعب بن مالکؓ، حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ اور حضرت کعب بن زہیرؓ خصوصیت کے ساتھ ممتاز

ان چارون بزرگون مین حضرت حسانؓ بن ثابتؓ مخضرمی شاعر ہین یعنی انھون نے جاہلیت اور اسلام دونون مین شعر کہے ہین، اور دونون زمانون مین داد سخن دی ہے، زمانہ جاہلیت مین وہ بہترین شاعر تسلیم کیے جاتے تھے، اور ملوک غسان سے جو ان کے ممدوح تھے گران قیمت صلے پاتے تھے، ان سلاطین کی مدح مین انھون نے جو قصائد لکھے ہین، ان مین عرب کے مشہور شاعر حطیہ نے اس شعر کو بہترین مدحیہ شعر تسلیم کیا ہے،

یغشون حتی ما تھر کلابھم	لا یسئلون عن السواد المقبل

عبد الملک ابن مردان کا قول ہے،

ان امدح بیت قالتہ العرب	اہل عرب نے جو بہترین مدحیہ اشعار کہے ہین ان مین
بیت حسان ھذا	حسانؓ کا یہ شعر سب سے بہتر ہے،

ابو عبیدہ کا قول ہے کہ شہری باشندون مین اہل عرب کے نزدیک سب سے بڑے شاعر یثرب کے

لہ کتاب مذکور ج ۱ ص ۱۵ ۲ حضرت حسانؓ کے یہ حالات استیعاب و طبقات الشعرا لابن قتیبہ سے ماخوذ ہین

لوگ تھے۔ اس کے بعد قبیلہ عبد القیس، پھر قبیلہ ثقیف کے لوگ بڑے شاعر تسلیم کیے جاتے تھے، لیکن ان سب مین حضرت حسان بن ثابتؓ سب سے بڑے شاعر تھے۔ زمانۂ اسلام مین وہ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر تھے، اور یہ انکا سب سے بڑا امتیازی وصف خیال کیا جاتا تھا۔ ابو عبیدہ کا قول ہے کہ حسان کو تمام شعراء پر جو ترجیح حاصل ہے اس کے تین سبب ہین، ایک یہ کہ وہ زمانہ جاہلیت مین انصار کے شاعر تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر ہوئے، اس کے بعد زمانہ اسلام مین تمام یمن کے شاعر تسلیم کیے گیے، لیکن ان مین ان کا اصلی شرف یہ ہے کہ ان کو ان کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا شاعر منتخب فرمایا، چنانچہ مشرکین قریش مین عبد اللہ ابن الزبعری، ابوسفیان بن حارث، عمرو بن العاص، اور ضرار ابن خطاب نے آپ کی ہجو گوئی شروع کی، تو آپ نے فرمایا

ما یمنع القوم الذین نصروا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسلاحھم ان ینصروہ بالسنتھم	جس قوم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد ہتھیار سے کی وہ انکی زبان سے کیون آپ کی مدد نہین کرتی،

یہ سنکر حضرت حسان بن ثابتؓ نے کہا اس کام کے لیے مین تیار ہون، اس کے بعد آپ کی طرف سے کفار کی شاعرانہ مدافعت انکا عام مشغلہ ہو گیا، اور بارگاہ نبوی مین ان کی اس خدمت کو اس قدر حسن قبول حاصل ہوا کہ آپ نے ایک موقع پر فرمایا،

اھجھم و روح القدس معک	کفار کی ہجو کہو روح القدس تمہارے ساتھ ہے،

ایک بار یہ دعا دی،

اللھم ایدہ بروح القدس	خداوندا روح القدس کے ذریعہ سے ان کی تائید کر،

ایک دفعہ ان کی ہجوون کی ان الفاظ مین داد دی،

ان قولہ فیھم اشد من وقع النبل — کفار کے دلوں میں ان کے اشعار تیر سے زیادہ اثر کرتے ہیں،

آپ نے مسجد نبوی میں ان کے لیے ایک منبر بھی بنوا دیا تھا جس پر بیٹھ کر وہ ان ہجویہ اشعار کو سناتے تھے،

حضرت کعبؓ بن مالکؓ بھی مخضرمی شاعر ہیں، یعنی وہ زمانۂ جاہلیت میں بھی مشہور شاعر تھے

اور اسلام میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص شاعر ہونے کی حیثیت سے صاحب امتیاز

ہوئے، چنانچہ استیعاب میں ہے،

وانتدب لھجو المشرکین ثلاثۃ من الانصار	مشرکین کی ہجوگوئی کی خدمت انصار کے تین شخصوں
حسان بن ثابت وکعب بن مالک	نے قبول کی یعنی حسان بن ثابتؓ کعب بن مالکؓ
وعبد اللہ بن رواحۃ،	اور عبد اللہ بن رواحہؓ نے،

لیکن ان تینوں بزرگوں کی ہجوگوئی کا موضوع مختلف تھا حضرت حسان بن ثابتؓ مشرکین کے

نسب پر حملہ کرتے تھے، حضرت عبد اللہ بن رواحہ ان پر کفر کا الزام لگاتے تھے، اور حضرت کعبؓ

بن مالکؓ ان کو لڑائی کی دھمکیاں دے دے کر ڈراتے رہتے تھے، چنانچہ ایک روایت میں ہے،

کہ قبیلہ دوس نے ان کے ان اشعار سے خوف زدہ ہو کر اسلام قبول کیا.

قضینا من تھامۃ کل وتر	وخیبر ثم اجمعنا السیوفا
ہم نے تھامہ اور خیبر سے	انتقام لے کر تلوار میان میں کر لی
نخیرھا ولو نطقت لقالت	قواطعھن دوسا او ثقیفا
اب ہمنے اپنی تلواروں کو قبائل کے انتخاب کا حق دیدیا ہے	اگر وہ بولتیں تو دوس اور ثقیف کا نام لیتیں

خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اشعار کو نہایت شوق سے سنتے تھے اور داد دیتے

تھے ایک بار آپ ان کے مکان پر تشریف لے گئے، تو انھوں نے گھر سے نکل کر اشعار سنائے،

لہ استیعاب واغانی تذکرہ حضرت کعب بن مالکؓ،

آپ نے ان کو سنکر فرمایا "و" انھون نے پھر اشعار پڑھے، آپ نے دوبارہ فرمایا "و" اسی طرح آپ نے تین بار فرمایش کرکے اشعار سنے، اور اخیر مین فرمایا،

لهذا اشد علیهم من وقع النبل — کفار پر ان کی زد تیر سے بھی زیادہ سخت ہے،

حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ نہایت بدیہہ گو شاعر تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسبِ حال اشعار کہنے کی فرمایش کی تو انھون نے اسی وقت اٹھکر برجستہ یہ اشعار سنائے،

انی تفرست فیک الخیر اعرفہ	واللہ یعلم ان ما خاننی البصر
مین نے آپ کی ذات مین نیکی کو دیکھا	اور خدا کی قسم میری آنکھون نے مجھکو دھوکا نہین کھایا
انت النبی ومن یحرم شفاعتہ	یوم الحساب لقد ازری بہ القدر
آپ پیغمبر ہین اور جو شخص	قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے محروم ہیگا وہ بدقسمت ہے

بخاری مین بھی ان کے متعدد رجز اور متعدد نعتیہ اشعار موجود ہین، لیکن ان کی شاعری کا اصلی موضوع کفار کی ہجو گوئی تھا، اور اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ غزوۂ احزاب سے واپس آنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج سے کفار تم سے لڑائی نہ کرین گے، بلکہ تمھاری ہجو کہینگے، تو مسلمانون کی عزت کو تم مین کون محفوظ رکھے گا؟ حضرت عبد اللہ ابن رواحہؓ یہ سنکر اٹھے، اور فرمایا کہ "مین" اس کے بعد سے انکا یہ مخصوص مشغلہ ہوگیا، چنانچہ وہ ہمیشہ کفار کی ہجو کہتے تھے، اور ان پر صرف کفر کا الزام لگاتے تھے، لیکن ان کے رفقاء یعنی حضرت حسان ابن ثابتؓ اور حضرت کعبؓ بن مالک ان کے نسب پر حملہ کرتے تھے اور جنگ کی دھمکی دیتے تھے، جب تک کفر اور زمانۂ جاہلیت کا نشہ سر مین تھا کفار پر انہی دونون بزرگون کی ہجو مین اثر

لہ استیعاب تذکرہ حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ تذکرہ حضرت حسان بن ثابتؓ و اغانی تذکرہ حضرت کعب بن مالکؓ،

کرتی تھین، لیکن جب یہ نشہ اتر گیا تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے اشعار کفار پر ان سے زیادہ اثر کرنے لگے،

حضرت کعب ابن زہیرؓ بھی مخضرمی شاعر ہین اور انکا شمار عرب کے بہترین شعرا مین ہے، عرب مین اسلام کا چرچا پھیلا تو وہ اور ان کے بھائی بجیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہونے کے لیے روانہ ہوئے، چنانچہ ایک مقام پر پہونچکر حضرت کعبؓ ٹھہر گئے، اور بجیرؓ نے آپ کی خدمت مین حاضر ہوکر اسلام قبول کیا، حضرت کعبؓ کو ان کے اسلام لانے کا حال معلوم ہوا تو یہ اشعار کہے،

الا ابلغا عنی بجیرا رسالة	علی ای شئ ویب غیرک دلکا
میری طرف سے بجیر کو یہ پیغام پہونچا دو	کہ کس چیز کی طرف تمھاری غیر نے تمھاری رہنمائی کی
علی خلق لم تلف اما ولا ابا	علیہ ولم تدرک علیہ اخالکا
اس خلق کی طرف جس پر نہ تمھاری ماں تھی	نہ تمھارا باپ اور نہ تمھارا بھائی
سقاک ابو بکر بکاس رویة	فانھلک المامون منہا وعلکا
ابو بکرؓ نے تم کو چھلکتے ہوے پیالے	بار بار پلا ئے،

لیکن اس کے بعد خود مسلمان ہوگئے اور ایک قصیدہ کہکر آپ کی خدمت مین حاضر ہوے اس وقت آپ مسجد نبویؐ مین تشریف فرما تھے اور ارد گرد صحابہ کی صفین تھین، حضرت کعبؓ صفون کو چیرتے ہوے آپ کے پاس پہونچے اور اپنا مشہور قصیدہ بانت سعاد پڑھنا شروع کیا، جب ان اشعار تک پہونچے،

ان الرسول لسیف یستضاء بہ	مہند من سیوف اللہ مسلول
رسول اللہ دست خدا کی کھینچی ہوئی	ایک ہندی تلوار ہین جس سے روشنی حاصل کیجاتی ہے

فی فتیۃ من قریش قال قائلھم ببطن مکۃ لما اسلموا زولوا

قریش کے نوجوانون مین سے ایک نے مکہ مین اسلام لانے کے بعد کہا ہجرت کرجاؤ

توآپ نے صحابہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کعب کے ان اشعار کو سنو،

آپ نے اس قصیدہ کے صلے مین ان کو خود اپنی چادر عطا فرمائی، جس کو امیر معاویہ نے خرید لیا اور ان کے بعد تمام خلفاء عیدین مین وہی چادر اوڑھ کر نکلتے تھے۔[۱]

لیکن اس شاعرانہ ذوق کے ساتھ صحابہ کرام نے اپنے اصلی منصب کو فراموش نہین کیا، اس لیے ادبی حیثیت کے ساتھ زیادہ تر اخلاقی حیثیت سے اشعار عرب کی ترویج و اشاعت کی، چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو یہ فرمان بھیجا،

مر من قبلک بتعلم الشعر فانہ یدل علی معالی الاخلاق وصواب الرای ومعرفۃ الانساب[۲] — لوگون کو اشعار یاد کرنے کا حکم دو، کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتون صحیح راے اور انساب کی طرف رستہ دکھاتے ہین،

تمام اضلاع مین جو حکم بھیجا اس کے الفاظ یہ تھے،

علموا اولادکم العوم والفروسیۃ ورووھم ما سار من المثل وحسن من الشعر[۳] — اپنی اولاد کو تیرنا، اور شہسواری سکھاؤ اور ضرب المثلین اور عمدہ اشعار یاد کراؤ،

بعض روایتون مین یہ الفاظ ہین،

رووا من الشعر اعفہ — ان سے پاکیزہ اشعار کی روایت کرواؤ،

---

[۱] اغانی و استیعاب و اصابہ تذکرہ حضرت کعب ابن زہیرؓ [۲] کتاب العمدہ ج ۱ صفحہ ۱۰ [۳] کتاب البیان والتبیین مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۱۴۳،

حضرت امیر معاویہؓ شعر کو ایک بہترین اخلاقی طاقت سمجھتے تھے، اور اسی بنا پر لوگون کو اس کے یاد کرنے کی ترغیب دیتے تھے، چنانچہ ایک بار فرمایا،

یجب علی الرجل تادیب ولدہ والشعر اعلی مراتب الادب،	آدمی پر اپنی اولاد کی تادیب فرض ہے، اور ادب کا بلند ترین مرتبہ شعر ہے،

ایک بار اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر لوگون کو ہدایت کی،

اجعلوا الشعر اکبر ہمکم واکثر دابکم فلقد رایتنی لیلۃ الہریر بصفین وانا ارید الحذر لشدۃ البلوی فما حملنی علی الاقامۃ الا ابیات عمرو بن الاطنابۃ[1]	شعر کو اپنا سب سے بڑا مطمح نظر بنا لو، اور اس کے عادی ہو جاؤ، کیونکہ جنگ صفین مین لیلۃ الہریر کو مین نے بھاگنا چاہا تو مجھکو عمرو بن الاطنابہ کے اشعار نے ثابت قدم رکھا،

صحابہ کرام نے شعر و شاعری کے وہ تمام عیوب بھی مٹا دیئے جو بد اخلاقی کی طرف منجر ہوتے تھے مثلاً صحابہ کرام کے زمانے تک تمام عرب مین یہ طریقہ جاری تھا کہ شعراء علانیہ شریف عورتون کا نام اشعار مین لاتے تھے اور ان سے اپنا عشق جتاتے تھے لیکن حضرت عمرؓ نے اس طریقہ کو بالکل مٹا دیا اور اس کی سخت سزا مقرر کی، اسی طرح ہجو گوئی کو بھی ایک جرم قرار دیا اور حطیہ کو جو مشہور ہجو گو تھا، اس جرم مین قید کر دیا، لیکن ان تمام باتون کے ساتھ اہل ادب نے یہ تسلیم کیا ہے کہ زمانۂ اسلام مین شاعری دفعۃً اپنے اوج کمال سے گر گئی، اور صحابہ کرام نے اس کو بحیثیت فن کے کسی قسم کی ترقی نہین دی جس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ عرب مین فخر و غرور، جنگجوئی، انتقام اور عشق و ہوس وغیرہ شاعری کا اصلی عنصر تھے اور اسلام نے ان تمام اخلاقی برائیون کو مٹا کر صحابہ کرام کو خیر مجسم بنا دیا تھا، اس لیے ان کی ذات مین خیر و شر کے یہ دونون متضاد عناصر جمع نہو سکے چنانچہ

[1] کتاب العمدہ ج ۱ ص ۱۰،

اصمعی نے صاف صاف کہدیا،

الشعر نکد یا بہ الشر فاذا دخل فی الخیر ضعف ھذا حسان بن ثابت فحل من فحول الجاھلیۃ فلما جاء الاسلام سقط شعرہ[1]

شعر کو نیکی سے کوئی تعلق نہین، اس کا دروازہ بُرائی ہے، جب وہ نیکی کے دروازے مین داخل ہوتا ہے تو کمزور ہو جاتا ہے، مثلاً حسان بن ثابت رض کا شمار جاہلیت کے اکابر شعرا مین تھا، لیکن جب اسلام آیا تو ان کے اشعار پست ہو گئے،

[1] طبقات الشعرا لابن قتیبہ تذکرہ حسان بن ثابت رض،

خطابت

اور

زورتقریر

اہل عرب مین ابتدا ہی سے خطابت اور تقریر کا ملکہ موجود تھا، اور خود زمانۂ جاہلیت مین بڑے بڑے خطبا، گذر چکے تھے، لیکن اس قوت سے جو کام لیے جا سکتے تھے زمانۂ جاہلیت مین انکا دائرہ محدود تھا، اس لیے اس زمانے مین خطابت اور زورتقریر کو وہ اقتدار واثر حاصل نہ ہوسکا، جو شعروشاعری کو حاصل تھا، لیکن زمانۂ اسلام مین یہ حالت بدل گئی، اور سیاسی واقعات، اور غزوات، وفتوحات نے عرب کی پرجوش طبیعتون کے لیے بہت سے نئے میدان کھول دیے، جن مین ان کو زبان آوری کے جوہر دکھانے کا موقع ملا اس بناپر اسلام کے بعد اگرچہ عربی شاعری مین زمانہ جاہلیت کا زور باقی نہ رہا تاہم اس کی طاقت، خطابت اور تقریر کی طرف منتقل ہوگئی، اور صحابۂ کرام کی حقیقی زندگی کے پہلے ہی دن سے اس کے کامیاب نتائج ظاہر ہونے لگے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام مین جو خطرناک اضطرابی حالت پیدا ہوگئی، اس کے مٹانے کے لیے حضرت ابوبکرؓ نے جو خطبہ دیا وہ صرف چند فقرون پر مشتمل تھا،

الا من کان یعبد محمدا فان محمدا صلعم قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت انک میت	ہان! جو لوگ پرستاران محمدؐ تھے، ان کو معلوم ہوجانا چاہیے کہ محمدؐ وفات پاچکے، لیکن جو لوگ پرستاران خدا مین ان کو معلوم ہوجانا چاہیے کہ خدا زندہ ہے،

وانهم ميتون، وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم على اعقابكم ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئا وسيجزي الله الشاكرين،

مرا نہین، خدا اپنے پیغمبر سے خود کہتا ہے، تو مریگا اور تمام لوگ مرین گے، محمدؐ تو صرف ایک پیغمبر تھے، ان کے پہلے بھی اور پیغمبر گذر چکے ہین تو کیا اگر وہ مر گئے یا شہید ہو گئے تو تم لوگ پھر رجعت قہقری کر جاؤ گے یقین کرو کہ جو لوگ مرتد ہو جائین گے وہ خدا کو کچھ نقصان نہ پہونچا ئینگے، اور خدا شکر کرنیوالون کو جلد جزاے خیر دیگا،

لیکن ان ہی چند فقرون کا یہ اثر ہوا کہ روتے روتے لوگون کی ہچکیان بندھ گئین اور لوگ نکلے تو اس آیت کو پڑھتے ہوئے نکلے، اس کے بعد جب خلافت کے لیے انصار و مہاجرین کے دو جتھے قایم ہوگئے اور انصار نے علانیہ کہا،

منا امیر ومنکم امیر،

ایک امیر ہم مین سے ہو اور ایک تم مین سے،

تو ان کی طرف سے حضرت سعد بن عبادہؓ نے ایک پر زور تقریر کی جس کے چند فقرے یہ ہین

اما بعد فنحن انصار الله وكتيبة الاسلام وانتم معاشر المهاجرين رهط وقد دفت دافة من قومكم فاذا هم يريدون ان يختزلونا من اصلنا وان يحضنونا من الامر،

ہم خدا کے انصار اور اسلام کی فوج ہین اور تم گروہ مہاجرین ہمارے یہان نیازمندانہ آئے اور اب وہی لوگ چاہتے ہین کہ ہماری بیخ کنی کرین اور خلافت سے ہمین رد کردین،

حضرت عمرؓ اس موقع پر تقریر کرنے کے لیے پہلے سے تیار تھے، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے ان کو موقع نہین دیا اور خود تقریر کی جس کے چند فقرے یہ ہین،

لا ولکنا الامراء وانتم الوزراء فانتم له اهل ولن یعرف هذا الامر الا لهذا الحی من القریش هم اوسط العرب نسباً ودارا،[1]

نہین، لیکن ہم امراء ہین، اور تم وزراء، تم بیشبہ اس کی اہلیت رکھتے ہو، تمام عرب صرف قریش کو خلافت کا مستحق سمجھتا ہے، کیونکہ وہ خاندان ونسب کے لحاظ سے افضل ترین عرب ہین،

حضرت عمرؓ کو اپنی تقریر پر بڑا ناز تھا، لیکن اس تقریر کو سنکر انھون نے اعتراف کیا،

فکان هو احلم منی واوقر واللّٰه ما ترک من کلمة اعجبتنی فی تزویری الا قال فی بدیهته مثلها او افضل منها،

وہ تقریر کرنے مین مجھ سے زیادہ حلیم اور باوقار تھے خدا کی قسم جن فقرون پر مجھکو ناز تھا ان مین ایک کو بھی انھون نے نہین چھوڑا، بلکہ فی البدیہہ ویسے ہی یا ان سے بہتر فقرے کہے،

حضرت عمرؓ نے فرائض خلافت اور فتوحات کی وسعت کی وجہ سے سیاسی معاملات کے متعلق جو تقریرین کی ہین، ان مین ایک طرف تو اس قدر جامعیت، سادگی، روانی اور وضاحت پائی جاتی ہے کہ ایک بچہ بھی ان کے مفہوم کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہی، دوسری طرف اس قدر زور قوت اور جوش و اثر پایا جاتا ہے کہ سننے والون کے دل لرز اٹھتے ہین،

مسند خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ انھون نے جو خطبہ دیا اس کے ابتدائی فقرے یہ تھے،

اللهم انی غلیظ فلینی اللهم انی ضعیف فقونی الا وان العرب جمل انف وقد اعطیت خطامه الا وانی حامله علی المحجة۔

خداوندا مین سخت ہون مجھکو نرم کر، مین ضعیف ہون مجھے قوی بنا، ہان! عرب ایک سرکش اونٹ ہے جس کی مہار میرے ہاتھ مین دیدی گئی ہے، ہان مین اسکو سیدھی راہ پر چلاؤنگا،

[1] بخاری کتاب المناقب باب فضل ابی بکر، و کتاب المحاربین باب رجم الحبلی من الزنی اذا احصنت،

ایک بار ایک تقریر کی جس مین امراء عمال سے ان پرزور الفاظ مین خطاب کیا،

الا وانی لما بعثتکم امراء ولا جبارین ولکن بعثتکم ائمۃ الھدی یھتدی بکم ولا تغلقوا الابواب دونھم فیاکل قویھم ضعیفھم[1]

ہان! مین نے تم کو نہ امیر بنا کر بھیجا نہ ظالم و مستبد مین نے صرف تم کو ایمۂ ہدی بنا کر بھیجا، تاکہ تم سے ہدایت حاصل کیجائے، رعایا پر اپنے دروازے بند نہ کرو کہ قوی ضعیف کو کھا جاے،

حضرت عثمان رضہ نے مسند خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ جب پہلی تقریر کرنا چاہی تو چونکہ پہلے سے تیار نہ تھے اس لیے خاموش ہو گئے، اور ان الفاظ مین معذرت کی،

نتم احوج الی الامام العادل من الامام القائل

تم کو بولنے والے خلیفہ سے زیادہ انصاف کرنے والے خلیفہ کی ضرورت ہے،

لیکن تمام اہل ادب متفق اللفظ ہین کہ اس سے زیادہ بلیغ معذرت آج تک کسی نے نہین کی،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اکثر خطبے زہد و قناعت پر دیے ہین، جو ادب و محاضرات کی کتابون مین منقول ہین؛ ان خطبون مین اگرچہ عموماً سلاست و روانی پائی جاتی ہے، لیکن زور بلاغت کا عالم وہان نظر آتا ہے، جہان انھون نے پولٹیکل تقریر کی ہے اور قوم کو جنگ کے لیے ابھارا ہے، مثلاً،

ایھا الناس المجتمعۃ ابدانھم المختلفۃ اھواءھم کلامکم یوھن الصم الصلاب وفعلکم یطمع فیکم عدوکم ۔ ۔ دکوت

اے وہ لوگو، جنکے جسم تو متحد ہین لیکن مقاصد مختلف ہین تمھاری باتون سے تو پتھر کی چٹانین چور چور ہو جاتی ہین لیکن تمھارے افعال تمھارے دشمنون کو تم پر جرأت دلاتے ہین

[1] کتاب الخراج صفحہ ۲، یہ ایک نہایت پرزور اور مطول تقریر ہے جس مین خلیفہ، عمال اور رعایا کے حقوق و فرائض بیان کیے ہین،

واللہ ان لی بکل عشرۃ منکم رجلا من بنی فراس بن غنم صرف الدینار بالدرہم[1]	کی طرح دلاتے ہین، خدا کی قسم اگر تمھارے دس آدمیون کے بدلے مین مجھے بنی فراس بن غنم کا ایک آدمی بھی ملتا تو مین ایک اشرفی کو ایک درہم کے بدلے مین بیچ دیتا،

صحابۂ کرام نے اپنی اس قوت تقریر سے بڑی بڑی مذہبی خدمتین انجام دی ہین، حضرت ثابت بن قیس بن شماس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف کفار کی تقریرون کے جواب دینے کے لیے مامور فرمایا تھا، اس لیے وہ خطیب رسول اللہ . . . . کے لقب سے پکارے جاتے تھے، مسیلمہ کذاب مدینہ مین آیا، تو آپ اس کے پاس تشریف لے گئے، اور ابتدائی سوال وجواب کے بعد یہ کہکر چلے آئے کہ یہ ثابت بن قیس ہین، جو میری طرف سے تمھارا جواب دین گے،[2] اقرع بن حابس وغیرہ جب اپنے خطبار وشعرار کے ساتھ آپ کی خدمتین مناظرہ کے لیے آئے تو انھی نے ان کے خطیب کا جواب دیا، اور اقرع نے تسلیم کیا کہ وہ غالب رہے،[3] حضرت سہیل بن عمرو نہایت پرجوش خطیب تھے، حالت کفر مین وہ اسلام کی مخالفت مین تقریر کیا کرتے تھے، ایک بار حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ان کے نیچے کے اگلے دو دانت تڑوا دیجیے کہ تقریر کرنے مین زبان نہ چلنے پائے، آپ نے فرمایا مین مثلہ کرنا نہین چاہتا، ممکن ہے کہ ان کی تقریر سے کبھی اسلام کو بھی فائدہ پہونچے،[4] چنانچہ وہ اسلام لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب تمام عرب مین ارتداد کی ہوا چل گئی تو انھون نے قریش کے سامنے ایک مطول تقریر کی جس کے چند فقرے یہ ہین،

یا معشر قریش لا تکونوا آخر من اسلم واول من ارتد واللہ ان	اے گروہ قریش یہ نہو کہ تم سب کے آخر مین تو اسلام لاے اور سب سے پہلے مرتد ہوجاؤ، خدا کی قسم یہ دین

[1] عقد الفرید ج ۲ ص ۱۵۱ [2] بخاری کتاب المغازی باب قصۃ الاسود العنسی [3] اسد الغابہ تذکرہ اقرع ابن حابس [4] کتاب البیان والتبیین للجاحظ ج ۱ ص ۲۲۳

هذا الدین یمتد ت امتداد الشمس — وہان پہونچ جاے گا جہان سے چاند سورج

والقمر من طلوعهما الی غروبهما — نکلتے اور ڈوبتے ہین،

چنانچہ اسی تقریر کے اثر سے تمام قبیلۂ قریش اسلام پر قایم رہا[1]،

صحابہ کرام ہجرت کرکے حبش کو گئے، تو کفار نے ان کو وہان سے واپس لانے کے لیے مخفی طور پر بہت سی تدبیرین کین، لیکن حضرت جعفر بن ابی طالب نے نجاشی کے سامنے اسلام کی تعلیمات کو جس موثر اور واضح طریقہ سے بیان کیا، اس نے ان کی تمام تدبیرون کو بے اثر کر دیا، انھون نے کہا کہ اے بادشاہ! ہم ایک جاہل قوم تھے، بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریان کرتے تھے، قطع رحم کرتے تھے، اور ہمسایون کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے ہم مین جو لوگ قوی تھے، وہ ضعیف کو کھا جاتے تھے، یہ حالت تھی کہ خدا نے ہمارے پاس ایک پیغمبر بھیجا، جو ہمین مین سے تھا، اور ہم اس کے نسب، راستبازی، امانت اور پاکبازی سے واقف تھے، اس نے ہم کو خدا کی طرف بلایا کہ اس کو ایک سمجھین، اس کی عبادت کرین، اور ہم اور ہمارے آباو اجداد جن پتھرون اور بتون کو پوجتے تھے، ان کی پرستش چھوڑ دین، اس نے ہم کو سچائی، امانت داری اور صلہ رحمی کی تعلیم دی اور ہمسایون کے ساتھ سلوک کرنے اور محرمات اور خونریزی سے بچنے کا حکم دیا، بدکاری اور دروغ بیانی سے روکا اور یتیمون کے مال کھانے اور عفیفہ عورتون پر تہمت لگانے سے منع کیا اور ایک خدا کی عبادت کرنے، نماز پڑھنے، زکوۃ دینے اور روزہ رکھنے کی ہدایت کی، پس ہم نے اس کی تصدیق کی، اسپر ایمان لائے، اور اس کا اتباع کیا ہم نے تنہا خدا کو پوجا، اس نے جن چیزون کو ہم پر حرام کیا، ہم نے اس کو حرام سمجھا، اور جن چیزون کو حلال کیا ہم نے اس کو حلال قرار دیا، اس لیے ہماری قوم نے ہم پر دست تعدی دراز کیا، ہم کو اذیتین دین، اور ہم کو

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سہیل بن عمرو رضؓ

ہمارے دین سے برگشتہ کرنا چاہا تاکہ ہم کو خدا کی عبادت سے پھیر کر بتون کی پرستش کیطرف لائین، اور جن ناپاک چیزون کو ہم پہلے حلال سمجھتے تھے اب بھی ان کو حلال سمجھین، تو جب انھون نے ہم پر جبر و ظلم کیا، ہم کو نئی نئی تکلیفین دین، اور ہمارے مذہب مین دست اندازیان کین تو ہم تیرے ملک مین چلے آئے اور سب لوگون پر تجھکو ترجیح دی، تیری ہمسایگی سے توقعات قایم کین اور یہ امید باندھی کہ تیرے پاس ہم پر ظلم نہ کیا جائیگا، اے بادشاہ! نجاشی نے یہ تقریر سنکر کہا کہ تم کو کلام الٰہی کا کوئی ٹکڑا یاد ہے؟ حضرت جعفرؓ نے سورۂ "کہیعص" کی چند ابتدائی آیتین پڑھین تو نجاشی پر یہ اثر پڑا کہ روتے روتے داڑھی تر ہوگئی، اور بے اختیار بول اٹھا کہ "خدا کی قسم یہ اور وہ جو موسیٰؑ لائے ایک ہی چراغ کے پرتو ہین، جاؤ مین کبھی تمھین کفار کو واپس نہین دیسکتا"[1]

[1] مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۲۰۲،

خاتمہ

صحابۂ کرام کا اثر

صحابۂ کرام کی موثر زندگی کے تمام خال و خط تمھارے سامنے آگئے۔ ان کے مذہب، اخلاق، اور معاشرت کی روشن مثالین تمھاری نگاہ سے گذر چکین، ان کی حکومت و سیاست کے تمام کارنامے تم نے پڑھ لئے، لیکن تمھارے دل نے ان کا کچھ اثر بھی قبول کیا؟ اگر ان اخترانِ تابندہ کی روشنی نے تمھاری راتون کو دن نہین بنایا تو یہ تمھاری سیاہ بختی کی سب سے بڑی دلیل ہے، لیکن ہر شخص تمھاری طرح سیہ گلیم اور سیہ بخت نہین ہو سکتا، آج سے تیرہ سو برس پہلے صحابۂ کرام کے مختلف فضائل نے سیکڑون اشخاص کو اپنا گرویدہ بنایا، اور ان کے مذہبی، اخلاقی اور علمی اثر نے دلون کے اندر کی دنیا کو تہ و بالا کر دیا، اگر تم خود صحابۂ کرام کے مذہب، اخلاق، اور معاشرت وغیرہ کا اثر قبول نہین کرتے تو کم از کم دوسرون کی تقلید و مثال سے تو تم کو عبرت و بصیرت حاصل کر لینا چاہئے،

صحابۂ کرام کا مذہبی اثر۔ حضرت جندب بن کعبؓ نے ایک جادوگر کو ایک حدیث کے بموجب قتل کر دیا، اور اس جرم مین ان کو ولید بنؓ عقبہ بن ابی معیط گورنر کوفہ نے سزاے قید دیدی لیکن جیلران کے صوم و صلواۃ کی پابندی سے اس قدر متاثر ہوا کہ خود ان کو رہا کر دیا،[1]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت جندب بن کعبؓ،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا عامل بنا کر روانہ فرمایا تو وہاں پہونچکر انھون نے نماز فجر مین بلند آہنگی کے ساتھ تکبیر کہی، تو حضرت عمرو بن میمونؓ الاودی پر اس کا جو اثر پڑا اس کو وہ خود بیان کرتے ہین،

فالقیت محبتی علیہ فما فارقتہ حتی دفنتہ بالشام،	مین ہمہ تن ان کا عاشق ہوگیا اور اس وقت تک ان کی صحبت سے الگ نہ ہوا جب تک شام مین ان کو دفن نہ کرلیا،

ان کے بعد یہ روحانی اثر ان کو کھینچ کر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے پاس لایا، اور تا دم مرگ ان کی خدمت سے الگ نہوے،[1]

صحابۂ کرام کو جو مذہبی عزت حاصل تھی اس کا یہ اثر تھا کہ لوگ ان کے پاس آکر طالب دعا ہوتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت انس بن مالکؓ کے پاس بصرہ سے کچھ لوگ آکر طالب دعا ہوے، اور انھون نے دعا کی،[2]

حضرت عائشہؓ کی خدمت مین لوگ چھوٹے چھوٹے بچون کو لاتے تھے اور وہ ان کے لیے دعاے برکت کرتی تھین،[3]

امراے بنو امیہ پر صحابۂ کرام کا یہ اثر تھا کہ یہ لوگ مذہبی معاملات مین ان کی اقتدار کو اپنا فرض سمجھتے تھے، چنانچہ ایک بار عبد الملک بن مروان نے حجاج کو لکھ بھیجا کہ مناسک حج مین حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی مخالفت نہ کرو، اس حکم کی بنا پر حجاج خود ان کی خدمت مین حاضر ہوا اور کہا کہ کیا ارشاد ہے، بولے کہ "اب چلنا چاہئے" اس نے کہا اس وقت" بولے "ہان" بولا بدن پر پانی ڈال لون تو حاضر ہون،[4]

---

[1] ابو داؤد کتاب الصلوۃ باب اذا اخر الامام الصلوۃ عن الوقت، [2] ادب المفرد باب، [3] ادب المفرد باب الطیرۃ من الجن، [4] نسائی کتاب الحج باب الرواح یوم عرفہ،

یہ اثر نہ صرف مسلمانون پر بلکہ کفار پر بھی پڑتا تھا، حضرت ابو بکرؓ نے اپنے صحن خانہ مین ایک مسجد بنالی تھی، اور اس مین نماز ادا کرتے تھے، لیکن جب وہ نماز مین قرآن پڑھتے تھے تو کفار کے اہل وعیال ان کی رقت خیز آواز سے اس قدر متاثر ہوتے تھے کہ خود کفار کو یہ خوف پیدا ہوگیا کہ کہین ان کے بچون اور بی بیون کو وہ شیدائے اسلام نہ بنالین[1]،

حضرت ابو ایوب انصاریؓ قسطنطنیہ مین خود رومیون سے لڑکر شہید ہوئے تھے تاہم ان کا یہ اثر تھا کہ جب قحط پڑتا تھا تو رومی ان کی قبر کے واسطے سے پانی برسنے کی دعا مانگتے تھے[2]،

صحابہ کرام کا اخلاقی اثر ہر مقدمہ مین گواہ کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن صحابہ کرام کو ان کی دیانت نے اس سے مستثنیٰ کردیا تھا، حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیلؓ پر ایک عورت نے غصب کا دعویٰ کیا، انھون نے کہا "جب سے مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ جو شخص بلا استحقاق کسی کی ایک بالشت بھر زمین لیگا خدا زمین کے ساتون طبق کو اس کے گلے کا طوق بنائیگا، مین نے اس کی زمین کا کوئی حصہ نہین لیا، مروان کے یہان مقدمہ پیش تھا، اس نے کہا اب مین آپ سے گواہ نہین مانگتا[3]،

امراء وسلاطین تو پھر بھی مسلمان تھے، سب سے زیادہ یہ اثر کفار پر پڑتا تھا، حضرت ابو بکرؓ کفار مکہ کو چھوڑ کر نکلے تو راہ مین ابن الدغنہ مل گیا، جو عرب مین سید القارہ کے خطاب سے ممتاز تھا، اس نے پوچھا "کہان جاتے ہو" بولے "مجھے میری قوم نے نکال دیا ہے، اب سیاحت کرکے خدا کی عبادت کرونگا"، اس نے کہا کہ تم جیسا شخص نہ وطن سے نکل سکتا نہ نکالا جاسکتا، تم غریبون کے لیے مال پیدا کرتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو، قوم کی دیت وتاوان کا بار

---

[1] بخاری کتاب الکفالۃ باب جوار ابی بکر الصدیق [2] حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۱۰۰ [3] مسلم کتاب البیوع باب تحریم الظلم وغصب الارض،

اٹھاتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو، مصائب قومی مین اعانت کرتے ہو،مین تمھارا ضامن ہون،چلو اور اپنے ملک مین خدا کی پرستش کرو، چنانچہ وہ پلٹے اور چند شرایط کے ساتھ کفار نے ان کو عبادت گذاری کی اجازت دیدی[1]،

حضرت نعیم بن عبد اللہ النحامؓ نہایت فیاض صحابی تھے، اور قبیلہ بنو عدی کی بیواؤن اور یتیموں کی پرورش کرتے تھے، کفار پر ان کی اس نیکی کا یہ اثر تھا کہ جب انھون نے ہجرت کا ارادہ کیا تو تمام کفار نے روک لیا، اور کہا کہ جو مذہب چاہو اختیار کرو، اگر کوئی تم سے تعرض کرے گا تو سب سے پہلے ہماری جان تم پر قربان ہوگی[2]،،

صحابہ کرام کا علمی اثر، صحابۂ کرام کو علمی فیوض وبرکات نے ایک چشمۂ شیرین بنا دیا تھا جس کے گرد تشنگان علم کا ہمیشہ مجمع رہتا تھا، حضرت قزعہؒ کا بیان ہے کہ مین حضرت سعید خدریؓ کی خدمت مین حاضر ہوا تو وہ فتوی دے رہے تھے، اور لوگ ان پر ٹوٹے پڑتے تھے، مین نے انتظار کیا جب بھیڑ بھاڑ چھٹی تو مین نے خود اپنا سوال پیش کیا[3]،،

حضرت سبیع بن خالدؒ کا بیان ہے کہ مین کوفہ مین ایک تجارتی مقصد سے آیا، مسجد مین جا کر دیکھا کہ جوق کے جوق لوگ ایک مشہور اور نمایان شخص کے گرد بیٹھے ہوئے ہین، مین نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ حجازی آدمی ہے، مین نے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہین؟ لوگون نے مجھے آنکھین دکھائین اور کہا کہ تم ان کو نہین جانتے؟ یہ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مین سے ہین[4]،،

حضرت ابوادریس خولانیؒ کا بیان ہے کہ مین دمشق کی مسجد مین گیا دیکھا کہ ایک جوان جس کے

---

[1] بخاری باب الکفالۃ باب جوار ابی بکر الصدیق فی عہد النبی وعقدہ [2] اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۳ تذکرہ حضرت نعیم بن عبد اللہ النحامؓ [3] ابوداود کتاب الصیام باب الصوم فی السفر [4] ابوداؤد کتاب الفتن،

وانت موتی کی طرح چمکتے ہین لوگون کا پیشوا ہے، لوگ اگر کسی چیز مین اختلاف کرتے ہین تو اسکی سند پکڑتے ہین اور وہ جو کہدیتا ہے اس پر رک جاتے ہین ہین نے پوچھا یہ کون بزرگ ہین ؟ لوگون نے کہا "معاذ بن جبل رض"[1]

صحابۂ کرام کی علمی عزت واثر کا صرف اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اگر کسی کو صحابۂ کرام سے کچھ پوچھنا ہوتا تھا تو وہ دوسرون سے اعانت وسفارش کا خواستگار رہتا تھا، ہلال عنزی کو حضرت انس بن مالک رض سے ایک حدیث دریافت کرنے کی ضرورت پیش آئی تو انھون نے حضرت ثابت[2] کو شفیع بنایا،

حضرت عائشہ بنت طلحہ نے حضرت عائشہ رض کے دامن تربیت مین پرورش پائی تھی، انکا بیان ہے کہ لوگ دور دور سے ان کے پاس حاضر ہوتے تھے، اور چونکہ مجھکو حضرت عائشہ رض سے تقرب حاصل تھا اس لئے بوڑھے بوڑھے لوگ میرے پاس آتے تھے، جوان لوگ مجھ سے بھائی چارہ کرتے تھے، اور مجھکو ہدیہ دیتے تھے، اور اطراف ملک سے خطوط بھیجتے تھے، جب میرے پاس کوئی خط آتا تو مین کہتی کہ "اے خالہ یہ فلان کا خط ہے، اور فلان کا ہدیہ"، فرماتین کہ "جواب لکھدو اور ہدیہ کا معاوضہ دیدو"[3]،

عوام تو عوام امرا وسلاطین کی مغرور گردن بھی صحابۂ کرام کے علمی اثر کے سامنے جھک جاتی تھی، ایک بار امیر مکہ نے رویت ہلال کے متعلق خطبہ دیا اور اخیر مین حضرت عبداللہ بن عمر رض کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ "تم مین ایک ایسا بزرگ ہے جو خدا اور رسول کے احکام کا مجھ سے زیادہ عالم ہے"[4]

---

[1] موطاء امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی المتحابین فی اللہ۔ [2] مسلم کتاب الطہارۃ باب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحدین من النار [3] ادب المفرد باب الکتابۃ الی النساء وجوابہن۔ [4] ابوداود کتاب الصیام باب شہادۃ رجلین علی رویۃ ہلال شوال،

خلفاء حضرت ایمن رض کی فصاحت بیانی اور طلاقت لسانی کے اس قدر گرویدہ تھے کہ ان کو خلیل الخلفاء
کہا جاتا تھا، باوجودیکہ ان کے جسم پر برص کے داغ تھے، تاہم عبد العزیز بن مروان گورنر مصر ان کو اپنے
ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتا تھا۔[۱]

صحابۂ کرام کا عام اثر — صحابۂ کرام اگرچہ دنیوی حیثیت سے ایک فقیر بینوا تھے، لیکن عام اثر نے ان کو بادشاہ بنا دیا تھا، اس لئے
جہاں جاتے تھے نہایت دھوم دھام سے ان کا استقبال ہوتا تھا، حضرت انس بن مالک رض شام گئے تو لوگ عین التمر تک استقبال کو آئے[۲]
ایک شخص حج کو جا رہے تھے، راہ میں حضرت ابوذر رض مل گئے اور باہم کچھ سوال و جواب ہوا،
انھوں نے مکہ پہونچ کر دیکھا کہ لوگوں نے ایک شخص کو گھیر لیا ہے، بھیڑ بھاڑ کو چیرتے پھاڑتے وہاں
تک پہونچے تو دیکھا کہ وہی بزرگ ہیں جو مقام ربذہ میں ملے تھے یعنی ابوذر رض۔[۳]

ایک بار حضرت ابن عمر رض کے ہاتھ ایک شخص نے اپنا مریض اونٹ فروخت کیا، اس کا دوسرا شریک
آیا تو اس نے کہا کہ میں نے ایک بڈھے کے ہاتھ جو ایسا ایسا تھا اونٹ کو بیچ دیا، اس نے کہا کہ غضب
کیا، وہ ابن عمر رض تھے، وہاں سے دوڑا آیا اور اونٹ کو واپس لے جانا چاہا، مگر حضرت ابن عمر رض نے
خود ہی واپس کرنا پسند نہیں کیا۔[۴]

ایک بار حضرت بلال رض کے بھائی نے ایک عرب گھرانے میں شادی کرنی چاہی، ان لوگوں نے کہا کہ
اگر بلال رض آئیں تو ہم شادی کر سکتے ہیں، حضرت بلال رض آئے تو کہا کہ میں بلال رض ابن رباح ہوں، اور یہ
میرا بھائی ہے، لیکن اس کی مذہبی اور اخلاقی حالت اچھی نہیں ہے، اس لیے تمھیں نکاح کرنے یا نہ کرنے
کا اختیار ہے، ان لوگوں نے کہا کہ تم جس کے بھائی ہو ہم کو اس کے ساتھ نکاح کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔[۵]

---

[۱] حسن المحاضرہ للسیوطی جلد ۱ صفحہ ۸۷۔ [۲] مسلم کتاب الصلوٰۃ باب جواز صلوٰۃ النافلۃ علی الدابۃ فی السفر حیث
توجہت [۳] موطاء امام مالک کتاب الحج باب جامع الحج۔ [۴] بخاری کتاب البیوع باب شری الابل الہیم
[۵] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت بلال رض۔

حضرت حارث بن ہشام رضؓ ایک بار جہاد کی غرض سے شام کو روانہ ہوئے، تمام مکہ مین کہرام مچ گیا، اور تمام لوگون نے ان کی مشایعت کی، جب وہ مقام بطحا مین پہونچے تو کھڑے ہوگئے، اور لوگ ان کے گرد کھڑے ہوکر رونے لگے[1]

حضرت امیر معاویہؓ حضرت اکدرؓ کی نہایت عزت کرتے تھے، اور چونکہ اپنی قوم پر ان کا نہایت اثر تھا، اس لیے ان کے ذریعہ سے ان کی قوم کو اپنے ساتھ ملانا چاہتے تھے جب مروان نے مصر کا محاصرہ کیا تو انھون نے اپنی قوم کو اس کے خلاف میدان جنگ مین لاکر کھڑا کردیا، مروان نے اہل مصر سے مصالحت کرلی، اور حضرت اکدرؓ کو ایک حیلہ سے بلا کر قتل کروادیا، جب وہ قتل ہوگئے تو تمام فوج نے شور کیا کہ "اکدرؓ قتل ہوگئے" اس آواز کا سننا تھا کہ اسی ہزار آدمیون نے دوڑ کے مروان کے محل کو گھیر لیا، یہان تک کہ مروان نے ان کے خوف سے دروازہ بند کرلیا،[2]

ایک بار حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ مسجد اقصیٰ مین نماز ادا کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو اور لوگ بھی ان کے ساتھ ساتھ ہوگئے، انھون نے پوچھا کہ تم لوگ کیون آتے ہو؟ بولے صرف اس لیے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہین، ہم چاہتے ہین کہ آپ کے ساتھ چلین اور آپ کو سلام کرین[3]

بدو نہایت وحشی، خود غرض اور بے تعلق ہوتے ہین، لیکن وہ بھی اس شدت کے ساتھ صحابۂ کرام کے گرویدہ تھے کہ ایک بار حضرت براء بن عازبؓ اونٹ کی تلاش مین صحرا مین پہونچے تو بدوؤن نے گھیر لیا اور ان کے گرد طواف کرنے لگے[4]،

امراء و سلاطین کا گروہ سخت مغرور ہوتا ہے، لیکن صحابۂ کرام کے سامنے انکا نشۂ غرور

---

[1] استیعاب تذکرۂ حضرت حارث بن ہشامؓ [2] حسن المحاضرہ جلد ۱ ص ۵، حضرت اکدرؓ مخضرمی صحابی تھے یعنی رسول اللہ صلعم کو حالت کفر مین دیکھا آپ کے وصال کے بعد اسلام لائے [3] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۱۴۸، [4] ابوداؤد کتاب الحدود باب فی الرجل یتزنی بحریمہ،

بھی بالکل اتر جاتا تھا، ایک بار زمانہ حج مین حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے پانون مین نیزے کی نوک چبھہ گئی، حجاج خود عیادت کو آیا، اور کہا کہ کاش ہم کو اس شخص کا پتہ لگ جاتا، جس کے نیزے سے آپ کے پانون مین زخم لگا ہے" بولے "یہ تمھارا ہی قصور ہے کہ تم نے حدود حرم مین ہتیار لانے کی اجازت دی"

ایک بار انھون نے عبد الملک بن مروان کو خط لکھا اور طریقۂ سنت کے موافق پہلے اپنے نام سے ابتدا کی، عبد الملک کے حاشیہ نشینون نے کہا کہ "یہ بے ادبی ہے" عبد الملک نے کہا "ان کی ذات سے یہی غنیمت ہے[۲]"

نہ صرف صحابہ، بلکہ صحابہ کے ادنیٰ درجے کے متوسلین تک بھی امرا و سلاطین کی نگاہ مین معزز ہو جاتے تھے،

ایک بار حضرت عمر بن عبد العزیز شام مین لوگون کا وظیفہ تقسیم فرما رہے تھے، ایک شخص اس غرض سے حاضر ہوا اور کہا کہ "مین قریش سے ہون" انھون نے کہا کہ قریش کی کس شاخ سے ہو؟ بولا بنو ہاشم سے،، فرمایا بنو ہاشم کے کس خاندان سے؟ بولا مین علی بن ابی طالب کا غلام ہون، انھون نے سینہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ مین بھی علی کا غلام ہون،، پھر اپنے خزانچی سے کہا کہ غلامون کو کیا وظیفہ دیا جاتا ہے؟ اس نے کہا سو سے دو سو درہم تک، فرمایا یہ علی بن ابی طالب کا غلام ہے، اس کو ۵۰ دینار دو، پھر کہا کہ اب اپنے ملک مین جاؤ ہر سال تم کو اس قدر رقم پہونچتی رہیگی، جتنی غلامون کو ملتی ہے[۳]،

صحابہ کرام کا اثر عقائد پر

خوارج کا مذہب ہے کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کی شفاعت قبول نہوگی، ایک بار خوارج کا ایک گروہ حج کے لیے روانہ ہوا اور مدینہ پہونچا تو دیکھا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ

---

[۱] بخاری کتاب العیدین باب مایکرہ من حمل السلاح فی العید والحرم [۲] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ [۳] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمر بن عبد العزیز۔

حدیث کی روایت کر رہے ہیں جہنمیون کا ذکر آیا تو انھون نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا ایک قوم کو شفاعت کے ذریعہ سے جہنم سے نکالیگا، ایزید فقیر بھی خوارج کے گروہ مین شامل تھے، انھون نے اعتراض کیا، کہ آپ یہ کیا کہہ رہے ہین؟ خدا خود کہتا ہے،

انک من تدخل النار فقد اخزیتہ	تو نے جس کو جہنم مین ڈالدیا پھر اوس کو چھوڑ دیا
کلما ارادوا ان یخرجوا منہا	جب جب وہ لوگ جہنم سے نکلنے کا قصد کرینگے
اعیدوا فیہا،	اس مین لوٹا دیئے جائینگے،

بولے تم قرآن پڑھتے ہو؟ انھون نے کہا ہان! بولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقام کو بھی جانتے ہو، جہان خدا آپ کو مبعوث کرے گا؟ کہا ہان" بولے "یہ آپکا وہی مقام محمود ہے جس کی برکت سے خدا جس کو چاہیگا جہنم سے نکالے گا، اس کے بعد اور وقائع قیامت کا ذکر کیا، تو لوگون پر اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ سب نے کہا بھلا یہ بڈھا جھوٹی روایتین بیان کرسکتا ہے، چنانچہ یہ لوگ پلٹے تو ایک آدمی کے سوا کوئی دوسرا شخص خارجی نہ رہ سکا[1]،

صحابۂ کرام کا اثر سیاست پر | اسلام کی تاریخ مین صحابۂ کرام نے اپنی آزادانہ نکتہ چینی اور عملی مخالفت سے مختلف سیاسی انقلابات پیدا کردیئے ہین،

ایک بار حضرت ابو مریم ازدی حضرت امیر معاویہؓ کے دربار مین حاضر ہوئے ان کو ان کا آنا ناگوار گذرا اور بولے کہ "ہم تمھارے آنے سے کچھ خوش نہین ہوئے،" انھون نے کہا کہ مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی ہے، مین آپ کے سامنے اس کو بیان کرتا ہون، آپنے فرمایا ہے کہ خدا جس کو مسلمانون کا والی بنادے وہ اگر ان کی حاجتون ضرورتون اور ناداریون سے (آنکھ بند کرکے) پردے مین چھپ جائے تو خدا بھی قیامت کے دن اس کی حاجتون، ضرورتون اور ناداریون

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان، باب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحدین من النار،

(آنکھ بند کر کے) آڑ مین چھپ جائیگا، حضرت امیر معاویہؓ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ رعایا کی حاجت روائی کے لیے ایک مستقل شخص کو مقرر کر دیا۔[1]

ایک غلام ایک شخص کے باغ سے کھجور کا پودا چرا لایا، اور اپنے آقا کے باغ مین لگا دیا، مروان بن الحکم اس وقت مدینہ کا گورنر تھا، صاحب باغ نے غلام پر مقدمہ دایر کیا، اور مروان نے غلام کو حراست مین لے لیا، اور اس کا ہاتھ کاٹنا چاہا، غلام کا آقا حضرت رافع بن خدیجؓ کی خدمت مین حاضر ہوا اور اس معاملہ کے متعلق گفتگو کی، انھون نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پھل کی چوری مین ہاتھ نہین کاٹا جاسکتا، اس نے کہا تو مروان کو بھی اس حدیث کی خبر کر دیجئے، وہ گئے اور مروان کے سامنے یہ حدیث بیان کی تو اس نے غلام کو رہا کر دیا۔[2]

بیت المال سے مسلمانون کا جو وظیفہ مقرر تھا، اخیر زمانے مین اس کی وصولی کے لیے ایک چک ملتی تھی جس پر لکھا ہوتا تھا، کہ فلان شخص کو اس قدر غلہ ملنا چاہیے، چنانچہ بعض لوگ کرتے تھے کہ اس چک ہی کو فروخت کر ڈالتے تھے، چونکہ حدیث مین ہے کہ جب تک مال پر بائع کا قبضہ نہو جائے اس کی بیع جائز نہین، اس لیے حضرت ابوہریرہؓ نے اسپر اعتراض کیا اور مروان نے حکم دیا کہ یہ طریقہ موقوف کر دیا جائے، راوی کا بیان ہے کہ اس حکم کی اس سختی کے ساتھ تعمیل کی گئی کہ مین نے پولیس کو دیکھا کہ لوگون کے ہاتھ سے ان رقعون کو چھین رہی ہے۔[3]

---

[1] ابوداود کتاب الخراج والامارۃ باب فیما یلزم الامام من امر الرعیۃ [2] ابوداود کتاب الحدود باب لا قطع فیہ [3] مسلم کتاب البیوع باب بطلان المبیع قبل القبض،
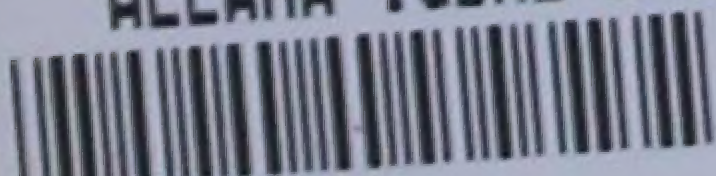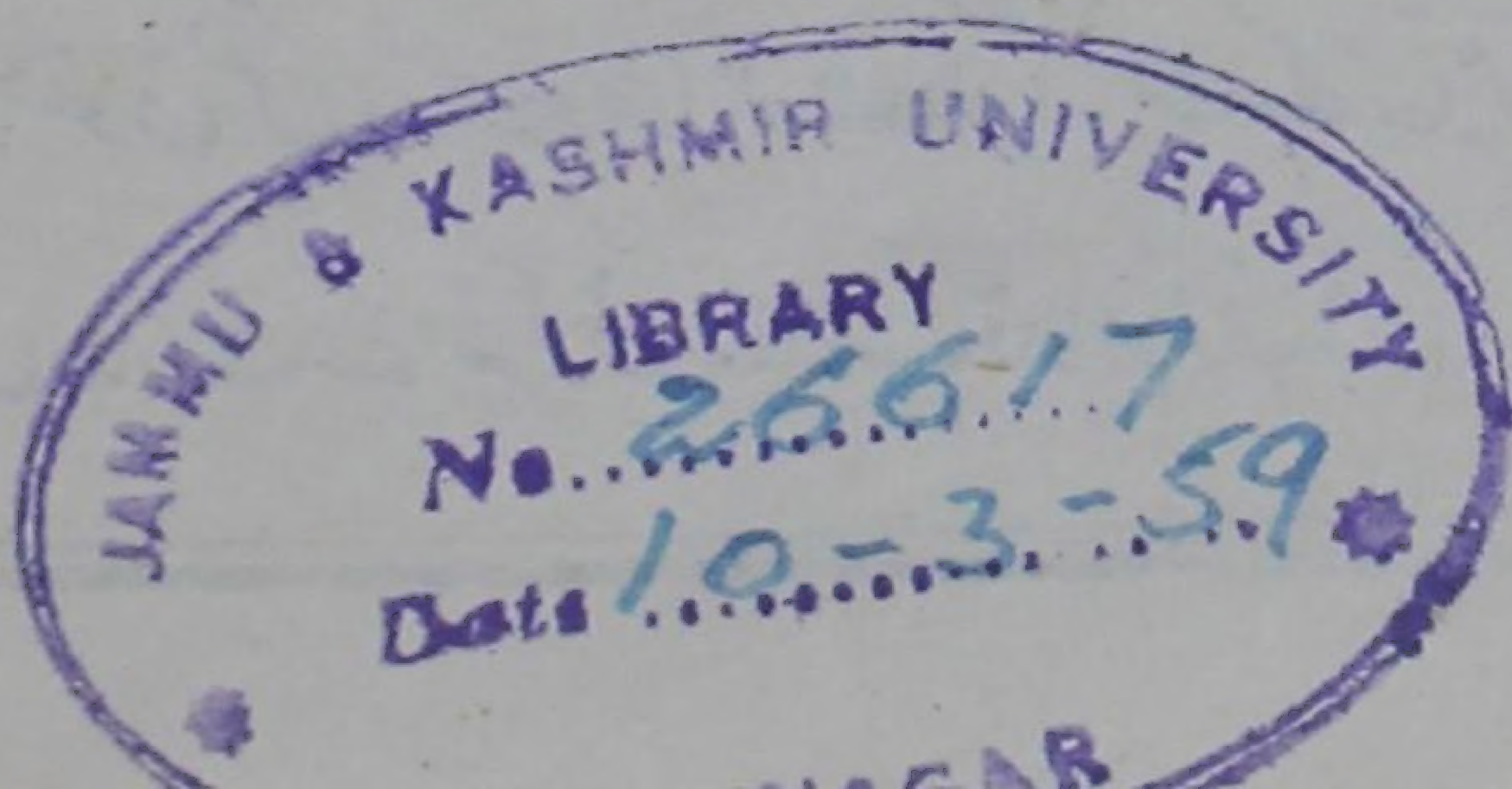
سلیمان نمبر

مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی

معارف کا سلیمان نمبر جس کا شائقین و قدردانانِ معارف کو مدت سے انتظار تھا، اب بحمد اللہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا ہے، اور اس کے بیشتر مضامین چھپ چکے ہیں، یہ نمبر عام اردو رسائل کے خاص نمبروں کی طرح کا کوئی نمبر نہیں بلکہ تقریباً چار سو صفحات کی ضخیم کتاب اور سلسلۂ تالیفات دار المصنفین کی ایک اہم کڑی ہے جس میں صاحبِ "معارف" مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے سیر، سوانح، اخلاق و شمائل، فضائل و کمالات اور ان کے علمی و دینی، قومی و ملی، اصلاحی و تعلیمی کارناموں اور خدمات کا پورا مرقع آگیا ہے، یہ ان کی مستقل سیرت و سوانح عمری کا بدل نہیں کہ وہ تو دار المصنفین کا ایک اہم فریضہ ہے جس سے اس کو عہدہ برآ ہونا ہے لیکن حتی الامکان تک اسکی کوشش ضرور کی گئی ہے کہ اس حیاتِ طیبہ کا کوئی پہلو چھوٹنے نہ پائے، اس میں سیرۃ سید سے متعلق مضامین کے علاوہ متعدد منظومات، قطعات تاریخ، اور اہم تاریخی مکاتیب بھی آگئے ہیں، اس طرح سے سیرت سلیمانی کی گو کہ حقہٗ تکمیل تو نہیں ہو سکی ہے لیکن اس کا پورا خاکہ ضرور آگیا ہے، اس میں دار المصنفین کے رفقائے مصنفین کے علاوہ ملک کے اکثر مشاہیر اہل قلم و اصحابِ علم نے بھی حصہ لیا ہے جس سے اس کی افادیت اور اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی ہے، یہ چند مضامین کا کوئی مجموعہ نہیں، بلکہ وقت کی ایک سنجیدہ و گرانقدر تالیف ہے جس میں سید والا کے دور کی پوری علمی و ادبی تاریخ آگئی ہے، یہ نمبر معارف کے خریداروں کو دو روپیہ میں اور تمام خریداروں کو علاوہ محصول ڈاک چار روپیہ میں ملے گا،

منیجر دار المصنفین